خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اپنی طرز کا پہلا ماہنامہ

خواتین ڈائجسٹ

جون 2020

سالگرہ نمبر

Pakistanipoint
Learning Points

کہنی سُنتی، مدیر 10

کرن کرن روشنی، ادارہ 11

ہمارے نام، نادرہ خاتون 248

آپ سے کیا پردہ

اس دل کے جھروکے، انشاجی 16

خاتون کی ڈائری

میری ڈائری سے، امت الصبور 242

مجھ سے ملئے

باتیں کنول خان سے، شاہین رشید 17

انٹرویو

بدلتی رُتوں کے ساتھ، ادارہ 22

شہناز لغاری سے ملاقات، شاہین رشید 32

ناول

تتلی جیسا پیار، راحت جبیں 34

رنگ ریز میرے، عفت سحر 184

حاتم، نمرہ احمد 202

مکمل ناول

سوال، نگہت سیما 118

ناولٹ

کم بخت، نگہت عبداللہ 70

آسمانی رشتے، منشاء محسن 94

افسانے

یہ کیسی محبت، سنیعہ عمیر 109

سوہنی ملکانی، زارا ہنجرا 66

مڈل فیل، عمارہ خان 88

پھوپھو کی دعوت، تحسین گل 234

نادیدہ رنجیرس، نعیمہ ناز 180

نظمیں غزلیں

غزل، باصر سلطان کاظمی 237

غزل، عزم بہزاد 237

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ شعاع اور ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈراما، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بہ صورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

03172266944

رنگا رنگ پھول

رنگا رنگ سلسلہ — شگفتہ جاہ — 238

میری بیاض سے

آپ کی بیاض سے — خالدہ جیلانی — 241

پکوان

موسم کے پکوان — خالدہ جیلانی — 254

نفسیات

نفسیاتی ازدواجی الجھنیں — عدنان — 256

بیوٹی بکس

بیوٹی بکس کے مشورے — امت الصبور — 258

اپریل/مئی 2020

جلد 47 شمارہ 12

قیمت 70 روپے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ..... -/700 روپے

ایشیا، افریقہ، یورپ ..... -/7000 روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا ..... -/8000 روپے

سالانہ خریداری کے لیے ای میل کریں

subscriptions@khawateendigest.com

خط و کتابت کا پتہ: خواتین ڈائجسٹ، 37 - اُردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابنِ حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872

Email: info@khawateendigest.com Website www.khawateendigest.com

Taqi Azeem
www.pakistanipoint.com

مدیر کی میز

خواتین ڈائجسٹ کا سالگرہ نمبر پیش خدمت ہے جو دو ماہ کے تعطل کے بعد آپ تک پہنچ رہا ہے۔
یہ اپریل، مئی اور جون کا مشترکہ شمارہ ہے۔

تقریباً نصف صدی پہ محیط مسافت خواتین ڈائجسٹ نے نہایت کامیابی سے طے کی۔ وقت بہت بدلا ہے۔ دنیا بہت تیزی سے آگے بڑھی ہے۔ آج تفریح کے بے شمار ذرائع مہیا ہیں۔ وقت گزارنا یا کچھ سیکھنا کوئی مسئلہ ہی نہیں رہا ہے۔ اس کے باوجود خواتین ڈائجسٹ کی قارئین کا ایک بڑا حلقہ ہے جس میں ہر عمر کی لڑکیاں اور خواتین شامل ہیں۔ وہ قارئین جو آغاز سے اس سے منسلک ہیں اور آج کی نوجوان نسل بھی۔

ہماری قارئین برملا اعتراف کرتی ہیں کہ ان کی کامیابیوں اور ذہنی تربیت میں خواتین ڈائجسٹ کا ایک اہم کردار ہے۔ خواتین ڈائجسٹ نے ایک ماں کی طرح انہیں اچھے برے کی تمیز سکھائی۔ ایک استاد کی طرح رہنمائی کی اور ایک سچے دوست کی طرح رفاقت کا حق ادا کیا۔

محمود ریاض صاحب نے جب اس پرچے کا اجرا کیا۔ اپریل ۱۹۷۴ء میں پہلا پرچا سامنے آیا۔ اور یہ خوش نصیبی بھی کم پرچوں کو حاصل ہوتی ہے کہ پہلا پرچا ہی قارئین کو چونکا گیا۔ دوسرا پرچا شائع ہوا تو قارئین کو یاس کا انتظار کرنا پڑ رہا تھا اور بہت جلد وہ وقت آیا جب خواتین ڈائجسٹ ہر گھر کا پرچا بن گیا۔

ہماری اس کامیابی میں ہماری مصنفین کا بہت بڑا حصہ ہے۔ بلاشبہ ان کی بہترین تخلیقات نے خواتین ڈائجسٹ کو پرچوں کی دنیا میں ایک نمایاں مقام دیا ہے۔ ہم اپنی مصنفین کا شکریہ الفاظ میں ادا کرنے سے قاصر ہیں۔

ہماری قارئین کا بھی شکریہ جن کی بے مثال محبت اور خلوص کی بنا پر خواتین ڈائجسٹ کا شمار مقبول ترین پرچوں میں ہوتا ہے۔

جب سے خواتین ڈائجسٹ کا اجرا ہوا ہے، یہ ہر ماہ باقاعدگی سے آپ تک پہنچتا رہا ہے۔ اتنے سالوں میں پہلا موقع ہے کہ ہم پرچا آپ تک نہ پہنچا سکے۔

اپریل کا شمارہ تکمیل کے مراحل میں تھا کہ کورونا کی وبا کی وجہ سے پورے ملک میں لاک ڈاؤن کا اعلان کر دیا گیا۔ تمام کاروبار زندگی معطل ہو گیا۔ سب گھروں میں محصور ہو گئے۔ دو ماہ تک پرچا شائع نہ ہو سکا۔ اب لاک ڈاؤن میں کچھ نرمی ہوئی ہے تو اپریل، مئی اور جون تین ماہ کا مشترکہ شمارہ پیش کیا جا رہا ہے۔

دنیا بھر میں کوئی بھی خطہ زمین اس نادیدہ وائرس سے محفوظ نہیں ہے۔ پوری انسانیت اس وبا کے خوف میں مبتلا ہے اس بار رمضان المبارک کا پورا مہینہ اور عید الفطر کا تہوار بھی خوف و ہراس کی فضا میں گزرا۔ اللہ تعالیٰ اہل زمین پر رحم فرمائے اور ہمیں اس وبا سے نجات دے۔ آمین۔

دعائے مغفرت

کچھ لوگ دنیا میں ایسے رہتے ہیں کہ دنیا سے جانے کے بعد بھی اپنے کردار و عمل کی وجہ سے زندہ رہتے ہیں۔ ان لوگوں کے کام جگنو بن کر راہوں میں روشنی پھیلاتے ہیں۔ محمود ریاض صاحب ایسی ہی شخصیت تھے۔

محمود ریاض صاحب آج ہمارے درمیان نہیں۔ انہیں دنیا سے رخصت ہوئے انیس سال گزر گئے ہیں لیکن اپنے کردار، اپنی شخصیت اور اپنے کام کی وجہ سے وہ آج بھی ہمارے ساتھ ہیں۔

۹ مئی کو ان کا یوم وفات ہے۔ قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے۔ آمین۔

اس شمارے میں

- نگہت سیما کا مکمل ناول ۔ سوال، ، نگہت عبداللہ اور منشا محسن کے ناولٹ،
- عالم ۔ نمرہ احمد کا ناول تکمیل کے مراحل میں، ، راحت جبیں اور عفت سحر طاہر کے ناول،
- زارا انجم، سنعیہ عمیر، عمارہ خان، نعیمہ ناز، جویریہ مریم اور عمارہ جہاں کے افسانے،
- ٹی وی فنکارہ کنول خان سے باتیں، ، خاتون پائلٹ شہناز لغاری سے ملاقات،
- سالگرہ نمبر کا خصوصی سروے ۔ بدلتی رتوں کے ساتھ،
- آپ کا باورچی خانہ، ہمارے نام، نفسیاتی ازدواجی الجھنیں اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں۔

قرآن پاک زندگی گزارنے کے لیے ایک لائحہ عمل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن پاک کی عملی تشریح ہے۔ قرآن اور حدیث دین اسلام کی بنیاد ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن مجید دین کا اصل ہے اور حدیث شریف اس کی تشریح ہے۔

پوری امت مسلمہ اس پر متفق ہے کہ حدیث کے بغیر اسلامی زندگی نامکمل اور ادھوری ہے، اس لیے ان دونوں کو دین میں حجت اور دلیل قرار دیا گیا۔ اسلام اور قرآن کو سمجھنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطالعہ کرنا اور ان کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

کتب احادیث میں صحاح ستہ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، جامع ترمذی اور موطا مالک کو جو مقام حاصل ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں۔

ہم جو احادیث شائع کر رہے ہیں، وہ ہم نے ان ہی چھ مستند کتابوں سے لی ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے علاوہ ہم اس سلسلے میں صحابہ کرام اور بزرگان دین کے سبق آموز واقعات بھی شائع کریں گے۔

کرن کرن روشنی

ادارہ

صلوٰۃ التسبیح

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

"اے عباس رضی اللہ عنہ! کیا میں تمہیں ایسی عبادت کے بارے میں بتاؤں کہ جس پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہارے اگلے اور پچھلے، نئے اور پرانے قصداً اور سہواً، چھوٹے اور بڑے، چھپے اور ظاہر تمام گناہوں کو بخش دے گا۔ تم روزانہ چار رکعت نماز تسبیح پڑھا کرو۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو جمعہ میں ایک (سات دنوں میں ایک بار) یہ بھی نہ کر سکتے ہو تو مہینے میں ایک دفعہ پڑھ لیا کرو۔ اگر یہ بھی نہ کر سکتے ہو تو سال میں ایک مرتبہ پڑھو اور اگر ایسا بھی نہ کر سکو تو پھر ساری عمر میں کم از کم ایک دفعہ یہ نماز پڑھ لو تو اللہ تعالیٰ تمہارے تمام گناہ معاف کر دے گا۔"

فوائد و مسائل:

"آج کل کی بے پناہ مصروفیات میں نماز تسبیح کا روزانہ پڑھنا یقیناً مشکل کام ہے، حتیٰ کہ مہینے میں بھی .....ایک دفعہ اس کا اہتمام کرنے کا موقع شاید چند ہی خوش نصیب لوگوں کو ملتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تسبیح کی اتنی فضیلت بیان فرمائی ہے کہ اگر اسے سال میں ایک دفعہ بھی ادا کیا جائے تو اس کے بے پناہ اجر و ثواب سے مستفید ہوا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اس بابرکت نماز کی ادائیگی کے لیے رمضان المبارک سے بہتر اور کوئی موقع نہیں ہو سکتا۔ ذرا سی توجہ اور کوشش سے رمضان المبارک میں نماز جمعۃ المبارک سے قبل یا اس کے بعد چار رکعت نماز تسبیح بہ آسانی ادا کی جا سکتی ہے۔ اس طرح بابرکت اور بے پناہ اجر و ثواب کی حامل نماز کا اہتمام ممکن ہے۔

آپ چار رکعت نفل اس طرح ادا کریں کہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد اور کوئی دوسری سورت پڑھیں۔ اس کے بعد قیام کی ہی حالت میں کلمہ تمجید پندرہ بار پڑھیں۔

"سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔" پھر رکوع میں جائیں۔ رکوع کی تسبیحات پڑھیں۔ پھر ان ہی کلمات کو دس بار دہرائیں۔ پھر رکوع سے اٹھ جائیں اور سمع

www.pakistanipoint.com

اللہ لمن حمدہ کے بعد دس بار یہی کلمات پڑھیں۔

پھر سجدے میں جائیں۔ (سجدے کی تسبیحات اور دعائیں) پڑھنے کے بعد یہی کلمات دس بار پڑھیں۔ پھر سجدہ سے سر اٹھا کر جلسہ میں اور (جلسے کی دعائیں پڑھنے کے بعد) یہی کلمات دس بار پڑھیں۔

پھر دوسرے سجدے میں چلے جائیں اور سجدے کی تسبیح کے بعد دس بار یہی کلمات دہرائیں۔ (پہلے سجدے کی طرح) پھر سجدہ سے سر اٹھائیں اور جلسہ استراحت میں کچھ اور پڑھے بغیر دس بار اس تسبیح کو دہرائیں۔

یوں ایک رکعت میں 75 تسبیحات ہو جائیں گی۔ اسی طرح چار رکعت پڑھی جائیں گی۔

تشہد میں تسبیحات التحیات سے پہلے پڑھیں۔

اعتکاف

اعتکاف کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ انسان چند دنوں کے لیے دنیا کی مشغولیات اور مصروفیات سے قطع تعلق کر کے مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی بندگی اختیار کرتے ہوئے اس کا رنگ اپنے اوپر چڑھالے۔ رمضان المبارک کے آخری دس دنوں میں مسجد میں معتکف ہونا مسنون عمل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوری زندگی باقاعدگی سے اعتکاف میں بیٹھنے کا اہتمام فرماتے رہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

"جب رمضان المبارک کا آخری عشرہ آتا تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کمر کس لیتے، راتوں کو جاگتے، اپنے گھر والوں کو جگاتے اور اتنی محنت کرتے جتنی کسی اور عشرے میں نہ کرتے۔" (بخاری و مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ.....

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کے آخری عشرے کا اعتکاف فرماتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات دی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات بھی اعتکاف کرتی رہیں۔" (بخاری و مسلم)

اعتکاف، تزکیہ نفس اور تقویٰ اختیار کرنے کا بہترین نسخہ ہے۔ سال کے 365 دنوں میں انسان دنیا کے مسائل اور دیگر مصروفیات میں ڈوبا رہتا ہے۔ اگر ان 365 دنوں میں صرف دس اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول اور اپنے سال بھر کے گناہوں اور خطاؤں کی بخشش کے لیے وقف کر دیے جائیں تو یہ کوئی مہنگا سودا نہیں۔ اعتکاف کے دس دنوں کے لیے الگ سے ایک خصوصی ٹائم ٹیبل ترتیب دیا جاسکتا ہے۔ جس میں چند گھنٹے آرام کے سوا زیادہ تر وقت تلاوت، مطالعہ قرآن پاک، مطالعہ حدیث، مطالعہ اسلامی کتب، حفظ اور ذکر واذکار اور دیگر عبادت الٰہی میں گزارا جاسکتا ہے۔

شب قدر

رمضان المبارک وہ مہینہ ہے جس میں ایک رات ایسی ہے جسے ہزار مہینوں سے بہتر قرار دیا گیا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

"ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کیا ہے اور تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزاروں مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔" (القدر 3-297)

یہ مبارک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کی جاسکتی ہے۔ اس رات کی فضیلت کو پانے کے لیے رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں عبادت پر خصوصی توجہ دینی چاہیے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

"ایک سال رمضان المبارک آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تم لوگوں پر ایک مہینہ آیا ہے جس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ جو شخص اس رات سے محروم رہ گیا، وہ سارے کے سارے خیر سے محروم رہ گیا۔ اس رات کو خیر و برکت سے محروم وہی رہتا ہے جو واقعی محروم ہے۔" (ابن ماجہ)

فوائد و مسائل :-

www.pakistanipoint.com
Waqar Azeem

1۔ چونکہ آخری عشرہ شروع ہونے تک روزہ داروں کی کافی تربیت ہو چکی ہوتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی عبادت کو سونے سے کندن بنانے کے لیے رمضان المبارک کے آخری عشرے اور بالخصوص طاق راتوں میں لیلۃ القدر تلاش کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس حکم کا مقصد روزہ داروں کو زیادہ سے زیادہ عبادت الٰہی اور ذکر الٰہی کی ترغیب دینا ہے۔ چونکہ رمضان المبارک اپنی بھرپور رفعتوں کے ساتھ اختتام کی جانب بڑھ رہا ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جہنم کی آگ سے بچانے کے لیے قیام اللیل اور اعتکاف کے ذریعے تربیت دینا چاہتا ہے۔

2۔ انسان کی تعلیم و تربیت کے لیے آسان سے مشکل کا اصول ایک کارگر نسخہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں پر یک لخت کوئی بوجھ ڈالنے کے بجائے ان کی تعلیم و تربیت ماہ رمضان المبارک میں اسی اصول یعنی آسان سے مشکل کے تحت کرنا چاہتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے [illegible] کی نسبت آخری عشرے میں زیادہ [illegible] اور عبادت کی تاکید فرمائی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ شب قدر کون سی ہے تو میں اس میں کیا پڑھوں؟'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی۔''

ترجمہ: ''اے اللہ! بے رشک تو بہت معاف کرنے والا ہے اور معاف کرنے کو پسند کرتا ہے، پس تو مجھے معاف فرما دے۔''

3۔ انسان سال کی 365 راتیں سو کر گزارتا ہے۔ اگر ان 365 راتوں میں ایک رات اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی خاطر عبادت میں جاگ کر گزاری جائے تو اس کے اجر و ثواب کا وعدہ ہزاروں راتوں کے برابر کیا گیا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اس سے بھی بڑھ کر اجر و ثواب دیتا ہے۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنا

نماز، روزہ اور حج کا تعلق زیادہ تر بدن سے ہے۔ لیکن زکوٰۃ اور صدقات کا براہ راست تعلق مال و دولت سے ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے۔

''اور جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ایک بڑی دردناک سزا کی خبر سنا دیجیے جو کہ اس روز واقع ہوگی کہ ان کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا۔ پھر ان سے ان لوگوں کی پیشانیوں کو اور ان کی کروٹوں اور پشتوں کو داغ دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا یہ ہے وہ مال جس کو تم نے اپنے لیے جمع کر رکھا تھا۔ سو اب اپنے جمع کرنے کا مزا چکھو۔'' (التوبہ 9-34-35)

اسی طرح ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

''تم ہرگز نیکی حاصل نہ کر سکو گے جب تک وہ مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو جو تمہیں بہت عزیز ہے۔'' (آل عمران 3:92)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے انسانوں میں سب سے زیادہ فیاض اور سخی تھے، لیکن جب رمضان المبارک کا مہینہ آتا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت اور فیاضی کی کوئی انتہا نہ رہتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فیاضی میں بارش لانے والی ہوا کی مانند ہو جایا کرتے تھے۔'' (بخاری)

فوائد و سائل

1۔ راہ خدا میں صدقہ و خیرات سے جہاں مال کی پاکیزگی کا فریضہ ادا ہوتا ہے۔ وہیں اس سے نہ صرف اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور نعمتیں بارش کی مانند خرچ کرنے والوں پر برستی ہیں، بلکہ اس سے معاشرے میں موجود طبقاتی تقسیم اور عدم مساوات کی خلیج کو بھی پاٹنے کا موقع ملتا ہے۔ غریبوں اور ناداروں کی مشکلات میں کمی لانے اور ان کی مالی اعانت کے لیے اللہ تعالیٰ نے معاشرے کے صاحب ثروت اور مال دار افراد پر ان کے مال

www.pakistanipoint.com
Azeem

دولت کی پاکیزگی کی خاطر سال میں ایک دفعہ زکوٰۃ کی ادائیگی کو فرض قرار دیا ہے۔

2۔ زکوٰۃ کے لغوی معنی پاکیزگی کے ہیں۔ جبکہ شریعت کی رو سے زکوٰۃ مال کے اس حصے کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں بتائے ہوئے طریقے یعنی نصاب کے مطابق معاشرے کے صاحب ثروت افراد معاشرے کے غریب، نادار، مساکین اور ضرورت مند افراد میں تقسیم کرتے ہیں۔

3۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے ماہ رمضان المبارک بہترین مہینہ ہے۔ ایک تو اس ماہ مبارک میں کسی بھی فرض اور نفل عبادت کا اجر اللہ تعالیٰ کئی گناہ بڑھا کر دیتا ہے اور دوم چونکہ معاشرے کے صاحب ثروت اور مال دار افراد تو اپنی مال داری اور ثروت کی وجہ سے افطاری میں انواع واقسام کی نعمتوں سے مستفید ہوتے ہیں، لیکن معاشرے کے غریب اور مفلوک الحال افراد جو روزے کی شدت کے باوجود اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے دن بھر محنت مزدوری کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، لیکن پھر بھی ان کو کھانے پینے اور پہننے کی وہ سہولیات نصیب نہیں ہوتیں جو کسی بھی انسان کا بنیادی حق ہیں۔ اس لیے اگر اس ماہ مبارک میں مال دار اور صاحب ثروت افراد معاشرے کے محروم افراد کے دکھوں کا احساس کرتے ہوئے اپنی زکوٰۃ اور صدقات پوری ایمان داری کے ساتھ ادا کریں تو اس سے معاشرے میں غریب اور بے سہارا افراد کے دکھوں اور غربت کو بانٹنے میں کافی مدد مل سکتی ہے۔

رمضان المبارک میں خرچ کرنے کی اہمیت بیان کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

”جو شخص اس مہینے میں کسی روزہ دار کو افطار کرائے تو اس کے لیے گناہوں سے مغفرت اور دوزخ کی آگ سے رہائی ہے۔ اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا روزہ دار کو، اس سے روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔“

صحابہ رضی اللہ عنھم نے عرض کیا۔ ”اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم میں سے سب کے پاس اتنا سامان تو نہیں ہوتا کہ روزہ دار کو افطار کرائیں۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس کو بھی عطا کرتا ہے جو ایک گھونٹ دودھ، ایک کھجور اور پانی کے ایک گھونٹ سے کسی روزہ دار کو افطار کرائے گا۔“ (بیہقی)

اس حدیث شریف سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر کوئی صاحب حیثیت نہیں ہے اور اس کے پاس کسی کو دینے کے لیے یا کسی کو افطار کرانے کے لیے کچھ زیادہ نہیں ہے تو ایک گھونٹ پانی یا ایک گھونٹ دودھ یا ایک کھجور سے بھی کسی مسلمان بھائی کو افطار کرا کے گناہوں کی مغفرت اور جہنم کی آگ سے بچنے کا اہتمام کر سکتا ہے۔

4۔ اسلام صدقات وخیرات کی بھی بھرپور حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک میں ایک ایک دانہ اور ایک پیسہ صدقہ وخیرات کرنے پر کم از کم سات سو گناہ اجر کا وعدہ فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ جس کو وہ چاہے گا، اس سے بھی زیادہ عطا کرے۔

5۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے علاوہ اس ماہ مبارک میں کوشش کرنی چاہیے کہ روزانہ کچھ نہ کچھ مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا جاتا رہے، جس سے مال ودولت میں برکت پیدا ہوگی۔ اس عمل سے جہاں صدقہ وخیرات کرنے والوں میں شکر گزاری اور ایثار وقربانی کا جذبہ فروغ پائے گا۔ وہاں اس عمل سے غریب اور بے کس انسانوں کی امداد کی راہ بھی ہموار ہوگی۔

6۔ تقویٰ کے حصول کے لیے جہاں بدنی عبادت کی بہت زیادہ تاکید بیان کی گئی ہے۔ وہاں مالی عبادت یعنی صدقہ وخیرات اور زکوٰۃ کی بروقت مستحقین کو ادائیگی بھی لازمی شرط ہے۔ اسلام مال اور دولت کو سینت سینت کر جمع کرنے کی ویسے بھی مخالفت کرتا ہے، اس لیے اس مبارک مہینے کے توسط سے زیادہ سے زیادہ مال ودولت اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا خصوصی اہتمام کرنا اللہ تعالیٰ کی رضا اور

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

خوشنودی کا باعث بن سکتا ہے۔ زکوٰۃ تقسیم کرتے وقت اس بات کا خصوصی خیال رکھنا چاہیے کہ اس میں کسی غریب اور مستحق زکوٰۃ کی عزت نفس مجروح نہ ہو، بلکہ انتہائی عاجزی اور خاموشی سے کسی کو بتائے بغیر مستحق لوگوں کی مدد کرنی چاہیے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"صدقہ وخیرات اس طرح کرنا چاہیے کہ اگر یہ دائیں ہاتھ سے دیا جائے تو بائیں ہاتھ تک کو اس کی خبر نہ ہو۔"

یعنی بڑی راز داری اور خاموشی سے بغیر کوئی احساس جتائے اپنے ضرورت مند مسلمان بھائی کی مدد کرنی چاہیے۔ اسلام میں احسان جتانے کو برا فعل قرار دیا گیا ہے۔

فطرانہ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔

"صدقہ فطر کو اس لیے واجب کیا گیا ہے، تاکہ روزوں میں روزہ دار سے جو فضول اور بے حیائی کی باتیں سرزد ہو جاتی ہیں۔ ان کا کفارہ بنے۔ مساکین وغریبوں [illegible] کا انتظام ہو جائے۔ جو اسے نماز عید الفطر سے پہلے ادا کرے تو فطرانہ قبول ہوتا ہے۔ اور جو اسے نماز عید کے بعد ادا کرے تو یہ بھی دوسرے صدقات کی طرح کا ایک صدقہ ہوگا۔" (ابوداؤد)

فوائد مسائل:۔

1۔ جیسا کہ اس حدیث مبارک میں فطرانے کا بنیادی مقصد روزے کی حالت میں سرزد ہونے والی خطاؤں کا کفارہ ادا کرنا ہے، یعنی اگر رمضان المبارک میں روزہ دار سے بھول چوک اور بشری کمزوریوں کے باعث ایسی خطائیں سرزد ہوگئی ہیں جن کی وجہ سے روزے کی قبولیت اور اس کے اجروثواب میں کمی کا امکان ہو تو اس کمی کے ازالے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر یا فطرانے کی ادائیگی کا حکم دیا ہے۔

2۔ فطرانہ کی ادائیگی میں غیر ضروری تاخیر سے اجتناب کیجیے۔ کوشش ہونی چاہیے کہ فطرانہ عید الفطر سے قبل ادا کر دیا جائے، بلکہ عید الفطر سے بھی اگر دو چار دن پہلے اپنے حصے کا فطرانہ مستحق افراد میں تقسیم کر دیا جائے تو اس طرح معاشرے کے ضرورت مند اور مستحق افراد کو بھی عید الفطر کی خوشیوں میں شریک ہونے کا موقع مل سکے گا۔ مستحقین کو فطرانے کی بروقت ادائیگی سے مستحقین بھی اپنے بال بچوں کے لیے کھانے پینے کی اشیا، کپڑے اور بعض دیگر ضروریات زندگی کی خریداری عید سے قبل ہی کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔ جتنا فطرانہ ایک شخص پر واجب ہے اس کی عدم ادائیگی یا ادائیگی میں ٹال مٹول اور تساہل سخت گناہ ہے۔ لہٰذا عدم ادائیگی کا تو تصور ہی محال ہے۔ البتہ اگر کسی کی استطاعت ہو تو واجب الادا فطرانے سے زائد مال بھی معاشرے کے غریب اور مستحق افراد میں تقسیم کر سکتا ہے۔ واجب فطرانے سے زائد صدقہ وخیرات کی ادائیگی سے مال ودولت میں برکت پیدا ہوگی اور اس اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی رضا بھی حاصل ہوگی۔

3۔ اسلامی اخوت ومحبت کا بھی یہ تقاضا ہے جو انسان عید الفطر کے موقع پر اپنے اہل وعیال اور دیگر عزیز رشتہ داروں کی خوشی کی خاطر خوراک، لباس اور دیگر ضروریات زندگی کے ڈھیر لگانے سے بھی دریغ نہیں کرتا اسے چاہیے کہ اپنے معاشرے کے محروم اور غریب ونادار افراد کو بھی اپنی خوشیوں میں یاد رکھے۔ فطرانے کے واجب ہونے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ معاشرے کے صاحب ثروت افراد کو اس بات کا پابند بنایا جائے کہ جہاں وہ عید الفطر کی خوشیاں اپنے لیے سمیٹنے میں مصروف ہوں وہاں اپنے اردگرد رہائش پذیر ایسے مسلمانوں کو بھی یاد رکھیں جو اپنی غربت اور لاچاری کی وجہ سے اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ نے بیواؤں، یتامیٰ، غربا اور مساکین کی معاشی مجبوریوں کا ازالہ کر کے اسلامی معاشرے کو معاشی عدم مساوات کے بھنور میں گرنے سے بچانے کے لیے زکوٰۃ، صدقات اور فطرانے جیسے احکامات نازل کر کے دین اسلام کو رہتی دنیا تک پوری انسانیت کے لیے معاشی لحاظ سے ایک بہترین نمونے کے طور پر پیش کیا ہے۔

☆☆

www.pakistanipoint.com
www.urdurizen.com

اس دل کے جھروکے میں

انشا جی

اس دل کے جھروکے میں اک روپ کی رانی ہے
اس روپ کی رانی کی تصویر بنانی ہے

ہم اہلِ محبت کی وحشت کا وہ درماں ہے
ہم اہلِ محبت کو آزارِ جوانی ہے

یاں چاند کے داغوں کو سینے میں بسائے ہیں
دُنیا کہے دیوانا، یہ دُنیا دیوانی ہے

اک بات مگر ہم بھی پوچھیں جو اجازت
کیوں تم نے یہ غم دے کے پردیس کی ٹھانی ہے

سُکھ لے کے چلے جانا، دُکھ دے کے چلے جانا
کیوں حُسن کے ماتوں کی یہ ریت پرانی ہے

ہدیہ دلِ مفلس کا، چھ شعر غزل کے ہیں
قیمت میں تو ہلکے ہیں، انشا کی نشانی ہے

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

باتیں کنول خان سے

شاہین رشید

1۔اصلی نام؟
کنول خان۔
2۔پیار کا نام؟
کوکو(Kuku)
3۔تاریخ پیدائش؟
7اکتوبر1998
4۔قد/ستارہ؟
5.3فٹ/Libra(میزان)
5۔مادری زبان؟
اردو۔
6۔فیملی ممبرز آپ کا نمبر؟
والدین..... تین بہنیں اور ایک چھوٹا بھائی اور میرا نمبر دوسرا ہے۔
7۔شادی..... بچے؟
ابھی دور دور تک کوئی ارادہ نہیں ہے۔ ابھی صرف اپنے کام پر فوکس کیا ہوا ہے۔
8۔تعلیم؟
اے سی سی اے اور بی کام۔
9۔شوبز میں آمد؟
ایک بہت ہی مشہور ڈائریکٹر شاہ شرابیل کے ساتھ تھیٹر کیا تھا اور لیڈ رول کیا تھا۔ وہ رول مقبول ہوا۔ اتنا زیادہ کہ ٹی وی والوں نے اپروچ کیا اور پھر یہ سلسلہ شروع ہوا۔
10۔پہلا ڈرامہ؟/شہرت ملی؟
''سویا میرا نصیب/ اس سوپ سے اور تھیٹر سے۔
11۔پہلی کمائی کس کے ہاتھ میں رکھی؟
''امی'' کے ہاتھ میں اور ابھی تک امی کے ہاتھ میں ہی رکھتی ہوں اپنی پوری کمائی۔
12۔آپ کا سورج کب طلوع ہوتا ہے؟
''جب شوٹ کی گاڑی گھر کے پاس آکر کھڑی ہوتی ہے تب۔ ویسے عموماً میں گیارہ بجے تک اٹھ جاتی ہوں۔''
13۔صبح کیا نہ ملے تو صبح نہیں ہوتی؟
ناشتہ۔
14۔بھوک کو کم کرنے کے لیے کیا کھاتی ہیں؟
مجھے جب بھی زیادہ بھوک لگتی ہے میں سو جاتی ہوں۔
15۔پاکستان کے لیے کیا سوچتی ہیں؟
یہی کہ ہمارا کلچر سب سے بہترین ہے تو

www.zeemagpakistanipoint.com

ضرورت نہیں ہے کہ ہم دوسروں کے کلچر کو اپنائیں۔

16۔ سیاست میں کون پسند ہے؟

سیاست دانوں کے علاوہ سب پسند ہیں۔

17۔ کس ملک کی شہریت کی خواہش ہے؟

مجھے فخر ہے کہ میں پاکستانی ہوں۔

18۔ زندگی تب بوجھ بن جاتی ہے جب؟

جب آپ یہ سوچتے ہیں کہ لوگ کیا کہیں گے۔ میرے نزدیک آپ کے معاملات اللہ کے ساتھ کلیئر (صاف) ہوں باقی لوگوں کا کیا ہے وہ تو کبھی بھی مطمئن نہیں ہوتے دوسروں سے۔

19۔ گرم مسالوں میں پسندیدہ خوشبو؟

دارچینی کی خوشبو اچھی لگتی ہے۔

20۔ اسپورٹس سے آپ کا لگاؤ/کون سا کھیل پسند ہے؟

مجھے بہت لگاؤ ہے اسپورٹس سے اور دوسرے گیمز کے مقابلوں میں مجھے ٹینس بہت پسند ہیں۔ مطلب اگر موازنہ کریں تو۔

21۔ زندگی سے کیا سیکھا؟

بہت کچھ سیکھا ہے۔ سب لکھنے لگوں تو لمبی بات ہو جائے گی۔ مختصراً یہ کہ اپنے والدین کی قدر کرنی چاہیے۔

22۔ ایک نصیحت جو اپنی عمر کے لوگوں کو کرنا چاہتی ہیں؟

پلیز، لوگوں کو آزمانے کے لیے مت ٹرائی کریں۔ ہمیشہ اللہ سے اپنی ضرورتوں کے لیے رابطہ کریں۔

23۔ گزشتہ دو سالوں میں کون سا ڈرامہ سیریل بہت پسند آیا؟

میرے پاس ٹیم ہو۔

24۔ پہلی بار کیمرے کا سامنا کیا تو کیا کیفیت تھی؟

بڑی پراعتماد تھی، تب ہی تو لیڈ رول مل گیا تھا۔

25۔ کبھی ہجوم میں تنہائی محسوس کی؟

نہیں کبھی نہیں۔ کیونکہ مجھے بولنا، بات چیت کرنا اچھا لگتا ہے۔ خاص طور پر نئے لوگوں سے ملنا اور ان سے بات کرنا۔ اس لیے میں خود ہی سب سے بات کرنا شروع کر دیتی ہوں۔ میں چپ نہیں بیٹھ سکتی۔

26۔ دل کی دھڑکن کب تیز ہوتی ہے؟

میری ''چھٹی حس'' بہت تیز ہے۔ تو اگر کچھ برا ہونے والا ہوتا ہے تو پھر میرے دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے۔

27۔ کیا مارننگ شو ہونے چاہئیں؟

بالکل..... لوگوں کی دیہاڑی لگ رہی ہے اور آنٹیاں بھی خوش ہو جاتی ہیں Remedies سے۔

28۔ گھر میں سب سے زیادہ پیار اور ڈانٹ کس سے ملی؟

''امی'' سے۔

29۔ بیمار ہونے پر بیماری کو سیریس لیتی ہیں؟

بالکل سیریس لیتی ہوں۔ کیونکہ مجھے اپنے آپ سے محبت ہے۔

30۔ اب تک کیے گئے ڈراموں کی تعداد؟ نام بھی بتائیں۔

''ایمان''، ''سویا میرا نصیب''، ''ریشم گلی کی حسنہ''، ''ستون''، ''مائی ماڈرن فیملی''، ''سوتیلی مامتا''۔

31۔ روینگ رول آسانی سے کر لیتی ہیں؟

ڈائریکٹر سے تھوڑا ڈسکس کر کے اور ایک حد میں رہتے ہوئے کر لیتی ہوں۔ تھوڑا چینج کروا کے جو سین سامنے آتا ہے، وہ زیادہ بہتر ہوتا ہے۔

32۔ ادب سے لگاؤ۔ کس کو پڑھتی ہیں؟

''مجھے ادب سے بہت لگاؤ ہے۔ مجھے غالب اور اقبال بہت پسند ہیں اور میں ان کی شعر و شاعری بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ مجھے ''جون ایلیا'' اور حسرت موہانی بھی بہت پسند ہیں اور دیگر بھی۔

33۔ کوئی فیصلہ جو غلط ثابت ہوا ہو؟

میرا خیال ہے جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہی ہوتا ہے اور اللہ آپ کے نصیب کا بہترین فیصلہ کرتا ہے۔

34۔ کچن سے آپ کا لگاؤ؟ کیا اچھا پکا لیتی

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

ہیں؟
مجھے کچن سے کوئی خاص لگاؤ نہیں ہے۔اور میں کچھ بھی نہیں پکا سکتی۔

35۔رونا آتا ہے جب؟
کوئی بھی جذباتی سین دیکھ رہی ہوتی ہوں خواہ وہ اتنا ایموشنل نہ بھی ہو تب بھی رونا آجاتا ہے۔

36۔ایک خواہش جس کے پورا ہونے تک زندگی مانگتی ہوں اللہ سے؟
کہ میں اپنے والدین کے نام کا ایک مدرسہ کھولوں اور بہترین لیول پر اسے چلاؤں۔

37۔کس کے لیے زندہ رہنا چاہتی ہیں؟
اپنی امی کے لیے۔

38۔ایک نصیحت جو گرہ سے باندھ لی؟
کبھی کسی کا دل نہیں دکھانا، کیونکہ دکھی دل کی ''آہ'' عرش ہلا دیتی ہے۔

39۔آپ کو نفرت ہے؟
پانی ضائع کرنے والوں سے کیونکہ میں نے صاف پانی کے لیے لوگوں کو مرتے دیکھا ہے۔

40۔ٹی وی ٹاک شو کا بہترین اینکر؟
میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔لیکن میرا خیال ہے ان دِنوں وسیم بادامی بہت فیمس ہیں۔

41۔کبھی مرنے کا سین کیا؟ یا کرنا چاہتی ہیں؟
''جی کیا ہے میں نے لیکن دوبارہ نہیں کرنا چاہوں گی کیونکہ موت ایک حقیقت ہے جو ایک بار ہی ہوگی۔''

42۔جوائنٹ اکاؤنٹس یا سنگل، کیا پسند ہے؟
امی کے ساتھ میرا جوائنٹ اکاؤنٹ ہے اور یہی میرے لیے ہمیشہ بہتر رہے گا۔

43۔ایک ڈیٹ جو آج تک یاد ہے؟
7 اکتوبر، اس دن میری برتھ ڈے ہوتی ہے۔

44۔ایک کھانا جو کسی بھی وقت کھا سکتی ہیں؟
چکن کا سالن جو میری امی بناتی ہیں۔اسپیشل مسالوں کے ساتھ۔

45۔اپنی پرفارمنس میں کیا کمی نظر آتی ہے؟
بظاہر تو کوئی کمی نظر نہیں آتی لیکن میں پھر بھی سیکھنے کے عمل میں ہوں اور میری کوشش ہوگی کہ ہمیشہ اچھا پرفارم کروں۔

46۔اپنا ڈرامہ دیکھ کر کیا سوچتی ہیں؟
یہی کہ اچھا فیصلہ کیا۔

47۔کس چینل پر ریموٹ رک جاتا ہے؟
''نیشنل جغرافک۔''

48۔پہلی فلم جو سینما میں دیکھی؟
بچپن تو یاد نہیں مگر بڑے ہونے کے بعد Padmavati دیکھی تھی۔

49۔کوکنگ یا کھانا.....کیا پسند ہے؟
کھانا پسند ہے۔کوکنگ میری لغت میں شامل نہیں ہے۔

50۔کون سا رول کرنے کی خواہش ہے؟
وہ رول جو چیلنجنگ ہو۔اور وہ جو ابھی تک نہیں کیا۔

51۔آپ کا ناقابل فراموش کردار؟
میں اپنا ہر کردار یاد رکھتی ہوں۔تاکہ اگلا کردار پہلے سے مختلف کروں۔لیکن پھر بھی ''ایمان'' سیریل میں میرا کردار بہت ورسٹائل تھا۔

52۔کس رول کو کرنے سے انکار کیا؟
ہر اس کو جس میں Comfortable نہیں ہوتی۔

53۔کس سیاست دان خاتون کا رول کرنے کی خواہش ہے؟
''بے نظیر بھٹو'' کا۔

54۔مرد حسین ہو یا کمالو؟
دونوں کوالٹیز ہونی چاہئیں۔

55۔آپ کی فیوچر پلاننگ؟
میرا خیال ہے کہ زندگی چلتے رہنے کا نام ہے۔اس لیے کوئی فیوچر پلاننگ نہیں ہے۔لہٰذا Just go with the Flow

56۔کھلی آنکھوں سے کون سا خواب بار بار

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

دیکھتی ہیں؟
کہ میں اپنے امی ابو کے لیے کچھ خاص کروں۔
57۔ پسندیدہ فوڈ اسٹریٹ؟
حسین آباد کی فوڈ اسٹریٹ۔ کیونکہ بچپن کی حسین یادیں اس سے وابستہ ہیں۔
58۔ آئینے کو کتنا وقت دیتی ہیں؟
بہت زیادہ نہیں۔
59۔ شادی کیوں ضروری ہے؟
مجھے نہیں لگتا کہ شادی اتنی ضروری ہے۔ جب آپ کو کوئی اچھا انسان مل جائے تو بے شک کرلیں شادی۔
60۔ ڈنر پر گئیں۔ کھانا کھالیا۔ بل کے لیے پیسے نہیں کیا کریں گی؟
گھر پر کال کرکے پیسے منگواؤں گی۔ کیونکہ برتن تو میں نے گھر میں بھی کبھی نہیں دھوئے۔
61۔ بریانی میں بوٹی نہ ملے تو.....؟
چلے گا مگر رائتہ نہ ملے تو پھر گڑبڑ ہوجائے گی۔
62۔ کون سا سبجیکٹ بور لگتا تھا اور نیند آتی تھی؟
کیمسٹری، اس نے تو میری نیندیں اُڑا دی تھیں
63۔ ڈاکٹر، حکیم اور ہومیو پیتھک کس پر بھروسہ ہے۔
ہومیو پیتھک پر۔
64۔ میوزک سے آپ کی دلچسپی؟
''بہت زیادہ۔
65۔ ایئرپورٹ گئیں اور پاسپورٹ بھول گئیں؟
میں بہت محتاط رہتی ہوں، خاص طور پر ان معاملات میں لیکن اگر ایسا کبھی ہوا تو واپس لینے چلی جاؤں گی۔
66۔ محفل میں بیٹھ کر موبائل استعمال کرنے والوں کے لیے کیا کہیں گے؟
یہی کہ اس ڈیوائس نے اپنوں کو دور اور غیروں کو نزدیک کردیا ہے۔
67۔ موجودہ حکومت سے مطمئن ہیں۔
''جی..... کیونکہ اس میں میرا بھی ہاتھ ہے۔ میرا مطلب ہے کہ میں نے ووٹ دیا ہے۔ انگوٹھا لگایا ہے۔
68۔ ملک سے باہر جاب کی آفر آئے تو؟
مجھے بہت آفرز آئی ہیں۔ بیرون ملک سے لیکن میں نے انکار کردیا۔
69۔ غصے میں آپ کا ردعمل؟
زیادہ تر خاموش رہتی ہوں۔ مگر کبھی بہت بول بھی دیتی ہوں۔
70۔ اپنا کل (ماضی) سوچ کر انجوائے کرتی ہیں یا اداس ہوجاتی ہیں؟
''بہت بہت انجوائے کرتی ہوں۔ بہت ہنسی آتی ہے اپنی شرارتوں پر اور بہت مس کرتی ہوں اس دور کو۔''
71۔ سگنل پہ کھڑے ہوکر کس چیز کا جائزہ لیتی ہیں؟ کہ کب ٹریفک رکے اور میں کراس کروں۔
72۔ سب کو خوش کرنے میں اپنا دل ٹوٹ جاتا ہے۔ ایسا ہوا؟
ہاں کبھی کبھی ایسا ہوجاتا ہے اور ہوا بھی ہے۔ مگر میں رکھتی ہوں۔ کیونکہ دوسروں کو اپنا حساب خود دینا ہوتا ہے۔
73۔ خواتین رائٹرز میں آپ کی پسندیدہ رائٹر؟
حمیرہ بانو۔
74۔ کسی بھی تقریب میں جانے کے لیے کتنا ٹائم لگتا ہے تیاری میں؟
صرف پندرہ منٹ۔
75۔ شاپنگ کے لیے نکلتی ہیں تو پہلے کس کا خیال آتا ہے؟
امی کا کہ ان کے لیے کچھ لے لوں۔
76۔ کب اپنے آپ کو ہواؤں میں اُڑتا ہوا محسوس کرتی ہیں؟
جب سین اچھا ہوجائے اور ڈائریکٹر سب کے سامنے میری تعریف کرتے ہیں۔
77۔ کبھی چھپ چھپ کر دوسروں کی باتیں

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

سنیں؟ نفرت ہے مجھے ایسے کام سے، کبھی نہیں۔

78۔ کبھی تنہائی میں کسی کو یاد کر کے رونا آیا؟

تنہائی میں میں صرف اللہ کو یاد کرتی ہوں۔

79۔ کبھی نجومی کو ہاتھ دکھایا؟

مجھے بہت شوق ہے۔ بس امی منع کر دیتی ہیں۔ اس لیے نہیں دکھایا کسی کو۔

80۔ اگر آپ کو کسی سیلبریٹی کا انٹرویو کرنے کو کہا جائے تو کس کا کریں گی؟

''فواد خان'' کا کروں گی۔

81۔ نیند کتنی پیاری ہے؟

بہت زیادہ پیاری ہے۔

82۔ آپ کے گھر میں کون اس فیلڈ میں آنا چاہتا ہے؟ نہ کوئی ہے اور نہ ہی کوئی آنا چاہتا ہے۔

83۔ بچت کس شکل میں کرتی ہیں۔

امی کو دے دیتی ہوں اپنی ساری کمائی، اب وہ جانیں ان کا کام جانے۔

84۔ شادی میں کن رسموں کے خلاف ہیں؟

کسی بھی رسم کے نہیں۔ مجھے لگتا ہے کہ رسموں کے بغیر شادی کا مزہ نہیں۔

85۔ ٹی وی کا کون سا پروگرام بند ہو جانا چاہیے؟

سارے نیوز چینلز کیونکہ یہ اپنی ریٹنگ کے لیے فالتو کی ہائپ کری ایٹ کرتے ہیں اور سوسائٹی میں عجیب سا ماحول بنا دیتے ہیں۔

86۔ آج کی فکر زیادہ ہوتی ہے یا کل کی؟

آج کی۔

87۔ زندگی کب تقسیم ہو جاتی ہے؟

''جب آپ کے اوپر کسی کی ذمہ داری آجاتی ہے۔''

88۔ فیملی میں کون مزاج کا گرم ہے؟

''میری چھوٹی بہن اور بھائی۔''

89۔ کس عمر میں موبائل استعمال کرنے کی اجازت ملی؟

جب میں نے میٹرک کا امتحان پاس کیا تو میرے والد نے مجھے موبائل گفٹ کیا۔ لیکن دو دن کے بعد وہ ''کوما'' میں چلے گئے تب میں نے موبائل رکھ دیا اور استعمال نہیں کیا۔ پھر بی اے کرنے کے بعد موبائل کا استعمال شروع کیا۔

90۔ غصے میں پہلا لفظ کیا نکلتا ہے؟

وہ میں بتانا نہیں چاہتی لیکن زیادہ تر میں خاموش رہتی ہوں۔

91۔ پسندیدہ تہوار؟

عید۔

92۔ بدلہ لیتی ہیں؟

اللہ پر چھوڑ دیتی ہوں۔ کیونکہ وہ بہتر جواب دینے والا ہے۔

93۔ اپنا تجربہ سکھاتا ہے یا دوسروں کا؟

اپنا ہی تجربہ سکھاتا ہے مگر میں دوسروں کے تجربے سے بھی سیکھتی ہوں۔

94۔ کیا چیز نشے کی حد تک پسند ہے؟

اب تو کچھ نہیں۔ البتہ کچھ عرصہ قبل مجھے کولڈ ڈرنک بہت پسند تھی۔ ''اف''

95۔ دل کی سنتی ہیں یا دماغ کی؟

دماغ کی۔

96۔ کیا چیز لیے بغیر گھر سے نہیں نکلتی؟

اوپر اوڑھنے والی چادر۔

97۔ کھانا کھانا کہاں پسند ہے۔ اپنا بیڈ، ڈائننگ ٹیبل یا چٹائی؟

کھانا تو سب کے ساتھ دسترخوان پر کھانا پسند ہے، اس میں جو مزہ ہے کہیں اور نہیں۔

98۔ بلڈ پریشر ہائی ہو جاتا ہے جب؟

جب کوئی ایک چیز بار بار رپیٹ ہو رہی ہو۔

99۔ اچھی بری خبر سب سے پہلے کس کو سناتی ہیں؟

امی کو۔

100۔ اگر آپ کی شہرت کو زوال آجائے تو؟

اللہ کے ہر حکم پر راضی، اس کی ہر عطا پر شکر، وہ بہتر جانتا ہے۔

www.pakistanipoint.com
Waqar Azeem

زندگی کتنے رنگ بدلتی ہے..... کتنے رنگ دکھاتی ہے

وقت کے ساتھ ساتھ زندگی مختلف انداز سے سامنے آتی ہے۔ ادراک وفہم کا دروا ہوتا ہے تو بہت سی چیزوں کا مفہوم بدل جاتا ہے۔ شوق اور مشاغل بدل جاتے ہیں۔ لیکن کچھ چیزیں ہماری زندگی میں اس طرح شامل ہوتی ہیں کہ زندگی کے ہر دور میں ہمارے ساتھ چلتی ہیں۔

خواتین ڈائجسٹ کا اجراء ہوئے تقریباً نصف صدی کا عرصہ گزر گیا ہے۔ ہماری بہت سی قارئین پہلے شمارے سے ہمارے ساتھ ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے کہانیوں میں زندگی کے تمام رنگ سمیٹے ہیں۔ اور زندگی کی تمام تر کج ادائیوں کے باوجود اس کی دل کشی اور رعنائیوں سے کون منہ موڑ سکتا ہے۔

اس بار سروے کا پہلا سوال اسی حوالے سے ہے لیکن ہماری بہت سی قارئین سوال کو نہ سمجھ سکیں انہوں نے اپنی شخصیت کی تبدیلی کا ذکر کیا..... اپنی زندگی کی تبدیلی کا نہیں۔

سروے کے سوالات یہ ہیں۔

1۔ خواتین ڈائجسٹ کو پڑھتے ہوئے آپ کو کتنا عرصہ گزرا۔ اس وقت سے اب تک کے عرصے میں آپ کی زندگی میں کتنی تبدیلیاں آئیں۔ کوئی ایسا واقعہ جس نے زندگی بدل دی۔

2۔ پچھلے ایک سال کے دوران کوئی ڈراما دیکھا؟ کوئی کتاب پڑھی؟ اس کے بارے میں آپ کی رائے؟

3۔ اپنا پسندیدہ شعر، اقتباس لکھیں۔ جو خواتین ڈائجسٹ میں پڑھا ہو؟

آیئے دیکھتے ہیں ہماری قارئین نے کیا جوابات دیے ہیں۔

بدلتی رُتوں کے ساتھ

ادارہ

سیدہ تبسم بشیر حسین..... ڈنگہ پنجاب

(1) آپ کا یہ سوال پڑھ کر پچھلا بہت کچھ یاد آ گیا ماضی ایک فلم کی طرح ذہن کے کورے پردے پر لہرانے لگا۔ کئی باتیں ایسی ہیں جنہیں سوچوں تو دل کے زخم پھر سے رسنے لگتے ہیں۔

ہاں تو جناب خواتین کو پڑھتے ہوئے کتنا عرصہ گزرا ٹھیک سے یاد نہیں۔ زیادہ عرصہ تو نہیں گزرا جب میں تیسری کلاس میں تھی تو پرانے خواتین پڑھا کرتی تھی اور اچھی طرح سے یاد ہے کہ ایک ہی شمارے کو کئی بار پڑھا کرتی تھی تب مجھے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا تھا کہ یہ خواتین ہے، کرن ہے یا پھر شعاع سب، ایک ہی لگتے تھے پھر مجھے ایک دن ہسپتال کے گارڈن میں ایک پھٹا پرانا رسالہ گرا ملا۔ میں تو جھاڑو لگاتے ہوئے اگر کسی اخبار کا ٹکڑا بھی مل جائے تو وہیں آلتی پالتی مار کر پڑھنے لگ جاتی ہوں پھر یہ تو رسالہ تھا۔

ہاں تو جناب میں نے وہ رسالہ اٹھایا اور چلتی بنی۔ وہ خواتین کا مارچ 2014 یا 15 کا شمارہ تھا شاید اور اس شمارے کو میں اب تک کوئی دس بار پڑھ چکی ہوں۔ اس کے بعد میں نے پرانے خواتین لینا شروع کر دیا۔ اگست 2015 سے تو مجھے پانچ سال ہو گئے ہیں۔ جہاں تک تبدیلیوں کی بات ہے تو بے شمار تبدیلیاں آئیں اور اگر خواتین کے مطالعہ کی تبدیلی کی بات کر رہی ہیں تو اس نے مجھ میں مثبت تبدیلی کی ہے۔ پہلے مجھ میں برداشت بالکل ہی نہیں تھی۔ کوئی کچھ کہے، میں فوراً منہ پر جواب دے دیتی پھر اگلے کی ہمت دوبارہ نہ ہوتی کہ مجھ سے بات کرے۔ بدلہ تو میں ضرور لیتی تھی اور ڈبل لیتی تھی۔ اب میں بالکل بدل گئی ہوں۔ پہلے دوسروں کو روتا دیکھ بہت مزہ آتا تھا۔ اب رونا آتا ہے تو شکر ہے کہ میں بدلی۔ بہت سے واقعات ہیں جنہوں نے زندگی بدل دی۔

پہلا واقعہ تو میری امی کے بائیں ہاتھ کا آپریشن تھا۔ میں نے سترہ دن تک کھانا نہیں کھایا تھا۔ گھر کی ساری ذمہ داریاں ایک دم سے مجھ پر پڑی تھیں۔ کچھ دن تک تو میں پڑھائی اور گھر کو ساتھ لے کر چلتی رہی پھر پڑھائی کی قربانی دینی پڑی۔ چھوٹی تھی سارے کام تو آتے نہیں

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

تھے۔ بہت بے بس ہو جاتی تھی۔ رونا آتا تھا اپنی بے بسی پر، امی کی حالت پر..... بہت مشکل وقت تھا۔ اس دوران اپنے پرائے کا پتا چلا۔ آپریشن کے پیسے تک نہ دیے کسی نے۔ میرا ایچارا بھائی رلتا رہا۔ میری بہن روتی رہی۔ دو سال تک میری امی کا بازو یوں ہی گلے میں لٹکا رہا۔ بھائی نے جاننے والوں سے قرضہ اٹھایا۔ اسی دوران گھر میں چوری ہوگئی۔ بہت بہت مشکل حالات رہے..... اللہ کا شکر ہے کہ امی کا ہاتھ کٹنے سے بچ گیا۔ اب ہاتھ تو ہے پر وہ اس سے کوئی ہلکی سے ہلکی چیز بھی نہیں اٹھا سکتیں۔ چلیں ہاتھ تو ساتھ ہے ناں یہی بہت ہے۔

دوسرا واقعہ میرے بھائی کی موت کا ہے یہ دونوں واقعات ناقابل فراموش ہیں۔ وہ رات ہم سب پر قیامت کی رات تھی۔ 17-11-8 کی رات مجھے بھولتی نہیں ہے۔ کیونکہ اس دم ہم مکمل یتیم ہو گئے تھے۔ باپ تو پہلے ہی ہمارا فوت ہو چکا تھا۔ بھائی باپ کے برابر تھا۔ وہ بھی چھوڑ گیا۔ ایک سال تک میری امی بھائی کی موت کی وجہ سے نیم پاگل پن میں رہیں۔ ہمیں بھی نہیں پہچانتی بس بھائی کو بلاتی رہتیں، دروازہ بجتا تو بھاگ کر کھولتیں۔ بہت مشکل حالات تھے۔

یہاں ایک بات واضح کر دوں ابھی ہاتھ کا دوسرا آپریشن رہتا تھا جو نہ میرے ددھیال نے کروایا نہ ننھیال نے، میرے اسکول کی پرنسپل ثمینہ تبسم نے یہ علاج کروایا۔ میں تو انہیں دعائیں دیتے نہیں تھکتی۔ آپریشن کے دوران میں نے اپنے چاچوں کو فون کیا تو انہوں نے آگے سے بند کر دیا۔ ساری بھاگ دوڑ میں نے اور ماہا نے کی۔ ان واقعات و حالات نے مجھے اور ماہا کو وقت سے پہلے بوڑھا کر دیا اور آج لوگ ہمیں دیکھ کر کہتے ہیں، تم دونوں کی عمر تو شادیوں کی ہے۔ کب تک ماں پر بوجھ بننا ہے؟ پر انہیں کون سمجھائے بیٹیاں بوجھ نہیں ہوتیں، ہماری امی ہم سے بہت محبت کرتی ہیں۔ ایک منٹ ادھر سے ادھر ہو جائیں تو ہمیں ڈھونڈنے لگ جاتی ہیں۔ اللہ ہماری امی کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے (آمین ثم آمین)

(2) پچھلے سال تو بس پرانی ہی کتابیں دوبارہ پڑھیں، ان پر کیا رائے دینا؟ ہاں البتہ جنوری 2020 میں میں نے نبیلہ عزیز کا ''کوئی ایسا اہل دل ہو۔'' پڑھا جو کہ مجھے بے حد پسند آیا۔ ابھی چند دنوں پہلے میں نے فرحت اشتیاق کی ''تم ہستی اچھی'' لگتی ہو پڑھی۔ پڑھ کر مزہ آیا۔ رائے یہی دوں گی کہ مجھے شوخ و چنچل ہیروئنیں پسند ہیں آج کل کی ہروئنیں تو کوئی خلائی مخلوق ہی معلوم ہوتی ہیں کہ ہر کام میں طاق! خدارا رحم کریں۔ کہانی کہانی کی طرح لکھیں آج کل سب سبق سکھانے سگھڑ بنانے کے پیچھے لگی ہوئی ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ لوگ پڑھنا ہی چھوڑ دیں اور ہاں یاد آیا دسمبر میں میں نے ایم الیاس کی ''پنجاب کی رومانوی داستانیں'' پڑھیں یہ کتاب بھی اچھی لگی بلکہ بہت اچھی لگی۔

ڈرامہ تو وہ دیکھیں ناں جس کے پاس وقت ہو ہم تو

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

کام اور ذمہ داریوں کے بوجھ تلے دبے ہیں رسالوں کے لیے وقت مل جائے بڑی بات ہے۔

(3) میرا پسندیدہ شعر جو کہ میری حالت پر سوٹ بھی کرتا ہے۔

"کیسی ترنگ، کیسی سرخوشی میں رہتا تھا
یہ کل کی بات ہے دل زندگی میں رہتا تھا

آخر میں میری طرف سے خواتین ڈائجسٹ کو سالگرہ کی بہت بہت مبارکباد۔

ام انعام.....نواب شاہ

(1) میرے خیال میں یہ ایک نہیں تین سوالات ہیں۔ جو اپنے اندر بہت سارا ماضی، حال رکھتے ہیں۔ خواتین کو پڑھتے ہوئے بیسواں سال ہے۔ بیس سالوں میں بہت سارے لمحے گزرے ہیں۔ اونچ نیچ بھی آئیں۔ اپنی ذاتی زندگی میں بھی بہت سارے مسائل سے نبرد آزما رہے۔ پر خواتین سے ایک مہینے کا بھی تعلق نہ ٹوٹا۔

اس عرصے میں ہم بہنیں بابل کا آنگن چھوڑ کے اپنے اپنے پیا دیس رخصت ہوئیں۔ پیچھے خواتین کا پندرہ سالہ ریکارڈ اماں کے اسٹور میں چھوڑ گئیں۔ اماں کے پاس 1999 سے 2014 تک کے خواتین اور شعاع ہر سال کے 24 شمارے محفوظ ہیں۔

اب جب ہم بہنوں کا صرف ٹیلیفونک رابطہ ہی بچا ہے۔ تو اماں کے پاس پڑا ہوا وہ خزانہ بھی ہمارے ذہنوں میں محفوظ ہے۔

بہت ساری تبدیلیاں خواتین کے ساتھ آئیں۔ پہلے اماں اور ہم بہنیں ساتھ ساتھ پڑھتے تھے۔ مجھے یاد ہے۔ رفعت ناہید سجاد صاحبہ کا ناول "چراغ آخرِ شب" اماں سمیت میری بہنوں کو بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ میں نے اس ناول کا لفظ بہ لفظ ان کو سمجھایا۔ میں جھولے میں بیٹھ کر ناول کی قسط پڑھتی۔ اماں تب تک میرے آگے پیچھے بتاؤ نا کیا لکھا ہے، میں بتا دیتی کبھی چڑ کے کہتی اماں پڑھنے تو دو نا پھر تو تم کو بتاؤں گی۔"

پہلی قسط سے لے کر اینڈ تک ناول بتاتی رہی۔

دوسرا ناول بشریٰ سعید کا "سفال گر" وہ اتنا مشکل تھا کہ اماں نے اعلان کر دیا۔ "لڑکیوں میں تو نہیں پڑھ رہی تم جانو تمہارا ناول۔" وہ ناول بھی ہم بہنوں نے پڑھا۔ اور اس پہ کئی کئی دن بات کی۔ پرانیاں آئزک آج بھی میرے دل میں ہے۔ یہ تھا وہ سنہری دور جب ہم نے خواتین کو اپنی پوری دنیا سمجھا۔

اماں نے ہماری تربیت حقیقت میں بھی پروں میں چھپا کے کی تو بس گھر اور خواتین سے ہی ہم خوش تھے۔

شادی کے بعد میری زندگی بدل گئی۔ شکر الحمدللہ شوہر تعاون کرنے والا ملا۔ گھر الگ اور محبت ملی۔ جس کی وجہ سے خواتین سے رشتہ جڑا رہا۔

(2) جب ٹی وی تھا تو میں دیکھتی تھی ڈرامہ "سنگ مرمر" نے بہت متاثر کیا۔ اس میں ثانیہ سعید کی اداکاری نے حقیقت میں کردار کو زندہ کر دیا۔

(3) میں نے اپنی ساری زندگی کینوسوں اور کاغذ پر صرف اللہ کی بڑائی اور صناعی بیان کرتے گزاری ہے۔ روشنائی اور رنگوں سے خطاطی کرتے عمر بسر کی ہے۔ مگر یہ سمجھ نہیں پایا۔ کہ اللہ کی بڑائی بیان کرتے کرتے غرور کا وہ کون سا لمحہ تھا جس میں میں خود کو بڑا مان بیٹھا تھا۔ نیک، پرہیزگار گناہ نہ کر سکنے والا۔ یاد نہیں حسن جہاں میں مومن سے کافر کس وقت ہوا تھا۔ لیکن کبھی نہ کبھی تو کچھ ایسا کر بیٹھا تھا میں کہ ٹھوکر کھائی تو اللہ نے سنبھالا نہیں، گرنے دیا۔ اور میں گرتا ہی چلا گیا (عمیرہ احمد.....'الف')

گل.....مردان

(1) خواتین ڈائجسٹ سے رشتہ جوڑے کافی عرصہ ہو گیا ہے، آٹھویں کی طالبہ تھی اور اب ماشاءاللہ سے میرا بڑا بیٹا اولیول کر رہا ہے تو خود اندازہ لگا لیں کہ ہمارا اور خواتین کا ساتھ کتنا پرانا ہے۔

اگر بات ہو تبدیلی کی تو بھئی جب خواتین ڈائجسٹ سے نئی نئی شناسائی ہوئی تھی تو کچھ لاابالی سی، تھوڑی نخریلی سی.....اماں ابا کی لاڈلی بہن بھائیوں کی لاڈلی تھی۔ وقت کے سکے گرتے گئے۔ شادی ہوئی۔ کئی نئے رشتے سامنے آئے۔ ہر ہر رشتے کا الگ تقاضا تھا۔ ایک فرماں بردار بیوی، ایک تابعدار بہو، ایک اچھی بھابھی، چاچی، مامی اور پھر اللہ نے قدموں تلے جنت دی۔ غرض ڈھیروں ڈھیر رشتے ملے اور الحمدللہ سب کو نبھایا، بھی بس ذرا سا جھکنا پڑا تھوڑا سا جی کو مارنا پڑا "میں" کو پاس آنے نہیں دیا اور "ہم" کو نقطہ حیات بنا لیا تو آج ہم کامیاب ٹھہرے۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

2014 میں اللہ نے عمرے کی سعادت عطا کی تو اس کے بعد سے مزاج میں ایک ٹھہراؤ سا آ گیا ہے ایک سکون سا آ گیا ہے۔

(2) پچھلے سال بانو قدسیہ کا راجہ گدھ پڑھا عمیرہ احمد کا ''امر بیل'' جسے پڑھنے کی کب سے چاہ تھی۔ ماہا ملک کا ''جو چلے تو جاں سے گزر گئے'' رخسانہ نگار کا ''محبت خواب سفر'' ابھی پڑھ رہی ہوں۔ ویسے پچھلے سال سب سے زیادہ انسپائر پیاری سمیرا عزیزی سمیرا کے ''ام الیقین'' نے کیا۔ (سمیرا! آپ نے کافی لمبا بریک لے لیا۔ اب جلدی سے سلسلہ وار ناول کے ساتھ انٹری دیں)

(3) اور آخری سوال کے جواب میں نہ شعر نہ اقتباس۔

بس پیارے خواتین ڈائجسٹ کی تمام ٹیم کے لیے ایک دعا کہ

میرا لفظ لفظ دعا دعا
میرے آنسوؤں سے دھلا ہوا
تمہیں زندگی کی سحر ملے
تمہیں خوشبوؤں کا سفر ملے
تم پہ درد، غم کبھی نہ ہو
تم پہ خوشیوں کی برسات ہو
اور طویل تیری حیات ہوا
(آمین)

صدف ناصر.....سرفراز کالونی گوجرانوالہ

(1) خواتین ڈائجسٹ کو مستقل پڑھتے ہوئے چوبیس سال ہو گئے (الحمدللہ)۔ بہت چھوٹے تھے جب گھر میں آیا۔ پڑھنے کی اجازت نہیں تھی۔ مگر جب بڑی سسٹرز سائرہ، صائمہ، پڑھ کر گدے کے نیچے چھپا دیتیں، ہم نکال کر تصویریں دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے اور اچھی اچھی باتیں پڑھتے۔ پورا رسالہ میٹرک کے بعد کے سالوں میں پڑھنا نصیب ہوا۔

تبدیلیاں اتنی آئی ہیں کہ شمار سے باہر ہیں۔ کہانیوں میں جتنی سگھڑ، تمیزدار، پڑھی لکھی ہیروئن ہیں یا ہاؤس وائف ہیں بالکل ان ہی جیسے ہیں۔ اپنے منہ میاں مٹھو نہیں بلکہ یہ اصل میں اپنے پیارے ڈائجسٹ کی تعریف ہے سارا کریڈیٹ اسی کو جاتا ہے۔

(2) ڈرامہ تو کوئی خاص نہیں دیکھا۔ ٹی وی، موبائل، کمپیوٹر سے دلچسپی صفر ہے۔ ادب کی دنیا کے لوگ ہیں۔ تو جو کتاب سب سے اچھی لگی وہ ''ناصر کاظمی'' کی ''دیوان'' ہے۔ ایک سے ایک اچھی غزل۔ ''نظم، قطعہ، واہ شاندار!

(3) اقتباس ''آمنہ ریاض'' کے ناولٹ ''ماہ تمام'' سے ملاحظہ ہو۔ ''معاف کر دینا اللہ کے نزدیک بڑا احسن عمل ہے۔ جو انسان دوسروں کی چھوٹی چھوٹی غلطیوں کو معاف کرنے کا حوصلہ نہ رکھتا ہو، اسے یہ امید بھی ترک کر دینی چاہیے کہ اللہ اس کی بڑی غلطیوں کو معاف کرے گا۔ یہ تو بڑا دوغلا عمل ہے۔''

www.pakistanipoint.com

شعر

ہم ہیں ماجد سلگتے دیے رات کے
بجھ گئے بھی تو ہوگی سحر سامنے!

حنا علی.....لانڈھی کراچی

(1) ڈائجسٹ پڑھتے ہوئے تو کافی عرصہ گزر چکا ہے پر خواتین اور ہمارا ساتھ چار سال پرانا ہے۔ تبدیلی؟ ایک یا..... زندگی میں تو تبدیلی نہیں آئی ہاں میری شخصیت میں ضرور تبدیلی آئی ہیں۔ میں پہلے بہت خاموش طبع تھی۔ پر اب اتنا بولتی ہوں اتنا بولتی ہوں کہ بول بول کر میں خود ہی تنگ ہو جاتی ہوں پر سامنے والا تنگ ہی نہیں ہوتا ہاہاہا۔

پہلے میں خاصی بدرنگ سی لڑکی تھی پر اب مجھ میں حسِ مزاح کافی زیادہ ہو گیا ہے۔ اور میرے خیال میں تو یہ تبدیلی محض خواتین ڈائجسٹ کی مرہون منت ہے۔ میری زندگی تو دکھ بھرے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ جنہیں میں آپ لوگوں سے شیئر کر کے آپ کو دکھی نہیں کرنا چاہتی اگر کسی خوش گوار واقعے نے کبھی زندگی بدل دی تو آپ سب سے ضرور شیئر کروں گی۔

(2) جی ڈرامے تو میں اکثر دیکھتی رہتی ہوں۔ پر کوئی خاص دل کو نہیں بھایا۔ البتہ پچھلے ایک سال میں سب کی بے عزتیوں کے باوجود پانچ ناولز منگوا کر پڑھ چکی ہوں اور میں ''الکیمسٹ'' کے بارے میں اپنی رائے دوں گی۔ اس ناول نے میری زندگی میں مایوسی کے لمحوں میں امید کے کئی چراغ روشن کیے۔

(3) اپنے پسندیدہ اشعار اور اقتباسات تو اتنے ہیں کہ لکھتے ہوئے میرے قلم کی سیاہی ختم ہو جائے خیر، اب آپ نے ایک لکھنے کو کہا ہے۔ سو لکھ رہی ہو۔

''تم بناؤ کسی تصویر میں کوئی رستہ.....''
''میں بناتی ہوں کہیں دور سے آتی ہوئی میں!!''

مسکان نور سندھی.....لاڑکانہ

(1) مجھے خواتین ڈائجسٹ پڑھتے ہوئے تین سال ہو گئے ہیں۔ اور جب سے یہ ڈائجسٹ ہماری زندگی میں آیا ہے، ہم بہنوں کی زندگی ہی بدل گئی ہے۔ اگر میں کہوں کہ اس ڈائجسٹ نے ہماری ماں کی طرح تربیت کی ہے تو غلط نہ ہوگا۔ میرے ساتھ بہت سے واقعات ہوئے اور میں صرف اتنا کہوں گی۔

صبر کرتی ہوں میں صبر کروں گی میں
صبر کرنے والے کے ساتھ اللہ ساتھ ہے

(2) میں صرف پاکستانی ڈرامے دیکھتی ہوں اور شوق سے دیکھتی ہوں۔ اور کتابیں بہت پڑھیں خاص کر عمیرہ احمد آپی کو زیادہ پڑھا۔ ان کے ناول، آب حیات، لاحاصل، بات عمر بھر کی ہے۔ لاجواب تھے۔

زرتاشیہ نعمان.....ملتان

(1) خواتین ڈائجسٹ سے تعلق ٹوٹتا، جڑتا رہا ہے۔ شادی سے پہلے امی سے چھپ کے پڑھتی تھی، ہاہاہا..... شادی کے بعد امی نے خود ہی حوالے کر دیے تمام رسائل۔

زندگی اتار، چڑھاؤ کا نام ہے۔ سب سے بڑی تبدیلی اس وقت آئی جب میرے پیارے ابو 2013 کی جنوری میں خالق حقیقی سے جا ملے۔ اللہ انہیں جنت میں اعلیٰ مقام دے (آمین)

واقعہ تو کوئی نہیں، مگر پچھلے سال رمضان میں..... عمرہ کی سعادت نصیب ہوئی بس اس کے بعد دل کی دنیا ہی بدل گئی۔

(2) شکر ہے آپ نے پچھلے سال کے ڈراموں کا پوچھا کیونکہ اب ڈرامے دیکھنا چھوڑ چکی ہوں۔ ''کیسا ہے نصیبا'' مجھے بہت اچھا لگا تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ 2017 میں میں اپنے ہی کے ساتھ ملائیشیا گئی تھی۔ پھر جب یہ ڈرامہ ان ایئر ہوا تو پتا چلا یہ بھی وہیں بنا ہے تو اس لیے دیکھنے میں مزہ آیا۔

(3) ''نمرہ احمد'' کا ''جنت کے پتے'' پڑھا نمرہ جی جب بھی لکھتی ہیں، خوب لکھتی ہیں یہ ناول میرے دل کے تار چھو گیا۔

آپ کو حیرت ہوگی کہ یہ شعر میں نے بہت پہلے ''شعاع'' میں پڑھا تھا جو آج تک مجھے یاد ہے

''کس طرح کٹے گا کڑی دھوپ کا سفر
سر پر خیال یار کی چادر ہی لے چلو''

''گزارش ہے کہ اگر کوئی یتیم، کوئی مسکین، کوئی بے سہارا آپ کے گھر رہنے پر مجبور ہے تو اس کے ساتھ محبت سے پیش آئیں۔'' محبت کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔

''یہ چھوٹا سا مگر نصیحت سے پر اقتباس میں نے''

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

شمیم رانی'' کے افسانے ''آپا ایمن'' سے لیا ہے جو دسمبر 2019 میں خواتین ڈائجسٹ میں شائع ہوا تھا۔ ہمیں حقوق العباد کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔

مدیحہ عارف.....شانگلہ ہل

کافی عرصے بعد خواتین کے کسی سروے میں قلم اٹھانے کو دل کیا تو بس پھر کیا دیر تھی، میں تھی اور کاغذ قلم تو تھے ہی۔ آپ کا سوال نامہ زبردست ہے، مجھے بے حد پسند آیا تو حاضر ہے، پہلے سوال کا جواب، جوابات لمبے ہوئے تو پیشگی معذرت۔

(1) ہائے کیا کیا، یاد دلا دیا ظالم سوال نے۔ سوچوں تو زندگی کا ایک تہائی حصہ ان ہی کی نذر رہا۔ پر یہ سلسلہ تسلسل آمیز نہ تھا۔ کبھی ٹوٹا، کبھی جڑتا سا تھا۔ اسکول و کالج کی مصروفیت کی وجہ سے۔ چھٹی کلاس تھی، غالباً جب پھوپھی زاد نے مخصوص کہانیاں پڑھنے کو دیں پھر تو یہ سلسلہ چل نکلا، جب بھی ان کے گھر جاتے، رسالوں سے مستفید ہوتے۔ باقاعدہ خرید کے پڑھنے 2010 سے شروع کیے اور رسائل کا ایک ڈھیر جمع ہو چکا ہے کیونکہ اتنے لاڈ سے خریدے گئے رسائل ردی والے کو دیتے ہوئے دل کانپ اٹھتا ہے۔ ان رسائل سے محبت ہی ایسی ہے۔ اللہ۔ تب سے اب تک زندگی میں بہت تبدیلیاں آئیں۔

بچپن میں کافی ضدی تھی اور اب یاد کرتی ہوں تو ہنسی آتی ہے۔ اب ضد جیسی چیز کا نام و نشان نہیں ہے۔

نویں جماعت میں ابو کی وفات، ایف اے کے امتحانات دینے والا بھائی کم عمری میں ہی سربراہ بن گیا اور تن دہی سے بیوہ ماں اور اپنے سے چھوٹے چار بہن بھائیوں کی ذمہ داری بخوبی اٹھائی پھر بہن کی شادی اور دونوں بھائیوں کا بھی دبئی چلے جانا، بڑے بھائی کے ساتھ ساتھ۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہم میں سے نہ کوئی بھٹکا نہ بہکا اور آج سب اپنی اپنی زندگیوں میں سیٹل ہیں۔ شادی شدہ زندگیاں گزار رہے ہیں۔

ایسے دو واقعات جو میں سمجھتی ہوں کہ زیادہ پر اثر تھے۔ وہ 2016ء میں اماں کا شدید بیمار پڑنا تھا۔ آئی سی یو میں پندرہ دن اماں ایڈمٹ رہیں۔ موت اور زندگی کے درمیان کہیں معلق ہو گئی تھی ہماری زندگی۔ اماں کی زندگی سے مایوس ڈاکٹرز، پورا خاندان پریشان۔ اماں ہوش و خرد سے بیگانہ۔ میرا رو رو کر برا حال۔ وہ لمحہ تھا جب میری ہمت بھی ٹوٹ گئی تب اماں کا کہنا مدیحہ بارش ہو رہی ہے، نہیں اماں بارش نہیں ہو رہی۔ آپ ہمت کریں، ہمیں گھر جانا ہے۔ میری کانپتی آواز اور گرتے آنسو تھمتے نہ تھے۔ یہ تب کی بات ہے، جب کچھ گھنٹے قبل ڈاکٹر جواب دے چکے تھے پر وہ میرا رب بیٹھا ہے ناں اوپر جو سمیع و علیم ہے اور بے شک وہی زندگی دینے والا ہے۔

اور دوسرا خوش گوار واقعہ ہے میری شادی ہو جانا جو کہ 12 اپریل 2017 کو ہوئی۔ سو زندگی تو بدلنا ہی تھی۔ 2017ء سے پہلے من موجی زندگی گزاری تھی۔ میں اور

www.pakistanipoint.com

اماں ہی تو تھے بس گھر میں، سو جب چاہا جو چاہا کرلیا اور اب شکر اللہ کا، کوئی ہے جس کے لیے سب پیچھے چھوڑ دیا۔ وہ جو کہیں، جو وہ چاہیں وہی کرتی ہوں اور دل سے کرتی ہوں اور خوش و مطمئن ہوں۔

(2) ڈرامے دیکھنے میں کافی چوزی ہوں میں۔ جس کی اسٹوری ہٹ کے ہو وہی دیکھتی ہوں۔ گھسے پٹے ڈرامے نہیں پسند۔

پچھلے سال تین کتابیں پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ رام دین از ممتاز مفتی۔ چراغ تلے از مشتاق احمد یوسفی۔ عشق کا قاف از سرفراز احمد راہی۔ تینوں ہی عمدہ رہیں۔

(3) میری ڈائری میں لکھے بہت سے اشعار میں سے ایک پسندیدہ ترین۔

میں ستارہ نہیں مگر پھر بھی
آج کل گردشوں میں رہتا ہوں

ہاجرہ عمران خان.....لاہور

پیارے شمارے خواتین ڈائجسٹ کو سالگرہ کی دلی مبارک باد اور ڈھیروں دعائیں۔

(1) میں نے اپنی زندگی میں جو رسالا سب سے زیادہ پڑھا، وہ خواتین ڈائجسٹ ہی ہے۔ اسکول لائف سے مطالعہ شروع ہوا جسے شادی ہونے تک جاری رکھا مگر پھر درمیان میں کافی عرصہ یہ مطالعہ تعطل کا شکار ہوگیا۔ بچوں کی پیدائش اور گھریلو مصروفیات نے ہر قسم کے مطالعے سے دور رکھا مگر گزشتہ چار سالوں سے دوبارہ یہ سلسلہ جڑ گیا اور الحمدللہ ذوق و شوق سے جاری و ساری ہے۔

سب سے بڑی تبدیلی تو لڑکی سے عورت بننے کی ہے۔ بیوی اور ماں بننے کا قدرتی عمل جس کے بغیر کسی لڑکی کی زندگی نامکمل ہے۔ زندگی کے اس سفر میں یہی افسانے اور ناول اور ان سے سیکھے سبق میرے ہمراہ رہے۔

خواتین اور شعاع کی تحریروں نے زندگی میں قدم قدم پر رہنمائی کی اور زندگی کو سمجھنے کا شعور عطا کیا۔ بہت سے ایسے واقعات نے زندگی اور احساسات کو جھنجھوڑ ڈالا، جن کو ضبط تحریر میں لانے کا یارا نہیں۔ ایک چھوٹا مگر اندوہناک واقعہ تو کوئی دس روز پہلے وقوع پذیر ہوا۔ جس نے زندگی کو موت کے احساس سے بھر دیا۔

ولیمے کے لیے ہم سب کوچ میں سوار ہو کر ہال کی طرف بڑھ رہے تھے کہ ایک قریبی عزیز کی طبیعت خراب ہوگئی۔ ہمارے ساتھ بیٹھا ایک انسان، ہمارے ہی درمیان سے اٹھ کر واش روم جانے کے لیے سڑک کراس کرنے لگا۔ ایک تیز رفتار گاڑی نے اسے ہٹ کیا، وہ زمین سے دس بارہ فٹ اونچا اچھل کر زمین پر گرا اور پانچ سات منٹ میں اللہ سے جاملا۔ دل اس اچانک بوجھ کو سہار ہی نہیں پا رہا تھا۔ ان شخص کی بیوی کا حوصلہ چٹانوں سے زیادہ مضبوط تھا، نہ شور نہ واویلا..... بس اتنا کہے جا رہی تھی کہ ''اللہ سے دعا کرو، وہ مجھے صبر عطا کرے'' ان کے دو چھوٹے چھوٹے بچے بھی کوچ میں سوار تھے، رب ذوالجلال کی قدرت پر دل اور بھی مضبوط ہوگیا ہے۔ اس موت نے ششدر کر کے رکھ دیا ہے۔

(2) پچھلے ایک سال کے دوران کئی ڈرامے دیکھے اور کئی کتابیں پڑھیں۔

اکثر اوقات دیکھنے میں آیا ہے کہ ناولز پر بنے ڈرامے لوگوں کو مایوس کر دیتے ہیں مگر الف ایک کلاسک ڈرامہ جسے مدتوں یاد رکھا جائے گا۔ اس لیے کہ الف صرف حرف نہیں ظرف ہے کمال کا..... ابتدا جہان کی..... جواب ہر سوال کا۔

(3) فروری 2020ء میں خواتین ڈائجسٹ میں ناصر ملک کی غزل کا ایک شعر.....

اتنی چپ چاپ نہ رہ موج فرات ماضی
تو نے دیکھا ہے بلکتے ہوئے سادات کا دکھ

سلمیٰ مسرت.....راولپنڈی

(1) 1980 میں نائنتھ کلاس میں آئی تو خواتین ریگولر شروع کیا۔ شعاع اور خواتین آج تک میرے ساتھ ہیں، اس سے پہلے بھی کوئی میگزین ملتا تو پڑھ لیتی تھی۔ اس سفر کے دوران زندگی کئی مراحل سے گزری۔

کراچی کالج سے گریجویشن کیا۔ شادی ہوئی۔ پہلے بیٹے کی پیدائش کے بعد راولپنڈی آ گئی۔ والدین کی ذمہ داریوں میں ہاتھ بٹایا۔ ساس کی بیماری، چار بچوں کی پرورش، اپنا گھر بنایا۔ دو بیٹوں کی شادی سے ابھی فارغ ہوئی ہوں۔ بیٹی ایم فل کر رہی ہے، چھوٹا بیٹا بھی یونیورسٹی

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

میں آ گیا ہے۔ ایک ڈیڑھ سال کی پیاری سی پوتی بھی ہے۔ پندرہ سال سے الہدیٰ کی برانچ سے وابستہ ہوں۔ اس دوران بے شمار عروج وزوال آئے۔

میں نے ان تحریروں سے صلہ رحمی، صبر، حوصلہ اور عمل سیکھا ہے۔

سب سے اہم فیصلہ شادی کا اپنے والدین کی مرضی سے کیا۔ اس کے بعد اپنی مرضی چھوڑ دی۔ اپنے رب سے دوستی مضبوط کرلی۔ فرائض یاد رکھے۔ صبر، درگزر، بے نیازی میں نے عمیرہ احمد، عنیزہ سید، سمیرا حمید، نمرہ احمد سے سیکھی۔

اپنے محلے کی بے شمار بچیوں کو میں نے ان رسائل سے جوڑا۔ الحمدللہ وہ سب باوقار زندگی گزار رہی ہیں بلکہ قرآن کی تفسیر کی طرف وہ تحریریں ہی لے کر آئی ہیں۔

(2) ڈرامہ ''رانجھا رانجھا کردی، الف، اللہ اور انسان'' بہترین تھے۔ فائزہ افتخار اور صائمہ اکرم جب صرف خط لکھتی تھیں، میں اس دن سے ان کی تحریریں پڑھتی ہوں۔

(3) پسندیدہ شعر۔

کھول یوں مٹھی کہ جگنو کوئی ہاتھ سے نہ نکلے
آنکھ ایسے جھپک کہ اوجھل کوئی پل نہ ہو
پہلی سیڑھی پر قدم آخری پر نظر
منزلوں کی جستجو میں رائگاں کوئی پل نہ ہو

زرینہ خانم لغاری..... مظفر گڑھ

(1) خواتین ڈائجسٹ کو پڑھتے ہوئے مدتیں گزر گئیں، پہلا شمارہ چھپا تھا ہم اسٹوڈنٹ تھے۔ لائبریری کے مالک کی بہن ہماری کلاس فیلو تھی۔ اس نے تعارف کروایا کہ کراچی سے ایک رسالہ آیا ہے، ہم نے خرید لیا۔ پھر تو مستقل خریدار بن گئے۔

زندگی چلتی رہی۔ اس میں بے شمار تبدیلیاں آئیں۔ پڑھائی ختم ہوگئی۔ ہم شادی شدہ ہوگئے۔ شہر سے دیہات میں چلے گئے، جہاں رسالوں کا حصول ناممکن تھا لیکن جب میکے آتے تو ساری کسر پوری کر لیتے پھر شہر میں میکے کے محلے میں اپنا ذاتی گھر بنوالیا۔ ملازمت کرلی۔

اسی دوران اکلوتے بھائی کی شادی ہوگئی۔ ایک پیاری سی بھابھی گھر آ گئی۔ تین سال بعد اللہ تعالیٰ نے چاند سا بھتیجا دیا۔ بھتیجا ڈیڑھ سال کا تھا کہ والدہ صاحبہ داغ مفارقت دے گئیں۔ وقت چلتا رہا۔

اولاد نہ ہونے کی پاداش میں شوہر نے دوسری شادی کرلی پھر ان سے اختلاف بڑھ گئے۔ وہ واپس اپنے ماں باپ کے پاس گاؤں چلے گئے۔ میں نے گھر کرائے پر دے کر والدین کے گھر رہائش رکھ لی۔

شوہر اپنی دوسری شادی کے چھ سال بعد راہی ملک عدم ہوگئے۔ ہم بھی ملازمت سے ریٹائرڈ ہوگئے۔ شوہر کی فوتگی سے دو سال پہلے والد صاحب بھی جنت کو سدھار گئے تھے۔ بھائی، بھابھی کے ساتھ اچھی زندگی گزر رہی تھی

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم میرے اکلوتے بھائی بھی ہمیں دائمی جدائی دے گئے۔

اتنی تبدیلیاں زندگی میں آ گئیں۔ آپ خود اندازہ لگائیں ہم کتنے پرانے قاری ہیں۔ ساری زندگی پڑھتے گزر گئی۔

(2) نوعمری میں خوب ڈرامے دیکھے تھے لیکن اب کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ڈرامہ دیکھنا فضول اور وقت کا زیاں لگتا ہے۔ سارا دن ہمارے گھر ٹی وی خاموش رہتا ہے۔ ڈرامہ ''دل موم کا دیا'' کی بہت تعریف سنی تو دیکھ لیا۔ اس میں ایک ضدی، پھوہڑ اور حسد کرنے والی عورت دکھائی جو اپنی ان ہی حرکتوں سے اجڑ جاتی ہے پھر در بدر بھیک مانگتی نظر آتی ہے۔ یہ بچیوں کے لیے سبق آموز ڈرامہ تھا۔

میں نے اس سال تقی عثمانی صاحب کی دو کتابیں ''جہاں دیدہ'' اور ''دنیا میرے آگے'' پڑھی ہیں۔ دونوں سفر نامہ ٹائپ کتابیں تھیں۔ بہت سے ملکوں کے حالات پڑھے۔ مزہ آیا۔ گھر بیٹھے اسلامی اور انگریزی ملکوں کی سیر کر لی، خاص طور پر برادر اسلامی ملک ترکی کے متعلق جان کر بہت خوشی ہوئی۔

(3) ویسے تو کئی پسندیدہ شعر ہیں۔ علامہ اقبال کا شعر ہے۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہے پرواز میں کوتاہی

آج کل میرا پسندیدہ شعر ہے۔

بیٹیاں ہر ایک کے مقدر میں کہاں ہوتی ہیں
گھر جو خدا کو پسند ہو وہاں ہوتی ہیں

ریحانہ چوہدری..... مدوکے، سیالکوٹ

(1) جناب! سب سے پہلے سالگرہ کی بہت بہت مبارک باد، اللہ تعالیٰ اس کی رفعتوں کو دوام دے، آمین۔ عمر عزیز کا تیرہواں سال ہے جو خواتین ڈائجسٹ سے جڑا ہوا ہے۔ 2007 سے یہ تعلق قائم ہوا اور کب تک رہے گا، یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اس سے تعلق کو میں ایک سحر قرار دوں گی جو اسے ایک بار پڑھ لیتا ہے پھر اس کا ذہن اسی کے تابع ہو جاتا ہے کیونکہ یہ ایک فل پیکیج ہے۔

سوال کا دوسرا حصہ ہے کہ کتنی تبدیلیاں آئی ہیں۔

اللہ کا شکر ہے کہ ہر ہر تحریر نے جو بھی سبق دینا چاہا، چاہے وہ ادارہ ہو یا مصنفات کا مقصود، وہ کامیاب ٹھہرے اور ہم نے اپنے اخلاق اور کردار میں ہر مثبت اثر کو شامل کرنے کی کوشش کی۔

اکثر لوگ مجھے ڈائجسٹ پڑھتے دیکھ کر پوچھتے ہیں کہ ان سے کیا ملتا ہے؟

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟
آگہی ملتی ہے، آشنائی ملتی ہے
زندگی کے معاملوں میں راہنمائی ملتی ہے

زندگی کے بدلنے کو تو ایک لمحہ، ایک حرف بھی کافی ہوتا ہے جیسے کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں۔

(2) پچھلے سال ڈرامے دیکھے۔ ''رانجھا رانجھا کردی'' جس میں بھولے کے کردار نے متاثر کیا۔ ''الف'' کو پڑھا اور ''الف'' کو دیکھا اور قلم کے جادو کے معترف ٹھہرے۔

کتابیں تو کئی پڑھیں کہ لفظ پڑھنا، عادت، مجبوری، پیشہ، شوق، تسکین اور کمزوری ہے۔

کتاب یزداں سے روشنی لے کر
کتاب زیست کو پڑھا ہے۔ حرف حرف میں نے

اور اس کے لفظ لفظ نے ہمیشہ ایک نیا سبق ہی پڑھایا ہے۔ نئی دنیا ہی دکھائی ہے۔ نئے جہانوں کی سیر کرائی ہے۔ نئے خواب آنکھوں کو بخشتے ہیں۔ نئی امیدوں کے بیج بوئے ہیں۔ نئے موسموں کی نوید بخشی ہے۔ عام سے لمحوں کو خاص کرنے کی تراکیب سے نوازا ہے، زندگی تیرا شکریہ۔

(3) پسندیدہ شعر۔

لفظ کہنے والے کا کچھ نہیں جاتا
لفظ سہنے والے کمال کرتے ہیں

سرورق کی شخصیت

ماڈل ..... فرینہ اعجاز
میک اپ ..... روز بیوٹی پارلر
فوٹو گرافی ..... موسیٰ رضا

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

مریم خان..... بھلر واں تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا

(1) خواتین اور شعاع دونوں کو پڑھتے ہوئے کتنا ٹائم ہوگیا؟ یہ بتانا تو مشکل ہے کیونکہ جب سے ہوش سنبھالا ہے، تب سے خواتین اور شعاع کو اپنے گھر میں موجود پایا۔ بچپن میں بھی بچوں کے رسالے نونہال، بچوں کی دنیا، تعلیم و تربیت، پھول اور ہر طرح کی کہانیاں پڑھنے کا شوق تھا تو اپنے شوق کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں نے ان رسالوں کو بھی پڑھنا شروع کیا۔ یہ الگ بات ہے کہ میری بہنیں پڑھنے نہیں دیتی تھیں۔ تو سب سے چھپ کر میں نے ساتویں کلاس میں عمیرہ احمد کا ایک مکمل ناول پڑھا۔ اس کا نام تو مجھے یاد نہیں مگر اس میں قندیل ہیروئن اور طلحہ ہیرو کا نام تھا۔ مجھے یہ ناول اتنا پسند آیا کہ میں نے وہ رسالہ اپنی بہنوں سے چھپ کر اپنی دوست کو بھی دیا۔ میری دوستوں کو بھی یہ کہانی بہت پسند آئی تھی۔

''تبدیلیاں'' تو یقیناً زندگی کا حصہ ہیں۔ اس وقت سے بچپن، پھر الہڑ پن، جوانی اور اب تین بچوں کی ماں ہوں۔ رہے واقعات وہ بھی زندگی میں آتے رہتے ہیں، کوئی خاص واقعہ؟

پچھلے دو تین سالوں میں خواتین اور شعاع سے ٹوٹا ہوا رشتہ باقاعدگی سے جوڑا اور اس کی بھی ایک وجہ ہے۔ وہ یہ کہ شادی کے دو تین سال اتنی مشکلات میں گزرے کہ مجھے ڈپریشن ہوگیا۔ ہر وقت منفی سوچیں۔ ہر ایک بات کو شک کی نگاہ سے دیکھنا اور پھر پچھلی بری یادوں اور سسرال کے جھگڑوں کو جتنا ذہن سے مٹا کر ہنسی خوشی زندگی گزارنا چاہتی۔ وہ تمام باتیں ذہن سے محو ہی نہ ہوتیں۔

پھر میں نے پرانے شعاع پڑھنے شروع کیے۔ اس سے ذہن مصروف ہوا، باتیں ذہن سے مٹنے لگیں تو مجھے اپنا رسالہ سے رشتہ دوبارہ جوڑنے کے لیے ہر مہینے رسالے پڑھنے ضروری لگے۔ اب دو تین سال سے باقاعدگی سے پڑھ رہی ہوں۔ فارغ وقت رسالوں کے لیے اور باقی شوہر، بچوں اور سسرال کے لیے۔

شعاع اور خواتین کا شکریہ کہ مجھے زندگی کی طرف دوبارہ آنے میں مدد دی۔ اب میں خوش و خرم بھی رہنے لگی ہوں۔

(2) ڈرامے ان کی بات کرنا ہی فضول ہے۔ مجھے زیادہ متاثر نہیں کرتے۔ وہی پرانے گھسے پٹے۔ ایک لڑکی کے پیچھے دو لڑکے یا ایک لڑکے کے پیچھے دو لڑکیاں۔ بس یہ ہی ہر ڈرامے کی کہانی بن گئی ہے۔ بہت سی کتابیں پڑھیں۔ ان میں سب سے بیسٹ کتاب ''مردان عرب'' ہے۔ اس میں اسلامی فتوحات شامل ہیں۔ پڑھ کر ایمان تازہ ہوا اور مضبوط بھی۔ سب کو پڑھنے کی دعوت ہے۔

(3) پسندیدہ شعر..... اقتباس بہت ہیں۔

کہاں تک لکھوں، کہاں تک سناؤں

ایک لائن جو حالم سے لی ہے، اس نے میری زندگی میں چینج دیا۔

''تالیہ کو جو کرنا آتا ہے، وہ تالیہ کی زندگی بچائے گا۔''

تو مجھے سب کی خدمت کرنی آتی ہے۔ میں اس سے اپنی زندگی کو بہتر بنا رہی ہوں (میری سوچ)۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

سانحہ ارتحال

معروف و مقبول شاعر، ادیب جناب انور مسعود کی اہلیہ اور معروف کالم نگار، افسانہ نگار، صحافی عمار مسعود کی والدہ پروفیسر صدیقہ انور اس دار فانی سے رحلت فرما گئیں۔ مرحومہ اردو اور فارسی ادب کی استاد تھیں۔

اِنا لِلّٰہ وانا اِلیہِ رَاجعون.

ہم جناب انور مسعود، عمار مسعود اور شنیلا عمار کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں، مرحومہ صدیقہ انور کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔

شہناز لغاری سے ملاقات

شاہین رشید

عورت صنف نازک ضرور ہے مگر وہ ہر شعبہ میں اسی طرح فعال ہے جس طرح مرد..... ہر شعبے میں نمایاں..... عورت مرد سے زیادہ باہمت بھی ہے..... وہ اس طرح کہ وہ گھر داری بھی کرتی ہے اور گھر سے باہر اپنی ذمہ داریاں بھی سنبھالتی ہے۔ تو اس بار انٹرویو کے لیے ہمارا انتخاب ایک پائلٹ خاتون ہیں اور یہ پہلی پائلٹ ہیں جو ''حجاب'' کے ساتھ جہاز اڑاتی ہیں۔

انہیں اس بات پر کوئی شرمندگی پریشانی یا جھجک نہیں کہ یہ حجاب میں ہیں اور کہیں لوگ ان کا مذاق نہ بنا رہے ہوں۔ کیونکہ ہمارے تنگ نظر لوگ عبایا اور حجاب میں خواتین کو دیکھ کر انہیں دقیانوسی یا جاہل تصور کرتے ہیں۔ مگر پائلٹ خاتون تو نہ دقیانوسی ہو سکتی ہیں اور نہ ہی جاہل۔ تو ملیے آج کیپٹن پائلٹ محترمہ شہناز لغاری صاحبہ سے۔

''کیسے مزاج ہیں؟''

''الحمدللہ''

''بڑے فخر اور اعزاز کی بات ہے پاکستان کے لیے کہ آپ پائلٹ ہیں اور حجاب کی پابندی کرتے ہوئے جہاز اڑا رہی ہیں ماشاءاللہ..... تو بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ کے بارے میں ہماری قارئین جانیں گی۔''

''آپ کا بھی شکریہ کہ آپ انٹرویو لے رہی ہیں۔''

''چلیں تو پھر آغاز کرتے ہیں اس سوال سے کہ آپ اپنے بارے میں اور فیملی کے بارے میں کچھ بتائیں؟''

''ہمارے والد صاحب اور ہمارے اباؤ اجداد ''لغاری'' فیملی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ''ڈی جی خان'' سے آگے ''چوٹی بالا جی'' سے ہمارے بزرگوں کا تعلق ہے اور والدہ ہماری ''سدوزئی'' خاندان سے ہیں۔ پٹھان فیملی سے ہیں۔ افغانستان سے مائیگریٹ ہو کے آئے اور رائل فیملی سے تعلق ہے۔ ان کے بزرگوں نے کسی زمانے میں افغانستان میں بھی حکومت کی تھی اور لاہور میں بھی ان کی بادشاہت رہی تھی۔ پاکستان بننے سے پہلے بھی ان کے جو بزرگ تھے۔ وہ برصغیر سے تشریف لائے اور یہاں پر سیٹل ہو گئے۔ والد صاحب سول انجینئر تھے۔ زمین داری بھی کرتے تھے۔ ہم دو بہنیں ہیں اور تین بھائی تھے۔ ایک بھائی کا انتقال ایکسیڈنٹ میں ہو گیا۔ اب ہم دو بہنیں اور دو بھائی ہیں اور میرا نمبر دوسرا ہے۔ میری تعلیم ''بی ایس سی'' اور سی پی ایل ہے۔

''شادی کب ہوئی اور ماشاءاللہ سے بچے کتنے ہیں؟''

''میری شادی 1991 میں ہوئی اور میرے تین بچے ہیں دو بیٹیاں اور ایک بیٹا۔ اور میری دونوں بیٹیاں ماشاءاللہ ڈاکٹر ہیں اور انہوں نے بھی حجاب میں، نقاب میں، ایم بی بی ایس'' کیا ہے اور جب انہوں نے اپنا ایم بی بی ایس مکمل کیا تو ان کے اساتذہ نے کہا کہ ڈاکٹر صاحبہ ہم آپ کو سلیوٹ کرتے ہیں کہ ہم نے آج تک آپ کا چہرہ نہیں دیکھا.....''

''آپ کو دیکھ کر یا آپ کے کہنے پر انہوں نے حجاب لیا؟''

''مجھے دیکھ کر ہی لیا ہوگا۔ ورنہ میں نے تو نہ

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

انہیں کہا اور نہ ہی ان پر سختی کی۔ انہوں نے اپنے شوق سے ہی حجاب کیا۔ اس طرح میری بھانجیاں نقاب بھی لیتی ہیں اور ہاتھوں میں دستانے بھی پہنتی ہیں۔ ہم نے کبھی اپنے بچوں پر سختی نہیں کی۔ اور جیسا کہ میں نے بتایا کہ میرا ایک بیٹا ہے وہ ایروٹائیکل انجینئر ہے۔ جبکہ میری خواہش تھی کہ اللہ تعالیٰ اسے ''امام کعبہ'' بنائے مجھے ڈاکٹر انجینئر بنانے کا شوق نہیں تھا۔ اس نے 9 سپارے حفظ کیے۔ مگر جب ایک دن مولوی صاحب نے اس کی پٹائی کی تو اس نے چھوڑ دیا۔ مجھے اس کے ساتھ بہت محنت کرنی پڑی۔ میرے میاں بھی ڈاکٹر تھے اور گورنمنٹ اسپتال میں جاب تھی ان کی۔ اور میں گاہے بہ گاہے لیکچر بھی دیتی رہتی ہوں اور ٹریننگ بھی۔''

''بچپن میں کیسی تھیں آپ؟ شرارتی یا پڑھاکو؟''

''بچپن میں شرارتی تھی اور پڑھنے کا بھی مجھے بہت شوق تھا۔ میں چاہتی تھی کہ میں ڈاکٹر بنوں، انجینئر بنوں، پائلٹ بھی بنوں۔ حتیٰ کہ اتنا پڑھوں کہ ''بادشاہ'' بن جاؤں۔ کھیلتی بھی تھی۔ اور بچوں کی طرح لڑتی نہیں تھی۔ بڑے آرام سے شرارتیں کرتی تھی۔ مطلب میری شرارتوں سے کسی کو کوئی پریشانی نہیں ہوتی تھی۔ دوپہر کے وقت میرا یہی کام ہوتا تھا کہ کوئی بھی چیز جو مجھے غیر معمولی لگتی تھی۔ تو اسے بڑے غور سے دیکھتی تھی۔ ایک اونچی جگہ پر کھڑی ہو جاتی تھی کہ میں نے آسمان کو ٹچ کرنا ہے۔ کوئی اسٹک لے لیتی، پھر پاؤں اونچے کر لیتے۔ ساری دوپہر یہی کوشش ہوتی تھی کہ میں نے آسمان کو چھونا ہے۔ اور شاید اللہ کو میری کوئی ادا یا بات پسند آگئی کہ اس نے مجھے فضاؤں کا علم حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔''

''گھر کا ماحول مذہبی تھا اور کیا بچپن سے ہی ''حجاب'' لیتی تھیں آپ؟''

''ہمارے ماحول میں پابندی بہت تھی کہ اونچی آواز سے نہیں بولنا کہ باہر ملازم سن لیں گے اور پردہ بھی ہماری فیملی میں بہت کیا جاتا تھا اور باہر جاتا تو بہت دور کی بات ہے اونچی آواز میں بولنے کی اجازت نہیں تھی۔ جیسے عام گھروں میں خواتین، لڑکیاں شاپنگ پر جاتی ہیں ویسے ہمیں اجازت نہیں تھی۔ سب چیزیں گھر میں ہی آجاتی تھیں۔ بچپن سے

بقیہ صفحہ نمبر 244 پر

www.paksociety.com

راحت جبیں

سپنا جیسا پیار

اس گھر میں دو بھائی زبیر اور سرمد اپنی بیویوں ثمینہ اور ساجدہ کے ساتھ رہائش پذیر تھے۔ زبیر اور ساجدہ کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا دانیال تھا۔ بیٹیوں کی شادی ہو چکی تھی جبکہ سرمد اور ثمینہ کی دو بیٹیاں تھیں روشانے اور زوباریہ۔ روشانے کی منگنی دانیال سے ہو چکی تھی۔

زوباریہ پورے گھر کی لاڈلی میٹرک میں پڑھ رہی تھی۔ پڑوس میں رہنے والا صائم، فائقہ اور ابراہیم کی اکلوتی اولاد تھا۔ زیبی اور صائم میں بچپن سے بہت دوستی تھی، دونوں لڑتے جھگڑتے بھی تھے۔ فائقہ کو زیبی کا یوں چھت پھلانگ کر اپنے گھر آنا اور صائم سے بے تکلف ہونا برا لگتا تھا، ان کے خیال میں وہ اب بڑے ہو گئے تھے، اس لیے زیبی کو خاص طور پر احتیاط کرنا چاہیے۔

صائم کالج کے دوستوں کی پارٹی میں زیبی کو لے جاتا ہے۔ جہاں ایک دوست زیبی سے فری ہوتا ہے پھر اس کا نمبر لے کر زیبی سے بات کرتا ہے۔ زیبی صائم کی غلط فہمی میں شہیر سے بات کرتی ہے اور تحفے وصول کرتی ہے، پتا چلنے پر

ہان ہوتی ہے۔صائم کا شہیر سے جھگڑا ہو جاتا ہے۔
دوبارہ کے کہنے پر صائم اپنا گٹار توڑ دیتا ہے۔صائم اس سے معافی مانگتا ہے۔زیبی اس کے لیے اپنی پاکٹ منی سے گٹار خریدتی ہے۔اور صائم کی بالکونی میں کارڈ کے ساتھ رکھ دیتی ہے۔صائم جان لیتا ہے کہ یہ کس کا تحفہ ہے۔

صائم اور زیبی چھت پر بارش میں بھیگ رہے ہیں۔ فائقہ وہاں آجاتی ہیں اور زیبی کا ہاتھ پکڑ کر اس کے گھر لے جاتی ہیں اور اس کے گھر والوں خاص طور پر ثمینہ کو کھری کھری سناتی ہیں۔ دانیال بھی وہاں آجاتا ہے۔ فائقہ دانیال کو کہتی ہیں کہ اپنے گھر کی عزت سنبھالو۔ دانیال کہتا ہے کہ رائی ہے تو پہاڑ بنتا ہے۔ ثمینہ زوباریہ کو زمانے کی اونچ نیچ سمجھاتی ہیں۔

گھر پہنچنے پر صائم فائقہ سے بحث کرتا ہے۔ ابراہیم بھی فائقہ پر ناراض ہوتے ہیں۔ صائم زوباریہ کے گھر معافی مانگنے جاتا ہے مگر ثمینہ اسے سخت سست سنا کر دروازہ بند کر دیتی ہیں۔

روشانے کی شادی ہو رہی ہے زیبی اداس ہے کہ اس نے تو تمام پروگرام صائم کے ساتھ بنائے تھے۔

سب کے سونے کے بعد زیبی کھانا پلیٹ میں لے کر چپکے سے بالکونی میں جاتی ہے صائم وہاں موجود ہوتا ہے۔ فائقہ بھی ان کے پیچھے آتی ہیں اور میسج کر کے دانیال کو اوپر بلاتی ہیں، دانیال دونوں کو آ کر تھپڑ مارتا ہے اور زیبی کو لا کر روشانے کے کمرے میں اس کے سامنے پھینکتا ہے۔

صائم گھر چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ وہ اپنے دوست مراد کے گھر میں کمبائن اسٹڈی کے بہانے رہتا ہے۔ اس کے والد کو پتا چل جاتا ہے۔ وہ مراد کا گھر چھوڑ دیتا ہے۔ ایک فون کال آتی ہے کہ صائم کو گولی لگی ہے۔ وہ ہاسپٹل جاتے ہیں تو پتا چلتا ہے گولی اس کے بازو کو چھو کر گزری ہے، وہ اسے گھر لے آتے ہیں۔ زیبی کے لیے صائم کا رشتہ آتا ہے۔ وہ لوگ انکار کر دیتے ہیں۔ فائقہ کے اصرار پر زیبی کو بلایا جاتا ہے۔ وہ انکار کر دیتی ہے۔ صائم دنگ رہ جاتا ہے۔

صائم فائقہ سے معافی مانگ کر کہتا ہے کہ وہ اب اپنی پڑھائی پر توجہ دے گا۔ لیکن کچھ ہی عرصے بعد وہ دونوں پھر ملنا شروع کر دیتے ہیں۔ تب فائقہ ان سے کہتی ہیں کہ وہ دونوں دو تین سال ایک دوسرے سے نہیں ملیں گے۔ پھر وہ ان کا ساتھ دیں گی۔

صائم ماں سے وعدہ کر لیتا ہے کہ وہ ان کی بات مان کر پڑھائی پر توجہ دے گا اور زوباریہ سے ملے گا نہیں ابراہیم صاحب کہتے ہیں کہ انٹرنیٹ کے اس دور میں ایسا کیسے ممکن ہے۔ زوباریہ کو صائم پر غصہ آتا ہے کہ اس نے ماں کی بات کیوں مان لی۔ فائقہ فون پر بات کی اجازت دے دیتی ہیں۔

روشانے اس بات پر بہت خوش ہوتی ہے کہ اب ان کے ملنے پر پابندی لگ گئی ہے اور صائم کا کمرہ نیچے شفٹ کر دیا گیا ہے۔

زوباریہ ایک دن سب کی آنکھ بچا کر صائم کے گھر پہنچ جاتی ہے سرمد صاحب بخار کی وجہ سے گھر میں ہوتے ہیں۔ روشانے غصے میں دروازے کی کنڈی لگا دیتی ہے اور باپ سے کہتی ہے گھنٹی بجے تو دروازہ آپ کھولیے گا۔ ثمینہ کو پتا چلتا ہے تو وہ دم بخود رہ جاتی ہیں۔ زیبی صائم سے مل کر واپس آتی ہے دروازہ بند دیکھ کر گھنٹی بجاتی ہے۔ دروازہ پر زرد چہرہ لیے باپ کو دیکھ کر شرم سے زمین میں گڑ جاتی ہے۔ وہ موبائل لے کر چند میسجز دیکھتے ہیں اور اندازہ لگا لیتے ہیں کہ وہ صائم سے کس حد تک رابطے میں ہے۔

گھر میں سب کو پتا چل جاتا ہے کہ صائم کا رشتہ زیبی کی مرضی سے آیا تھا۔ سرمد صاحب، ابراہیم اور فائقہ کے پاس جاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم اتنی کم عمری میں اس کی شادی یا رشتہ نہیں کر سکتے۔ ان کے انکار پر وہ زوباریہ کا رشتہ طے کر دیتے ہیں۔ صائم کو نانا کے پاس دوسرے شہر بھیج دیا جاتا ہے۔

منگنی کی رات سرمد بیٹی کے لیے کھانا لے کر کمرے میں جاتے ہیں۔ وہ پوچھتے ہیں کہ وہ باپ یا صائم میں سے کسے چنے گی۔ صبح وہ فیصلہ کر لیتے ہیں کہ وہ زیبی کی خوشی کا خیال کریں گے اس کی شادی صائم سے ہی کریں گے۔ زیبی صائم سے رابطہ کر کے اپنی منگنی کا بتاتی ہے دونوں بھاگ کر نانا کے پاس لاہور جا کر نکاح کا پروگرام بنا لیتے ہیں۔ زیبی اور صائم گھر چھوڑ دیتے ہیں۔

صائم اور زیبی رات کے دو بجے مراد کے گھر پہنچتے ہیں۔ وہ انہیں اپنے سرونٹ کوارٹر میں رکھتا ہے۔ مراد کو زیبی بہت بری لگتی ہے جو اپنے گھر والوں کو یوں دھوکا دے کر آ گئی تھی۔ سرمد ہسپتال پہنچ جاتے ہیں۔ ٹرین میں بیٹھنے کے بعد انہیں دانیال اور ابراہیم اسٹیشن پر نظر آتے ہیں۔ وہ ٹرین سے اتر کر چھپ جاتے ہیں۔

زیبی اور صائم مسجد میں جا کر نکاح کرنا چاہتے ہیں لیکن مولوی صاحب منع کر دیتے ہیں کہ اتنی کم عمر لڑکی کا نکاح ولی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

ایک ٹیکسی ڈرائیور انہیں اپنے گھر لے جاتا ہے۔ صائم اسے پیسے دیتا ہے وہ ان کا نکاح کروا دیتا ہے۔ پولیس اس کے گھر آ جاتی ہے۔ وہ دونوں وہاں سے بھی بھاگ جاتے ہیں۔

چھٹی قسط

''مما! ہم کب تک جائیں گے؟''

فائقہ کے کمرے میں داخل ہوتے ہی صائم نے بے چینی سے پوچھا۔ وہ اب کسی صورت ہاسپٹل میں رہنے کو تیار نہ تھا۔ اس کی بے سکونی دیکھ کر ڈاکٹرز نے اپنے رسک پر گھر لے جانے کی اجازت دی تھی۔ پرانے گھر سے سارا سامان نئے گھر میں شفٹ ہو چکا تھا۔ بہت مشکل تھا اپنا بنا بنایا گھر چھوڑ کر کسی اور گھر میں جا کر رہنا۔ مگر اولاد کے لیے سب گوارہ تھا۔ وہی اولاد جس نے خود انہیں اس جگہ لا کھڑا کیا تھا۔

''بس کچھ رپورٹس آنی ہیں۔ پھر ہم گھر چلیں گے۔''

انہوں نے پیار سے صائم کے الجھے بال انگلیوں سے سلجھائے..... کتنے دنوں سے ان بالوں کو شیمپو نصیب نہیں ہوا تھا۔

''آپ نے میرا کمرہ صاف کروا دیا۔'' صائم کو شدت سے اپنا بیڈ یاد آیا۔

فائقہ ایک لمحے کو خاموش ہوئیں۔ جیسے مناسب الفاظ کے چناؤ میں دشواری کا سامنا ہو۔

''کیا ہوا.....'' صائم کے چہرے پر ہلکی سی بے چینی در آئی۔

''صائم! ہم نے وہ گھر بیچ دیا ہے۔'' ان کا لہجہ دکھ کی سلوٹوں سے چرمرا سا گیا۔

صائم کی آنکھوں میں ایک ساتھ اتنی کیفیات در آئیں کہ فائقہ کے لیے شمار کرنا مشکل ہو گیا۔ انہوں نے صائم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

''ہم نے اس گھر میں بہت خوشیاں دیکھیں اور پھر بہت سے دکھ۔ مگر ہمارے لیے ہر بات بے معنی ہو گئی ہے۔ اہم ہے تو تم اور تمہاری زندگی۔ تمہاری صحت، تمہارا سکون جہاں ہمارے ساتھ تم ہو گے۔ وہ مکان خود بخود ہمارا گھر بن جائے گا۔''

ان کا دھیما نرم لہجہ، صائم کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑنے لگے۔

''ٹھیک ہے نا، شاید جانا ہی بہتر ہو۔''

اس نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔

''میں تمہارے پاپا کو دیکھ کر آتی ہوں.....''

وہ آہستہ سے کہہ کر چلی گئیں۔

صائم نے دل کی جگہ درد کو کروٹ لیتے محسوس کیا تو آہ بھر کے آنکھیں موند لیں۔ وہ اب کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتا تھا۔ نہ اچھا نہ برا۔

دروازہ بے آواز کھلا اور ایک مانوس سی خوشبو کمرے میں وارد ہوئی۔

صائم نے بے چینی سے گردن ہلائی۔

کوئی ہوا کا جھونکا سا اس کے قریب آ کر ٹھٹھک گیا۔

بے نشان منزلوں کے مسافر کیا جانیں کہ راستے میں کیا ہے؟

دلدل یا گھنا جنگل۔

Waqar Azeem Pakistanipoint
www.pakistanipoint.com

دوسراہٹ کا وہ احساس جس کا ہاتھ تھام کر وہ نئی منزلوں کی جستجو میں نکلے تھے۔ ساتھ دے گا یا راستے کی ہولناکیوں سے گھبرا کر واپس پلٹ جائے گا..... زادِ راہ محبت تھا۔

مگر وہ پوٹلی (جس میں یہ زادِ راہ بندھا تھا) نجانے کس موڑ پر گری تھی۔

صائم کے ہاتھ کی پشت پر وہ لمس جاگا۔ جو مانوس تھا مگر اجنبیت میں ڈھل گیا تھا۔

اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہوئی۔

"صائم....." ایک سسکی۔

صائم نے تڑپ کر آنکھیں کھولیں۔

یہ مدقوق چہرے پیلی رنگت اور اداس آنکھوں والی لڑکی جانی پہچانی لگی تھی۔ وہ بے اختیار مسکرایا۔

"مجھے معاف کر دو۔ تمہاری یہ حالت میری وجہ سے ہوئی ہے۔"

"مسکراہٹ سہمی، سکڑی اور غائب ہو گئی۔

اس کا چہرہ بارش کے پانی میں تھا اور پانی اس کے بہتے خون سے سرخ ہو رہا تھا۔ دانیال نے بالوں سے پکڑ کر اس کا سر اٹھایا۔

"تمہیں کیا لگا۔ تمہیں صرف جان سے مارنے کی دھمکی دی تھی؟ لیکن تمہیں یہ نہیں معلوم جب بات عزت وغیرت کی ہو تو سب جائز ہو جاتا ہے۔"

اس نے پوری قوت سے صائم کا سر سڑک پر مارا۔ بارش کا پانی اچھلا۔

صائم زور زور سے اپنا سر دائیں بائیں مار رہا تھا۔

"صائم..... صائم..... تمہیں کیا ہو رہا ہے۔" زیبی بری طرح گھبرا گئی۔

صائم کے لبوں سے بے معنی آوازیں نکلنے لگیں۔

"صائم میری طرف دیکھو۔ پلیز اس طرح مت کرو، مجھے دیکھو یہ میں ہوں۔"

زیبی نے گھبرا کر اس کا سر پکڑ کر اپنی طرف رخ کر کے جھنجھوڑ دیا۔ نجانے کہاں کہاں درد کی ٹیس اٹھیں۔ مگر اس کی نظریں زیبی کے چہرے پر جم گئی تھیں۔

"مجھے دیکھو، یہ میں ہوں تمہاری زوبار یہ۔"

ایسا کہتے ہوئے وہ بھول گئی کہ کچھ دن پہلے نکاح نامہ پھاڑ کر اس کے منہ پر مارتے ہوئے صائم کو چھوڑ آئی تھی۔

"زیبی....." صائم کی آنکھوں میں پہچان کے رنگ ابھرے۔

مگر برا ہو یادداشت کا، ساتھ ہی بہت کچھ یاد بھی آ گیا۔

"تم صرف صرف میرا فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ میں....."

الفاظ کہاں تھے یہ تو وہ تیر تھے جو اسے گھائل کر گئے تھے۔

"مجھے گھر جانا ہے۔ اپنے لوگوں کے پاس، جو میری حفاظت کر سکتے ہیں۔ جن کی نیت میں تمہاری طرح کھوٹ نہیں ہے۔"

"تم مجھے چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔" وہ بڑبڑایا۔

زیبی کے ہاتھ اس کے پہلو میں گر گئے۔

کاش وہ صائم کے ساتھ ہوتی..... اس کی ہر چوٹ خود پر لے لیتی۔

"تم مجھے اکیلا چھوڑ گئی تھیں۔"

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

"صائم! میں ڈر گئی تھی۔"

اور ڈر تو صائم گیا تھا۔ محبت کا انجام بہت ہولناک بہت تکلیف دہ تھا۔ ایسی محبت کو دور سے سلام اور ایسا محبوب جو ڈر جائے۔ چھوڑ جائے..... نفرت کا زہر صائم کے وجود کو نیلا کرنے لگا۔

"مجھے تم سے....." اس نے لب بھینچے۔

"میں اب بھی تم سے محبت کرتی ہوں....." زیبی نے لپک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کی کمزور گرفت سے اپنا ہاتھ چھڑانے کے لیے صائم کو پورا زور لگانا پڑا تھا۔

"میں تم سے نفرت کرتا ہوں۔ آئی ہیٹ یو زیبی....." وہ چلایا۔

"تم مجھ سے نفرت نہیں کر سکتے۔" زوباریہ کرلائی۔ تبھی فائقہ اندر آئیں اور زوباریہ کو دیکھ کر ششدر سی رہ گئیں۔ جیسے زوباریہ نہیں اس کا بھوت دیکھ لیا ہو۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

وہ اس لڑکی کا منہ تھپڑوں سے لال کر دینا چاہتی تھیں۔ مگر اسے بازو سے گھسیٹتی باہر لے گئیں۔ زوباریہ منتیں کرتی رہ گئی۔ صائم نے منہ پھیر لیا۔ اس کے سر میں درد کی ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں۔

"اب بھی تم لوگوں کے کلیجے ٹھنڈے نہیں ہوئے۔ لعنت ہو تم پر..... وہ تمہاری وجہ سے مرنے والا تھا..... اور تم جان ہی نہیں چھوڑ رہیں۔ کسی بددعا کی طرح اس کے پیچھے پڑ گئی ہو۔"

فائقہ چلا رہی تھیں اور زوباریہ رو رہی تھی۔ پھر ہسپتال کا عملہ آ گیا۔

"یہ کیسا ہسپتال ہے۔ ہم لاکھوں خرچ کر رہے ہیں اور پیشنٹ کی سیفٹی کے لیے کچھ بھی نہیں۔ کوئی بھی منہ اٹھا کر کسی بھی کمرے میں پہنچ جائے گا۔"

زوباریہ ڈر کر وہاں سے بھاگ آئی۔

کاریڈور میں ستارہ خالہ اسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے ہلکان ہو رہی تھیں۔

"کہاں چلی گئی تھیں زیبی..... میں پاگل ہونے لگی تھی۔"

"ستارہ خالہ چلیں یہاں سے۔"

اس نے مضبوطی سے خالہ کا ہاتھ تھام لیا۔

"کیا ہوا تم کانپ کیوں رہی ہو؟"

ستارہ نے تشویش سے اس کی اڑی ہوئی رنگت دیکھی۔

"کچھ نہیں ہوا، بس چلیں....." زوباریہ رو پڑی۔

اور رو تو صائم بھی رہا تھا۔ فائقہ اسے سنبھالنے کی کوشش میں ہلکان ہونے لگیں۔

"اس طرح مت کرو صائم! تمہارے زخم ابھی کچے ہیں درد ہونے لگے گا۔"

"بہت درد ہے مما! وہ کیوں میرے سامنے آئی....."

"اب نہیں آئے گی اسے ایک برا خواب سمجھ کر بھول جاؤ۔"

"خواب ہی تو دیکھے..... اس کے ساتھ زندگی گزارنے کے خواب..... اور..... اور اس نے مجھے ہی الزام دینا شروع کر دیا کیا میں اس کے ساتھ honest (مخلص) نہیں تھا۔"

صائم کو ڈھونڈے سے بھی اپنا قصور نظر نہ آیا۔

"وہ تمہارے ساتھ Honest نہیں تھی۔ اسے ایک پرآسائش زندگی چاہیے تھی۔ جب وہ نہیں ملی تو چھوڑ کر چلی گئی۔ یہ مشکل حالات ہی تو انسان کا امتحان ہوتے ہیں۔ محبت کی آزمائش ہوتے ہیں۔ وہ تم سے محبت نہیں

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

کرتی تھی، اس کے جذبوں میں کھوٹ تھا تمہارے نہیں۔"
ماں کی شفقت اور محبت نے صائم کے سارے آنسو سمیٹ لیے یہاں تک کہ آنکھوں کے کٹورے چھلک چھلک کر خالی ہو گئے۔
"مجھے اس سے نفرت ہے۔"
اس نے ان خالی کٹوروں کو نفرت کے بدنما رنگوں سے بھر لیا۔ اور آہستہ سے آنکھیں بند کر لیں۔

☆☆☆

زوباریہ نے خشک پتوں کو جمع کر کے آگ دکھا دی تھی۔ وہ ادھ جلی ٹہنیاں اور پتوں کی راکھ لان میں بکھر کر عجیب اجڑے دیار کا منظر پیش کرنے لگی۔ روشانے کے دل کو ہول اٹھنے لگے یہ ان کا گھر تھا۔ اور گھر کو گھر کی طرح لگنا چاہیے۔
روشن، آباد اور ہرا بھرا۔
اسی کے کہنے پر زبیر صاحب نے ایک جز وقتی مالی کا بندوبست کر دیا کہ ہفتہ دس دن لگا کر لان کی حالت سدھار کر نئی پنیری لگا دے۔ مالی نوجوان سا لڑکا تھا اور بہت باتونی، ایک ایک پودے کے بارے میں ساری معلومات روشانے نے گوش گزار کر دی۔ جو اسے بتانے آئی تھی کہ کون سے پھول کہاں لگیں گے۔ نجانے اس کی کس بات پر وہ ہنسی..... ہنسی بھی تھی یا محض مسکرائی۔
مگر دانیال یہ منظر دیکھ کر سر سے پیر تک سلگ گیا۔
"باجی دیکھیں..... یہ جو بیج ہیں....."
اس نے تھیلی سے کچھ بیج نکال کر روشانے کی ہتھیلی پر رکھے۔ وہ انہیں غور سے دیکھ رہی تھی۔ جب دانیال نے اس کا ہاتھ دبوچا۔
"یہ کیا ہو رہا ہے؟"
سارے بیج زمین پر گر گئے۔
"اور تم کون ہو؟"
"میں جی..... مالی....."
وہ صاحب کے تیور دیکھ کر گھبرا گیا۔
"دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ کسی مالی کی ضرورت نہیں ہے۔ اور آج کے بعد یہاں نظر بھی آئے تو ٹانگیں توڑ دوں گا۔"
دانیال کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور وہ لڑکا سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔
"دانیال! اسے تایا ابو نے....."
روشانے کچھ کہنا چاہا۔
"تم یہاں کیا کر رہی تھیں۔" دانیال نے اس کی کلائی موڑی سارے گھر کے کام ختم ہو گئے ہیں۔ یوں غیر مردوں کے ساتھ ٹھٹھے لگانے کا۔"
وہ جو تکلیف سے چلانے کو تھی۔ چلانا بھی بھول گئی۔
"اتنا ہی شوق ہے تو جا کر سڑک پر کھڑی ہو جاؤ۔"
"زبان سنبھال کر بات کریں۔....."
نجانے کہاں سے اتنا حوصلہ آیا کہ درد غصے میں ڈھل گیا۔ وہ اس کا شوہر تھا تو کیا اسے حق حاصل تھا کہ جب چاہے اس کی بے عزتی کر دے۔ وہ کیسے کسی اور کے کیے کی سزا اسے دے سکتا تھا۔
"زبان چلانے والی عورتیں مجھے زہر لگتی ہیں۔ اور اپنا آپ دکھانے والی.....

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

''دانیال.....'' وہ اتنے زور سے چلائی کہ دانیال بھی چپ ہو گیا۔
''آپ.....میں سوچ بھی نہیں سکتی کہ آپ اتنے گھٹیا ذہن کے مالک ہیں۔''
اگلے ہی لمحے غصہ ـــــ اور بے بسی آنسوؤں میں ڈھل گئی۔
وہ روتے ہوئے اندر بھاگ گئی۔
دانیال کو بھی اپنے الفاظ کی سنگینی کا احساس ہوا۔ مگر سر جھٹک گیا۔
''دونوں بہنیں ایک سی خرد ماغ ہیں۔''

☆☆☆

روشانے ثمینہ کی گود میں سر رکھے روئے جا رہی تھی۔ ثمینہ اور ساجدہ پوچھ پوچھ کر تھک گئیں۔ مگر نہ اس کا رونا بند ہوا نہ منہ سے کچھ بولی۔
''روشانے ماں کی طرف ہی دیکھ لو۔ اس کا دل بیٹھا جا رہا ہے۔''
''مجھے دانیال کے ساتھ نہیں رہنا۔''
''کیا بکواس کر رہی ہو؟'' ثمینہ نے اس کا سر جھٹک دیا۔
''میاں بیوی میں اونچ نیچ ہو جاتی ہے۔ ایسی باتیں منہ سے نہیں نکالتے۔''
ساجدہ نے نرمی سے سمجھایا۔
''وہ زوباریہ کا غصہ مجھ پر نکالتے ہیں۔''
ثمینہ اور ساجدہ نے ایک دوسرے کو دیکھا اور نظریں چرا لیں۔
''وہ مجھ پر شک بھی کرتے ہیں۔'' کئی دنوں کا دبا غبار نکلنے لگا۔ وہ اچھی اور صابر بیوی بنتے بنتے تھک گئی تھی۔
''ایسی بات نہیں ہے غصے میں ہے تو۔''
''میں لان میں چلی جاؤں تو غصہ کرتے ہیں، کسی کام سے گیٹ کی طرف جاؤں تو پیچھے دیکھنے آتے ہیں۔ اور آج تو.....'' اس کا گلا بھرا گیا۔
''ہر وقت ایسی ہی باتیں، کچھ کہوں تو صاف کہہ دیتے ہیں تم بھی تو زوباریہ کی بہن ہو۔ اس کے بارے میں کس نے سوچا تھا کہ وہ یہ سب کرے گی۔''
''وقت کے ساتھ ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اس وقت کو صبر اور حوصلے کے ساتھ برداشت کرو۔''
ثمینہ کے تاثرات زوباریہ کے ذکر کے ساتھ ہی پتھرا گئے تھے۔ ساجدہ نرمی سے سمجھانے لگیں۔
''کیوں برداشت کروں۔ میں نے کیا کیا ہے جو یہ سب سہوں کسی کا کیا میں کیوں بھگتوں؟'' وہ بپھر کر بولی۔
''بھگتنا پڑے گا.....'' ثمینہ کے لہجے میں سختی در آئی۔ انہوں نے روشانے کا سر بہت سختی سے جھٹکا تھا۔ ''وہ جو کہے گا تم سنو گی۔ جو کرے گا برداشت کرو گی۔ خبردار جو تمہارے منہ سے ایک لفظ بھی نکلا۔
روشانے ماں کے انداز و الفاظ پر ششدر رہ گئی۔
''کیا کرتی ہو؟ بچی ہے سمجھ جائے گی۔'' ساجدہ نے نرمی سے ٹوکا اور زبیر صاحب دروازے میں کھڑے دل مسوس کر رہ گئے۔ یہ ان کے گھر میں کیا ہو رہا تھا۔
''بچی نہیں ہے۔ شادی شدہ عورت ہے۔ اسے سمجھنا ہوگا جس گھر کی لڑکی بھاگ جائے اس کا بھگتان پورے گھر کو بھگتنا ہوتا ہے۔'' وہ پھٹ پڑیں۔
''اب اس کا والی وارث دانیال ہے۔ اس کا جو دل چاہے۔ اس کے ساتھ کرے۔''
''کیوں یہ لاوارث ہے یا یتیم.....اور دانیال کو یہ حق کس نے دیا ہے وہ ہماری بیٹی کے ساتھ یہ سلوک کرے۔''

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

زبیر صاحب تڑپ کر سامنے آئے..... روشانے کا رونا سہا نہیں گیا۔ ثمینہ نے دونوں ہاتھ ان کے سامنے جوڑ دیے۔
''آپ کو اللہ کا واسطہ ہے بھائی صاحب۔ ان لڑکیوں کو سر پر مت چڑھائیں۔ یہ کچھ نہیں دیتیں۔ سوائے رسوائیوں کے۔''
''اللہ ہمیں معاف کرے۔ ایک نے نادانی کی تو کیا خاندان کی ساری لڑکیوں کو سولی چڑھائیں گے۔ میں دانیال سے خود بات کروں گا۔ اس گھر کو گھر رہنے دے۔ جیل نہ بنائے۔'' انہوں نے پاس آ کر روشانے کے سر پر ہاتھ رکھا۔
''جاؤ بیٹا۔ منہ ہاتھ دھولو۔ اللہ بہتر کرے گا۔''
روشانے اٹھ کر اندر چلی گئی تو زبیر صاحب تھکے تھکے انداز میں بیٹھ گئے۔
ثمینہ سر جھکا کر دوپٹے کی کناری ادھیڑنے لگیں۔
''گھر کے معاملات ٹھیک کرو ساجدہ، اس طرح کب تک چلے گا جو ہو گیا اب کیا اسی کا ماتم کرتے رہیں گے۔'' زبیر صاحب نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔
''جی کوشش کرتی ہوں۔''

☆☆☆

ستارہ نے سوئی ہوئی زیبی کو کمبل اوڑھایا۔ کن دقتوں سے سوئی تھی۔ وہ بھی دوا کے زیر اثر، تبھی دروازہ کھول کر ثمینہ آ گئیں۔ ستارہ نے انہیں دیکھ کر بھی نظر انداز کر دیا۔ وہ زیبی کے پاس آ کھڑی ہوئیں کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتی رہیں اور ستارہ ثمینہ کو، پھر آہ بھر کے مڑیں۔
''ڈاکٹر کیا کہتا ہے۔''
''کہتا ہے ابھی نہیں مرے گی.....'' نہ چاہتے ہوئے بھی تلخی ستارہ کے لہجے میں در آئی۔ ثمینہ نے تڑپ کر اسے دیکھا۔
''تمہیں لگتا ہے۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔''
''ہاں نہیں ہے۔ آپ کو اس سے زیادہ دنیا والوں کی پرواہ ہے۔ ورنہ ماں..... اولاد کیسی بھی ہو ماں اسے کلیجے سے لگا ہی لیتی ہے۔''
''میں کیا کروں ستارہ؟'' وہ تھک کر جہاں بیٹھیں۔ وہاں زیبی کے پاؤں کمبل سے نظر آتے تھے۔ ان پیروں کو انہوں نے سو سو بار چوما تھا۔ جب زیبی نے نیا نیا چلنا سیکھا تو وہ ان پیروں کی مالش کر کے لپیٹ دیتی تھیں کہیں وہ تھک نہ جاتی ہو۔ یہ انہی مالشوں کا نتیجہ تھا کہ اس نے اتنا چلنا سیکھ لیا کہ دہلیز ہی پار کر لی۔
انہوں نے کمبل کھینچ کر پاؤں ڈھانپ دیے۔
''میں نے زندگی میں کبھی تمہارے لیے کچھ نہیں کیا ستارہ۔''
''ایسے مت کہیں۔ خاندان میں ایک آپ نے ہی تو رابطہ رکھا تھا۔ میکے کے نام پر یہی تو ایک گھر باقی ہے۔'' ستارہ نے مدھم لہجے میں کہا۔
''تم سے کچھ کہوں تو مانو گی؟''
''میرے بس میں ہوا تو ضرور۔''
''زیبی اب یہاں نہیں رہ سکتی۔'' وہ زیبی کو دیکھ رہی تھیں۔
''تو کہاں دیس نکالا دیں گی۔''
''ثمینہ نے زیبی سے نظریں ہٹا کر ستارہ کو دیکھا۔
''تم اسے اپنے ساتھ لے جاؤ۔''
ستارہ ہکا بکا رہ گئیں۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

''اور گھر والے؟''
''کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ سب شکر کریں گے۔''
''آپ بھی.....''
''میں سارے اختیار تمہیں دیتی ہوں.....'' انہوں نے ستارہ کا سوال نظر انداز کر دیا۔
''یہاں تو اس کی بدنامی پیچھا نہیں چھوڑے گی۔ کوئی اچھا رشتہ دیکھ کر شادی کر دینا۔''
''شادی تو ہر مسئلے کا حل نہیں ہوتی۔''
''میں نے کہا نا جو چاہے کرنا بس اسے اس ماحول سے دور لے جاؤ۔ یہاں یہ بھی مشکل میں ہے اور روشانے بھی، اس کا جانا سب کے لیے بہتر ہوگا۔
ستارہ نے تحمضے میں گردن موڑ کر زیبی کو دیکھا۔ ہمدردی اور محبت اپنی جگہ مگر یہ بہت بڑی ذمہ داری تھی۔ ثمینہ، ستارہ کو امید بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ اور کوئی آسرا بھی تو دکھائی نہ دیتا تھا۔
سوال نہ سود و زیاں کا تھا نہ نفع نقصان کا۔ سوال تو زیبی کی زندگی اور اس کے مستقبل کا تھا۔ ستارہ نے فیصلہ کر لیا۔
''ٹھیک ہے آپا۔ بھائی جان سے بات کر لیں۔''
''ہوں.....'' ثمینہ اٹھیں۔ زیبی کے بکھرے بال سمیٹے اور بے ساختہ پیشانی چوم لی۔ پھر خود ہی چوری سی بن کر تیزی سے باہر نکل گئیں۔ ستارہ مسکرا دیں۔ انہیں بے اختیار دور لاہور میں اپنی بیٹی شدت سے یاد آئی تھی۔

☆☆☆

نیم تاریک کمرے میں بس ایل ای ڈی کی لائٹ تھی۔ جس پر کوئی ہارر مووی چل رہی تھی۔ نیم برہنہ لڑکی درخت پر چڑھنے کی تگ و دو میں تھی اور نیچے مگر مچھ اسے دبوچنے کو تیار، ٹی وی کی آواز بند تھی مگر اس سے کوئی فرق نہ پڑتا تھا۔ کہ بواجی کے خراٹے بیک گراؤنڈ میوزک کی کمی پوری کر رہے تھے۔ صوفے پر بیٹھی لڑکی نے کشن کا کنارہ دانتوں میں دبا رکھا تھا اس کی بڑی بڑی آنکھیں خوف سے پھیلی کچھ اور روشن لگ رہی تھیں۔
مگر مچھ نے جمپ کیا۔
لڑکی کی ٹانگ اس کے منہ میں آئی۔
ساتھ ہی گود میں رکھا موبائل چیخا اور اس سے بلند چیخ سیماب کے منہ سے نکلی۔
قالین پر لیٹی بواجی جب ہولا کر اٹھیں تو لگا کسی قبر سے بھوت نکل آیا ہو۔
''کیا ہوا؟ کون ہے؟ کیا ہوا؟''
اسکرین ذرا دیر کو تاریک ہوئی اور بھوت ادھر ادھر ہاتھ مارتا کیا ہوا کی گردان کر رہا تھا۔ بجتے موبائل کو آن کرتے ہوئے سیماب نے جلدی سے لائٹ جلائی۔ ساتھ ہی اسکرین پر اگلا سین شروع ہو گیا۔ بوا کا کلیجہ منہ کو آ گیا۔
''اللہ اللہ! یہ کیا خرافات لگا رکھی ہیں۔'' انہوں نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔ جبکہ سیماب فون پر ماں کی آواز سن کر کھل سی گئی تھی۔
''کیا ہے اماں، آپ کی اچانک کال نے مجھے ڈرا ہی دیا۔''
''اماں نے کیا ڈرانا ہے۔ کیسی خونم خان فلمیں دیکھتی ہے۔ توبہ توبہ'' بوا نے اپنے کلے پیٹے۔
''ان فلموں کے سامنے تو ہمارے زمانے کے جن بھوت بھی معصوم نظر آتے ہیں۔''
سیماب نے مسکراتے ہوئے ٹی وی آف کر دیا۔
''تمہیں بہت مس کر رہی تھی۔''
''رہنے دیں۔ اگر ایسا ہوتا تو واپس آ جاتیں۔'' وہ نروٹھے پن سے بولی۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

''بس ایک چھوٹا سا کام ہے کر کے آجاؤں گی۔ تم کیا کر رہی ہو۔''
''کچھ نہیں نیند نہیں آرہی تھی تو مووی دیکھنے لگی۔'' اس نے کشن اٹھا کر گود میں رکھا۔
''بوا سو گئیں؟''
''نہیں..... میرے ساتھ بیٹھی مووی دیکھ رہی ہیں۔'' سیماب نے شرارتی نظروں سے بوا کو دیکھا۔ وہ چڑ گئیں۔
''کاہے کو جھوٹ بول رہی ہو بی بی، ہم نہیں دیکھتے یہ بے ہودہ خون خرابے والی فلمیں۔''
''اچھا اور جو آپ کے زمانے کے سلطان راہی تھے گنڈاسے کے سائے میں پھولوں کے ہار پہناتے تھے؟''
جواب دینا تو اس پر فرض تھا۔
''ہم تو محمد علی، زیبا کی فلمیں دیکھتے تھے۔ وحید مراد اور شمیم آراء کی، ہائے کیا میٹھی میٹھی محبت کے قصے ہوتے تھے۔'' وہ تصوراتی دنیا میں وحید مراد کے ساتھ ڈوئٹ گانا گانے پہنچ گئیں۔
''اماں! یہ بوا جی ہمیں آدھی رات کو میٹھی میٹھی محبتوں کے قصے سنا رہی ہیں۔''
''اللہ کی پناہ بی بی! یہ جھوٹ بول رہی ہیں۔'' بوا نے بوکھلا کر اونچی آواز میں کہا تو سیماب ہنستے ہنستے دہری ہو گئی۔
''سیما! کیوں بوا جی کو تنگ کرتی ہو؟''
ستارہ نے مسکراتے ہوئے ڈانٹا۔ اتنے دنوں کے بعد یہ نوک جھونک سن کر طبیعت فریش ہو گئی تھی۔
''اچھا نہیں کرتی تنگ۔'' سیماب نے کان کی لو چھو کر معذرت کی۔ بوا نے ہونہہ کہہ کر منہ پھیر لیا۔
''اماں! واپس آجائیں۔ بالکل دل نہیں لگ رہا۔''
''بس ایک دو دن تک آتی ہوں۔ تمہارے لیے ایک سرپرائز بھی ہوگا۔''
''کیسا سرپرائز؟''
''بتا دیا تو سرپرائز کہاں رہے گا۔'' انہوں نے ہنس کر ٹالا اور جلدی سونے کی تاکید کر کے کال کاٹ دی۔ اور مڑ کر زیبی کو دیکھا۔
آئی ہوپ سیما کی محبت تمہیں پھر سے ہنسنا سکھا دے گی۔
''کب آرہی ہیں ستارہ.....'' بوا جی نے پوچھا۔
''کچھ پتا نہیں.....'' سیماب نے پھر سے ریموٹ اٹھا لیا تو بوا نے بے اختیار ٹوکا۔
''گڑیا اب بس کرو، مجھے نیند آرہی ہے۔''
''آپ کی خاطر آواز بند کر کے دیکھ رہی ہوں۔''
''پھر میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔'' وہ ناراض ہو کر جانے لگیں تو سیماب نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔
''پلیز، بس آدھا گھنٹہ، آپ اپنی آنکھیں بند کر لیں نا۔''
''اتنا ڈرلگ رہا ہے تو کاہے کو دیکھ رہی ہو؟'' وہ بادل نخواستہ بیٹھیں۔
''اس ڈر کا بھی اپنا ہی مزا ہے۔''
اسکرین روشن ہوئی اور پانی کی سطح پر تیرتی لڑکی کی لاش دیکھ کر دونوں کی چیخیں نکل گئیں۔

☆☆☆

ثمینہ کمرے میں آئیں تو روشانے ابھی تک سرمد کے پاس بیٹھی تھی۔ ثمینہ جھنجھلا گئیں۔
''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟''
روشانے نے گھبرا کر باپ کو دیکھا انہوں نے ثمینہ کو۔
''جاؤ تمہارا شوہر انتظار کر رہا ہے۔'' انہوں نے دروازے کی طرف ہاتھ کر کے گویا اسے گیٹ آؤٹ کہا

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

تھا۔ وہ ہٹ دھرمی سے بیٹھی رہی۔

''تم سن رہی ہو میں کیا کہہ رہی ہوں۔''

باپ کا احساس کر کے روشانے کھڑی ہوئی۔

''اگر کچھ کہہ بھی دے تو برداشت کرنا۔ تکیہ اٹھا کر کمرے سے نکلنے کی ضرورت نہیں۔'' انہوں نے سختی سے کہا تو روشانے لب چباتی تیزی سے وہاں سے چلی گئی۔

''ک..... کیا ہوا؟'' سرمد کے لیے ثمینہ کا رویہ ناقابل فہم تھا۔

''کچھ نہیں۔ لڑکیوں کے نخرے اٹھا اٹھا کر انہیں بالکل ہی بگاڑ دیا ہے۔''

''رو..... روشانے تو.....'' انہوں نے ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں بیٹی کی سائیڈ لینا چاہی۔

''رہنے دیں۔ ذرا دانیال نے کسی بات پر ڈانٹ دیا تو ناراض ہو کر آ گئی۔''

ثمینہ نے سرسری لہجہ اپنایا۔ یہ تو اپنا دل جانتا تھا کہ خود پر کیا گزر رہی تھی۔

بیٹی کی اداس صورت دل چیر رہی تھی مگر خود پر جبر کیے بیٹھی تھیں۔

سرمد بہت غور سے ان کی صورت دیکھ رہے تھے۔ وہ خوامخواہ چیزیں الٹ پلٹ کر رہی تھیں گویا ان کی نظروں کا سامنا کرنا نہ چاہتی ہوں۔

''اسے بھیج رہی ہوں ستارہ کے ساتھ۔'' دل کڑا کر کے کہہ دیا۔

''ک..... کیوں؟.....'' بنا نام سنے بھی جانتے تھے دربدری کی سزا کسے سنائی گئی ہے۔

''سکون چاہتی ہوں۔ اس گھر میں بھی اور اس کی زندگی میں بھی۔'' ثمینہ ہار کر ان کے پاس آ بیٹھیں۔

''سرمد صاحب، میں اس سے زیادہ اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتی۔ اس نے جو غلطی کی ہے لوگ اسے کبھی بھولنے نہیں دیں گے۔ ہم خود بھی اسے معاف کرنے کو تیار نہیں مگر کیا کریں۔ ہماری اولاد ہے۔ اس کے باوجود اس کی طرف سے آنکھیں بند نہیں کر سکتے۔ اس کے سامنے پوری زندگی پڑی ہے۔ ہو سکتا ہے۔ پڑھائی شروع کر دے یا ستارہ اس کے لیے کوئی رشتہ ڈھونڈ لے۔ کچھ بھی ایسا۔ جو اس کی زندگی کو آسان کر دے۔''

وہ دھیمے لہجے میں بنا دیکھے بولتی چلی گئیں اور سرمد خاموشی سے سنتے گئے۔

ثمینہ نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

وہ کچھ بھی نہیں بولے تھے۔ نہ ہاں..... نہ ناں..... ثمینہ نے ان کی خاموشی کو رضامندی ہی سمجھ لیا۔

☆☆☆

روشانے آدھی رات تک کمرے میں نہیں آئی۔ کروٹیں بدلتے بدلتے دانیال تھک گیا۔ نہ نیند آئی نہ روشانے..... اندر ہی اندر اپنی شرمندگی کو غصے سے دبانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر ضمیر کچوکے لگا رہا تھا کہ اس سارے مسئلے میں زیادتی روشانے کے ساتھ ہو رہی تھی۔

''کیا ہو گیا جو غصے میں کچھ کہہ دیا۔'' وہ جھنجھلا کر اٹھ بیٹھا۔ ''اتنے نخرے ہیں کہ ذرا سی بات برداشت نہیں ہوتی۔ ٹھیک ہے مجھے بھی منانے کی ضرورت نہیں۔ دماغ ٹھیک ہو گا تو آ جائے گی۔'' خود کو تسلی دے کر دوبارہ لیٹنا چاہا مگر چین کہاں؟

پھر کمرے سے باہر نکل آیا۔ اور لاؤنج میں سسکیوں کی کشتی میں ہچکولے کھاتا وجود اسے مزید پشیمان کر گیا۔

وہ آہستگی سے اس کے پاس بیٹھا تو روشانے تکیے میں منہ چھپا لیا۔

''بس کرو یار، تم نے تو رو رو کر برا حال کر لیا ہے۔'' دانیال نے زبردستی تکیہ کھینچا تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ''تمہیں میرے غصے کا اندازہ تو ہے۔ پتا ہی نہیں چلتا کیا کہہ رہا ہوں؟''

روشانے کے اندر لاوا پھٹنے کو تھا۔ مگر لفظ ہونٹوں تک آتے اور جل کر بجھ جاتے۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

وہ اس کے آنسو صاف کر رہا تھا۔ خود میں سمیٹ رہا ہے۔ محبت بھرے لمس سے زخموں پر پھاہے رکھ رہا تھا۔ وہ الجھ رہی تھی۔ چڑ رہی تھی۔ اسے اتنے ہی سخت الفاظ کہنا چاہتی تھی جتنے اس نے کہے تھے۔

''مجھے احساس ہے میں تمہارے ساتھ زیادتی کر جاتا ہوں۔ مگر میں کس اذیت میں ہوں تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے۔''

''اور میں..... میں اذیت میں نہیں ہوں۔'' گیند روشانے کے کورٹ میں تھی۔ وہ شوہر سے جی بھر کے لڑ سکتی تھی۔ اس کی ہر زیادتی کا بدلہ لے سکتی تھی۔ وہ شرمندہ تھا اور مرد جب شرمندہ ہو تو سب سن لیتا ہے۔ مگر اس نے سختی سے چہرہ صاف کرتے ہوئے بات کرنے کی ٹھان لی تھی کہ اس گھر کی عورتوں میں صبر کمال کا تھا۔

روشانے نے بھی اپنا ہتھیار اٹھا لیا۔

''وہ جو گھر سے بھاگی تھی میری بہن تھی۔ وہ جو فالج زدہ ہو کر بستر پر پڑا ہے میرا باپ ہے۔

میری تکلیف کا اندازہ لگائیں دانیال۔ میں نے کچھ نہیں کیا مگر سب کے الزام سہہ رہی ہوں۔ آپ کی جلی کٹی سن رہی ہوں۔ میری بہن کی وجہ سے میرا کردار بھی مشکوک ہو گیا۔ میں اپنا کون کون سا دکھ بتاؤں کہ میرے پاس تو کوئی ایسا کندھا بھی نہیں جس پر سر رکھ کر میں اپنا دکھ رو لوں..... آپ تو مجھ پر برس کر اپنا غصہ ٹھنڈا کر لیتے ہیں۔ میں کیا کروں؟ اندر ہی اندر جل کر مر جاؤں۔''

''روشانے.....''

رات بوڑھی ہوتی گئی۔ اور وہ بولتی چلی گئی۔

مرد جب شرمندہ ہو تو سب سن لیتا ہے۔ اور آسانی سے زیر بھی ہو جاتا ہے۔ پتا نہیں روشانے جیسی سادہ لڑکی نے یہ حکایتیں کہاں سے سنی تھیں.....؟

یا اس کے صفحہ دل پر رب کی طرف سے اترتی تھیں۔

مگر جب رات تھک کر ڈوب گئی تو صبح بہت روشن چمکیلی تھی۔

روشانے کچن میں ناشتہ بنا رہی تھی اور دانیال کافی پھینٹ رہا تھا۔

واک کے لیے جاتے زبیر صاحب نے یہ منظر دیکھا تو سکھ کا سانس لیا۔

انہوں نے تو دونوں کو بس ایک ہی بات سمجھائی تھی۔ میاں بیوی کے رشتے میں انا نہیں ہوتی۔ ایک معافی مانگے تو دوسرا اسے ناک رگڑنے پر مجبور نہ کرے۔ اور بیٹے سے بس اتنا کہا تھا۔ دوسروں کی تلخیوں کو اپنی ازدواجی زندگی میں مت گھولو۔ رشتہ زہریلا ہو جائے تو باقی کچھ نہیں بچتا۔

''دونوں سمجھ دار ہیں۔ میری بات سمجھ گئے۔''

درود پاک کا ورد کرتے وہ باہر کی سمت بڑھ گئے۔

ان کے عقب میں کافی کی کڑوی مہک میں کچھ میٹھی سرگوشیاں گھل رہی تھیں۔

☆☆☆

''امی آپ نے مجھے بلایا۔'' زوباریہ کی مدھم آواز پر سرمد نے بے ساختہ آنکھیں کھول کر دیکھا۔ وہ اب نظر ہی نہیں آتی تھی۔ ثمینہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ جب سے ہسپتال سے آئی تھی چپ لگ گئی تھی۔ اس کا رونا..... معافی مانگنا سب ختم ہو گیا تھا۔ مرد گھر سے چلے جاتے تو خاموشی سے گھر کے کاموں میں لگ جاتی۔ واپسی کا وقت ہوتا تو کمرے میں چلی جاتی۔

''جو جو سامان چاہیے پیک کر لو''

''کہیں جانا ہے؟'' زوباریہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

''ہاں تمہیں ستارہ کے ساتھ لاہور بھیج رہی ہوں۔''

زوباریہ کا رنگ اڑ گیا۔
''آپ مجھے خود سے دور کر رہی ہیں؟''
''یہ کام تم خود کر چکی ہو۔''
''نہیں۔ مجھے نہیں جانا..... ابو..... پلیز امی کو سمجھائیں، میں آپ لوگوں کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔'' وہ تڑپ کر باپ کے قریب آئی۔
سرمد نے منہ پھیر لیا۔
''تم ہمیں چھوڑ کر جا چکی ہو زوباریہ۔'' ثمینہ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ تو وہ ان کی طرف پلٹی۔
''امی پلیز۔ وہ میری نادانی تھی۔ اب آپ کو چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔''
''زوباریہ سمجھنے کی کوشش کرو۔ تمہارا یہاں سے چلے جانا ہی بہتر ہے۔ ہم سب کے لیے بھی اور تمہارے لیے بھی، اگر تمہارے دل میں ہماری اتنی سی بھی محبت باقی ہے تو ستارہ کے ساتھ چلی جاؤ۔'' زوباریہ نے باپ کو دیکھا۔ وہ آنکھیں موندے بے حس پڑے تھے۔
''ابو۔'' انہوں نے اسی طرح ہاتھ سے جانے کا اشارہ کیا۔ جیسے کہتے ہوں جان چھوڑ دو ہماری۔
ایک بار اس نے اپنی مرضی سے گھر چھوڑا تھا۔
آج گھر والوں نے دیس نکالا دے دیا تھا۔ روشانے نے اس کا سامان پیک کر دیا۔
''زیادہ مت سوچو زوباریہ۔ یوں سمجھو تقدیر تمہیں ایک موقع اور دے رہی ہے۔ تم پھر سے اپنی زندگی شروع کرو۔ بھول جاؤ۔ ماضی میں کیا ہوا تھا۔ دوبارہ اپنی پڑھائی شروع کرو۔'' اس نے بیگ میں کتابیں تک رکھ دی تھیں۔
''میں نہیں جانا چاہتی.....'' وہ بے بسی سے ہاتھ پر ہاتھ دھرے روشانے کو یہ سب کرتا دیکھ رہی تھی۔
روشانے نے زپ بند کر کے بیگ ایک طرف رکھا اور اس کے پاس آ بیٹھی۔
''دانیال اس گھر کے دو حصے کر رہا ہے۔''
''زوباریہ نے بے یقینی سے روشانے کو دیکھا۔
''گھر میں دیوار اٹھنے کا مطلب سمجھتی ہو۔ ہم ایک دوسرے کی شکل دیکھنے سے بھی جائیں گے۔ ایک بار اپنے لیے گئی تھیں اب ہمارے لیے چلی جاؤ۔''
نہ چاہتے ہوئے بھی زوباریہ کو جانا پڑا۔ بار بار رکتی تھی۔ مڑ مڑ کر دیکھتی تھی۔ کوئی تو آئے۔ آواز دے۔ ہاتھ پکڑ کر روک لے۔
مگر نہ کوئی آیا۔ نہ کسی نے روکا۔ اور زوباریہ کی زندگی کا نیا سفر شروع ہو گیا۔

☆☆☆

''کیا ہے اماں! اتنے دنوں کے بعد آئیں اور ساتھ میں ان کزن کو اٹھا لائیں جسے میں نے آج سے پہلے تک دیکھا بھی نہیں۔ اس پر مجھے فورس کر رہی ہیں کہ میں اس کے ساتھ اپنا روم بھی شیئر کروں۔'' ڈھیلے ڈھالے ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس سیماب جھنجلائی ہوئی کھڑی تھی۔
اس سرپرائز نے تو ماں کے آنے کی خوشی بھی ماند کر دی تھی۔
''یہاں میرے پاس آؤ بیٹا!'' ستارہ نے پیار سے پکارا تو وہ منہ بناتی پاس آ بیٹھی۔ ستارہ نے دونوں ہاتھوں سے اس کے بال سمیٹے..... سیماب نے جھنجلا کر ان کا ہاتھ ہٹایا۔ اسے بال باندھنا بالکل نہیں پسند تھا۔ زیادہ تر کھلے ہی رکھتی۔ اس کے بال تھے بہت سلکی اور سیدھے۔
''بس کچھ دنوں کی بات ہے۔ میں چاہتی ہوں وہ اجنبیت محسوس نہ کرے۔ جب ہمارے گھر کے ماحول

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

سے مانوس ہو جائے گی تو دوسرا روم سیٹ کر دوں گی۔"
"ویٹ آمنٹ..... وہ اب یہیں رہے گی....." اس نے آنکھیں پھیلائیں۔ ستارہ کے بولنے سے پہلے ہی بوا اندر آئیں۔
"میں نے کہا..... ستارہ بی بی۔ یہ زوباریہ تو عجیب گپ چپ سی لڑکی ہے۔ جب سے آئی ہے ایک ہی جگہ بیٹھی ہے۔ کھانے کی کسی چیز کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔"
"اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں بوا....." ستارہ سنجیدہ ہوئیں۔
"حال پر چھوڑیں میرے کمرے میں کیوں چھوڑ رہی ہیں۔ اتنی بور پرسنالٹی کے ساتھ میرا گزارا کیسے ہوگا۔" سیماب نے دہائی دی۔
"تو اچھی بات ہے۔ تمہاری وجہ سے اس کا دل بھی لگ جائے گی۔ ہم عمری کی رفاقت ہوگئی تو....." ستارہ نے بہلانا چاہا۔
"کوئی ہم عمر نہیں۔ مجھ سے تو بڑی ہی ہوگی۔" سیماب تڑپ کر بولی۔ "اور اسے اپنے گھر میں کیا پرابلم تھی جو اسے یہاں اٹھا لائی ہیں۔"
"تمہارے لیے لائی تھی۔ خود ہی تو کہتی تھیں کہ میں تمہیں اپنے رشتے داروں سے ملنے نہیں دیتی ہوں۔"
"تو اب بھی نہ لاتیں۔ خوامخواہ میں۔ مان نہ مان میں تیرا مہمان۔" وہ بڑبڑاتی پیر پٹختی وہاں سے چلی گئی۔
"بہت ضدی ہے۔"
"آہستہ آہستہ سمجھ جائے گی۔ اب اتنا عرصہ تو تنہا رہی۔ ایک دم کیسے قبول کر لے۔ ستارہ بی بی! آپ بھی سختی نہ کرنا۔ ویسے....." بوا کے لہجے میں تجسس در آیا۔
"اسے لے کر کیوں آئی ہیں۔"
"کھانا تیار ہو گیا۔" ستارہ نے ان کا سوال ان سنا کر دیا۔ بوا بھی مزاج آشنا تھیں سمجھ گئیں اس وقت کوئی بات کرنا نہیں چاہتیں۔
"تیار ہے بس لگا دیتی ہوں۔"

☆☆☆

زوباریہ کمرے کے درمیان میں کھڑی کمرے کے در و دیوار کو دیکھ رہی تھی۔ شوخ رنگوں سے سجا کمرہ، دیواروں پر تصویروں کی بھرمار، اسے اپنا کمرہ شدت سے یاد آیا۔ اپنا بیڈ، اپنی الماری، اپنی تصویریں۔
"اچھا ہے نا....." وہ سیماب کی آواز پر چونکی۔
"بہت اچھا ہے۔" زوباریہ نے خود کو سنبھالا۔
"میں نے ہر چیز اپنی پسند کی بنوائی ہے۔ لیکن اب میں اس کلر اسکیم سے بور ہو گئی ہوں۔ مجھے لگتا ہے کچھ چینج ہونا چاہیے۔ نہیں؟" اس نے گویا زوباریہ سے مشورہ مانگا تھا۔ زوباریہ نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ وہ دوبارہ بول اٹھی۔
"ٹھیک ہے تم مجھ سے کچھ سال بڑی ہو۔ لیکن میں تمہیں تم ہی کہوں گی۔"
"جیسے تمہاری مرضی۔" اس گھر میں آنے کے بعد وہ پہلی بار مسکرائی۔ ورنہ اسے تو لگتا تھا وہ اپنی مسکراہٹ باپ کے قدموں میں بھول آئی تھی۔ جنہیں اس نے آتے ہوئے چھوا تھا۔ اور پلو میں ان کی آخری نظر باندھ لائی تھی۔ جس کے بعد انہوں نے دوبارہ آنکھیں بند کر لی تھیں۔
"جب تک یہاں ہو۔ میرا کمرہ استعمال کر سکتی ہو۔ حالانکہ مجھے بالکل اچھا نہیں لگے گا۔ لیکن کیا کریں؟ تم اماں کی گیسٹ ہو اتنی رسپیکٹ تو بنتی ہے۔" سیماب نے کندھے اچکاتے ہوئے گویا زوباریہ پر احسان کیا۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

''گیسٹ تو ایک دو دن کا ہوتا ہے۔ میں تو نجانے کتنے دن یہاں رہوں گی۔'' زوباریہ نے افسردگی سے کہا تو وہ بری طرح چونکی۔

''تم یہاں مستقل رہنے آئی ہو؟''

''مگر کیوں؟''

''تمہارا تو اپنا گھر ہے۔ امی، ابو ہیں۔ پھر کیوں؟''

اس کے تابڑ توڑ سوالوں میں سے کسی ایک کا جواب بھی زوباریہ کے پاس نہیں تھا۔

''اماں.....'' اس کی طویل خاموشی سے گھبرا کر سیماب دوبارہ ماں کی طرف لپکی۔

''اماں! آپ تو کہہ رہی تھیں۔ وہ چند دنوں کے لیے آئی ہے۔ لیکن وہ تو یہاں مستقل رہنے آئی ہے۔''

مختلف کھانے ایئر ٹائٹ باکسز میں بند کر کے فریزر میں رکھتے ہوئے ستارہ نے چڑ کر سیماب کو دیکھا۔ صبح انہیں آفس جانا تھا اور بہت سے کام تھے جو انہیں آج ہی سمیٹنے تھے۔

''کیا ہے سیما! اگر کسی کام میں میری مدد نہیں کر سکتیں۔ تو پریشان بھی نہ کرو۔'' سیماب پاؤں پٹخ کر چلی گئی۔ ماں کا لہجہ پسند نہیں آیا تھا۔ ستارہ سارے کام سمیٹ کر کہ بوا کو ان کی عمر کی وجہ سے وقت پر سونے بھیج دیتی تھیں۔ جب لاؤنج میں آئیں تو سیماب صوفے پر لیٹی موبائل میں مگن تھی۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟''

سیماب نے ماں کو ایک نظر دیکھا مگر بولی کچھ نہیں۔ ستارہ نے مسکرا کر اس کے بال چھیڑے۔ اس نے حسب عادت سر جھٹکا۔

''اپنے کمرے میں کیوں نہیں سو رہیں.....''

''میرا روم تو آپ کی ڈارلنگ بھانجی کے پاس ہے۔''

''سیما! میں نے روم شیئر کرنے کو کہا تھا۔'' وہ کنارے پر بیٹھ گئیں۔

''وہ میں کرنا نہیں چاہتی.....'' ضدی پن کے ساتھ بولی۔

''پورا اس کو دے دو گی شیئر نہیں کرو گی؟'' ستارہ نے اس کے ہاتھ سے موبائل کھینچ لیا تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''ایسا ہی ہے۔''

''دماغ خراب تو نہیں ہو گیا۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے سیماب کی پیشانی پر ٹھوکا دیا۔

''جی.....اس نمونے کو دیکھ کر خراب ہو گیا ہے۔'' وہ بدلحاظی سے بولی تو ستارہ نے بے ساختہ اسے ڈانٹ دیا۔

''مائنڈ یور لینگویج کس طرح بات کر رہی ہو؟''

''اب اس کی خاطر مجھے ڈانٹیں گی۔''

اکلوتا بچہ کچھ زیادہ ہی نازک مزاج ہوتا ہے اور سیماب نے تو کبھی ان کی ڈانٹ سنی ہی نہیں تھی۔ فوراً ہی بڑی بڑی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔ ستارہ کے کچھ بھی بولنے سے پہلے عقب میں کمرے کا دروازہ کھلا اور زوباریہ تکیہ اٹھائے باہر آئی۔

''خالہ آپ میری خاطر سیمی کو مت ڈانٹیں۔ میں کہیں بھی سو جاؤں گی۔''

''اوہ ہیلو.....'' سیمی کو معصوم صورت اچھی خاصی مکار لگی۔ ''تمہیں مجھ سے ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے۔''

''سیماب.....'' ستارہ نے فوراً ٹوکا۔ ''اپنا تکیہ اٹھاؤ اور کمرے میں جاؤ۔''

''تھینکس.....'' وہ تکیہ اٹھا کر زوباریہ کو گھورتی کمرے میں چلی گئی.....دروازہ بہت زور سے بند ہوا تھا۔ ستارہ شرمندہ ہو گئیں۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

"ساری زندگی اکیلی رہی تو شیئرنگ کی عادت نہیں رہی۔ کچھ میرے لاڈ پیار نے بھی بگاڑ دیا ہے۔"
"خالہ کوئی بات نہیں۔ میں یہیں سو جاؤں گی....." اسے خالہ کی شرمندگی اچھی نہیں لگی تھی۔
ستارہ مسکرا کر اٹھیں..... پاس آئیں اور اسے ایک بازو کے گھیرے میں لے لیا۔
"میں تو بس چاہتی تھی تم دونوں کی دوستی ہو جائے۔ ورنہ اس گھر میں اور بھی کمرے ہیں۔ آؤ تمہیں تمہارا کمرہ دکھا دوں۔"
کمرہ چھوٹا مگر اس کی ضرورت کے لیے کافی تھا۔ ستارہ نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے اس کی ضرورت کی ہر چیز لا دیں گی۔ وہ لسٹ بنا دے۔ مگر زوباریہ لسٹ نہیں بنا سکی۔ اسے لگنے لگا تھا اس کی ساری ضرورتیں ختم ہو چکی ہیں۔
"میرے کمرے میں کیا کیا تھا....." اس نے تصور کی آنکھ سے اپنا کمرہ دیکھنا چاہا۔ مگر تصور کی آنکھ میں اپنی رخصتی کا لمحہ جم سا گیا تھا۔
"سب کیا کر رہے ہوں گے؟" اس کا جسم یہاں تھا اور روح اپنے گھر کی راہداریوں میں بھٹک رہی تھی۔
وہ اب بھی برآمدے میں کھڑی جالی کے دروازے سے ناک چپکائے اندر کا منظر دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

زوباریہ کے جاتے ہی اس گھر کی خاموشی کرچی کرچی ہو کر بکھری تھی۔
وہ جیسے کبھی وہاں تھی ہی نہیں۔
نہ کوئی نام لیتا تھا نہ کوئی ذکر کرتا تھا۔
وہ خوف کا عالم..... کہیں دانیال کا زوباریہ سے سامنا نہ ہو جائے۔ کہیں زوباریہ کچھ کر نہ بیٹھے کہیں دانیال اس کا گلا نہ دبا دے۔
سب نے اس خوف کی فضا سے باہر نکل کر سکون کا سانس لیا تھا۔
گویا سب اپنا بوجھ ستارہ کے کندھے پر ڈال کر بے فکر ہو گئے تھے۔ لان میں پھولوں کی پنیری بھی لگ گئی۔ روشانے کی فرمائش پر لیموں کے پودے بھی لگوائے گئے۔ اسے ان کی ترش سی مہک اچھی لگتی تھی۔
شام کی چائے سب مل کر دوبارہ سے لان میں پینے لگے۔ سب ہنستے مسکراتے مگر یہ تو بس ماں باپ کا دل جانتا تھا کہ ان کرچیوں کو چنتے چنتے ان کی انگلیاں کس طرح ہر روز لہولہان ہوتی تھی۔
چوں..... چوں کی آواز پر سرمد نے گردن گھما کر دیکھا۔
"ابو..... ابو بھاگ کر آئیں۔" زوباریہ کے شور پر وہ کپ میز پر رکھ کر باہر کی طرف لپکے..... لیمن کلر کی فراک میں ملبوس دونوں ہاتھوں میں ایک ننھی سی کالی چڑیا پکڑ کر کھڑی تھی۔
"جلدی سے چڑیا پکڑیں..... پنجرہ لے کر آئیں۔"
"پہلے چڑیا پکڑوں یا پہلے پنجرہ لے کر آؤں۔" زوباریہ کی افراتفری پر گھبرائے۔
"چڑیا تو میں نے پکڑی ہے آپ پنجرہ لے کر آئیں۔"
"پنجرے کا کیا کرو گی؟" وہ ننھی بیٹی کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھ گئے۔ زیبی کے بال اس کے ماتھے پر بکھرے تھے جنہیں وہ سر جھٹک جھٹک کر پیچھے کر رہی تھیں۔ انہوں نے شفقت سے سمیٹ کر کان کے پیچھے کر دیے۔
"آپ کو بند کروں گی....." زیبی نے غصے سے پاؤں پٹخے بال پھر سے ماتھے پر آ گرے۔
"مگر پنجرہ تو چھوٹا ہے۔"
"ابو....." اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں معصوم سی ناراضی در آئی۔
"مجھے یہ چڑیا اس میں بند کرنی ہے۔ دیکھیں نا کتنی پیاری ہے۔"

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

اس نے چڑیا کے ننھے سے سر کو چوم لیا۔
"بس میں اسے قید کروں گی۔"
"نہیں بیٹا۔ پرندوں کو قید نہیں کرتے۔ بددعائیں دیتے ہیں۔"
ننھی چڑیا بٹر بٹر انہیں دیکھ رہی تھی۔
"میں اس کا بہت خیال رکھوں گی۔"
انہوں نے نرمی سے چڑیا اس کے ہاتھ سے چھڑائی اور اڑا دیا۔
زیبی کتنے دن ان سے ناراض رہی تھی۔
"وہ وہاں خوش رہے گی۔ ان شاء اللہ۔"
ثمینہ نے آکر پردہ کھینچ دیا..... اجنبی چڑیا اڑ گئی تھی۔

☆☆☆

رنگ برنگی چڑیوں سے بھرا پنجرہ اس کے سامنے تھا۔
"مجھے ان سارے پرندوں کی بددعائیں لگ گئی ہیں ابو جنہیں میں پکڑا کرتی تھی۔ بے خیالی میں اس نے پنجرے کا دروازہ کھول دیا۔ ایسا کرتے ہوئے وہ یکسر بھول گئی تھی کہ وہ اس وقت اپنے گھر میں نہیں کھڑی ہے۔
"یہ تم نے کیا کیا؟" سیماب کی دکھ سے چیختی آواز نے احساس دلایا کہ وہ اس وقت کہاں کھڑی ہے۔ اس نے کھٹ سے پنجرے کا دروازہ بند کیا۔ مگر پنچھی اڑ چکے تھے۔
"سیما وہ بس بے خیالی میں....."
"تم یہ سب جان بوجھ کر کرتی ہو۔ مجھے مما کی نظروں میں گرانا چاہتی ہو۔ میری جگہ لینا چاہتی ہو۔"
زوباریہ نے زور سے نفی میں گردن ہلائی۔
"تم کیوں بھول جاتی ہو۔ یہ میرا گھر ہے۔ یہ میری چیزیں ہیں۔"
ستارہ اور بواجی بھاگتی ہوئی وہاں آئیں۔
"کیا ہوا۔ سیما کیوں چلا رہی ہو؟"
زوباریہ نے مجرمانہ انداز میں سر جھکا لیا۔
"اماں! اس نے میرے سارے پرندے اڑا دیے۔" سیماب رو پڑی۔ چھوٹی عمر کے دکھ بہت بڑے ہوتے ہیں۔
بوا اور ستارہ خالہ نے پنجرے کو پھر بے بسی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ بواجی نے تو دل ہی دل میں شکر ادا کیا۔ باقی کاموں کے ساتھ ساتھ ان کی دیکھ بھال بھی انہی کے فرائض میں شامل تھی۔ جان چھوٹی خس کم جہاں پاک۔ پر اوپر سے گلوگیر لہجے میں گویا ہوئیں۔
"ہائے ہائے۔ بچے یہ کیا کیا؟ یہ تو سیماب نے بڑے پیار سے پالے تھے۔"
"یہ مجھے تنگ کرنے کے لیے ایسا کر رہی ہے میں نے اس کے ساتھ روم جو شیئر نہیں کیا۔"
نین کٹورے پانی سے لبالب بھرے تھے۔ ستارہ نے سیماب کو ساتھ لگا کر پیار کیا۔
"بیٹا! غلطی سے ہو گیا ہوگا۔ جان بوجھ کر نہیں کیا ہوگا؟ اور آپ فکر کیوں کر رہی ہیں۔ کل مزید پرندے منگوا لیں گے۔ بلکہ آپ خود ساتھ جانا اور اپنی پسند سے لے لینا۔" سیماب ایک جھٹکے سے ان سے الگ ہوئی۔
"مجھے پتا تھا آپ یہی کہیں گی۔"
وہ غصے سے وہاں سے بھاگ گئی۔ بوا اسے پکارتی ہوئی پیچھے لپکیں۔

Waqar Azeem Pakistani Point
www.pakistanipoint.com

گہری سانس لے کر ستارہ نے زوباریہ کو دیکھا۔ وہ سر جھکائے اضطراری انداز میں ایک ہاتھ کے ناخن دوسرے سے کھینچ رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے یہی عمل دانتوں سے کرنا تھا۔ ستارہ نے نرمی سے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔

"جب کوئی پیاری چیز کسی دوسرے کی غلطی کی وجہ سے کھو جائے تو غصہ تو آتا ہے نا؟" زوباریہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"لیکن کوئی بات نہیں۔ غلطی بھی تو انسانوں سے ہی ہوتی ہے۔ آئندہ خیال رکھنا۔ کل میرے ساتھ چلنا ہم اس پنجرے کو پھر سے بھر دیں گے۔"

"خالہ....." زوباریہ نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"قیدی پرندے بددعائیں دیتے ہیں۔ میں نہیں چاہتی ان کی کوئی بددعا سیماب کو لگے۔" ستارہ نے بے اختیار اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

☆☆☆

دروازہ اندر سے بند تھا۔ ستارہ کی دستک پر بھی نہیں کھلا۔

"اماں، پلیز، مجھے اس وقت تنگ مت کریں۔"

ستارہ جانتی تھیں اب وہ واقعی بات نہیں کرے گی۔ اک گہری سانس لے کر زوباریہ کے کمرے میں آ گئیں۔

"زیبی....." اسے قالین پر لیٹا دیکھ متحیر رہ گئیں۔ "تم زمین پر کیوں لیٹی ہو؟"

"بیڈ گیلا ہو گیا ہے خالہ!"

ستارہ نے الجھ کر زیبی کو دیکھا۔ پھر آگے بڑھیں اور بیڈ کی حالت دیکھ کر طویل سانس لے کر رہ گئیں۔ پورا بیڈ پانی سے بھگو دیا گیا تھا۔ وہ سیماب سے اس سے بھی زیادہ کی توقع کر سکتی تھیں۔

"زمین پر رات نہیں گزرے گی۔ آؤ میرے ساتھ۔"

وہ اسے لے کر اپنے کمرے میں آ گئیں۔ ان کے ساتھ لیٹ کر زوباریہ کو وہی خوشبو آئی جو کبھی کبھی ثمینہ کے ساتھ لیٹ کر آتی تھی۔ اس نے مضبوطی سے ستارہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور ستارہ کو سیماب کا رویہ دیکھ کر جو احساس ہوتا تھا کہ کہیں انہوں نے زوباریہ کو ساتھ لا کر غلطی تو نہیں کی۔ معدوم ہو گیا۔

"یقیناً وقت کے ساتھ ساتھ سیماب کا رویہ بھی ٹھیک ہو جائے گا۔"

انہوں نے خود کو تسلی دی۔

☆☆☆

"جب سے اماں واپس آئی ہیں۔ بالکل بدل گئی ہیں۔ ہر بات میں اس زوباریہ کا ساتھ دیتی ہیں جیسے میں نہیں وہ ان کی بیٹی ہے۔ میں تو مر ہی جاؤں تو اچھا ہے۔" سیماب بوا کی گود میں سر رکھے اپنے دکھڑے رو رہی تھی۔

"خبردار جو ایسی بات منہ سے نکالی ہو۔ تمہاری ماں کے پاس تمہارے سوا اور ہے ہی کیا....." بوا نے ہولا کر ڈانٹا۔

"وہ آ گئی ہے نا۔ اسے بنا لیں گی اپنی بیٹی۔"

"اس طرح کہاں ہوتا ہے۔ اپنی اولاد ہی اپنی ہوتی ہے۔ اور سیما! بیٹا تم نے بھی تو آتے ہی اس کے ساتھ بیر باندھ لیا۔ ماں کو بھی ناراض کر دیا دو چار دن کی بات تھی۔ تم نے اسے اپنے کمرے میں بھی نہیں ٹھہرایا۔ اس پرائی لڑکی کے سامنے ستارہ بی بی کو کتنی شرمندگی ہوئی ہو گی کہ ان کی اولاد ان کی اتنی سی بات نہیں مانتی۔ اوپر سے

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

اس کے بستر پر پانی پھینک آئی ہو۔"
"تو میں نے بدلہ نہیں لینا تھا۔"
"تمہارے اس بدلے نے ستارہ بی بی کو تو شرمندہ کروادیا نا۔ وہ لڑکی کیا کہتی ہوگی۔ ستارہ نے اپنی بیٹی کی ایسی تربیت کی ہے۔"
بوا کی بات دل کو لگی مگر اپنی جھنجلاہٹ سے چھپالیا۔
"مگر وہ یہاں آئی کیوں ہے؟"
"اب آ ہی گئی ہے تو کچھ دن برداشت کرلو۔ شوق اٹھا ہوگا کہ خالہ کا گھر دیکھنا ہے۔ ایک آدھ دن میں واپس چلی جائے گی۔ کیا لوگوں کے رشتے دار رہنے نہیں آتے۔" انہوں نے رسانیت سے سمجھایا۔
"ہمارے تو نہیں آتے تھے....." وہ منہ پھلا کر بولی۔
"اچھا ہی ہوا جو نہیں آتے تھے..... یہی سب ہوتا۔" بوا زچ ہو کر اٹھ گئیں۔
"بھیا میں تو جا رہی ہوں سونے۔ اب تمہارے ساتھ ساری رات دماغ تو نہیں کھپا سکتی۔"
بوا کے جانے کے بعد وہ بہت دیر تک کروٹیں بدلتی رہی۔
کیا میں اوور ری ایکٹ کر گئی تھی۔ ایسا تو کبھی نہیں ہوا تھا کہ ماں سے ناراض ہو کر سو گئی ہو۔ ہمیشہ غصہ ٹھنڈا ہونے پر ان کے بستر میں گھس جاتی۔
"مجھے زوباریہ کی وجہ سے اماں کو ناراض نہیں کرنا چاہیے تھا۔"
کچھ ہی دیر میں وہ ان کے کمرے کے سامنے کھڑی تھی۔
"ٹھیک ہے اماں! آپ کی خاطر میں کچھ دن کے لیے زوباریہ کو برداشت کرلوں گی۔ ناب گھما کر اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا۔ ستارہ کروٹ کے بل لیٹی تھیں۔ وہ ذرا آگے ہوئی اور ششدر سی کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔
زوباریہ ستارہ سے لپٹ کر سو رہی تھی۔
سیماب کو افسوس ہوا اسے زوباریہ کے بیڈ پر پانی نہیں پھینکنا چاہیے تھا۔ اسے تو زوباریہ پر پانی پھینکنا چاہیے تھا اور دھکے دے کر گھر سے بھی نکال دینا چاہیے تھا۔

☆☆☆

دوپہر کا وقت تھا۔ روشانے کمرے سے باہر آئی کہ ساجدہ سے دوپہر کے کھانے کا پوچھ لے۔
لاؤنج میں کاؤچ پر لیٹے زبیر صاحب کو دیکھ کر پریشان ہوگئی۔
"تایا ابو کیا ہوا آپ کی طبیعت ٹھیک ہے۔"
زبیر صاحب نے آنکھوں سے ہاتھ ہٹا کر اسے شفقت سے دیکھا۔
"ہاں بھئی، میں ٹھیک ہوں۔"
"آپ کو اس طرح بے وقت لیٹے کبھی دیکھا نہیں تو پریشان ہوگئی تھی۔"
"بس یونہی سستی ہوگئی تھی۔ یہ بتاؤ دانیال کا رویہ تو تمہارے ساتھ ٹھیک ہے نا۔" انہیں اپنی سعادت مند بہو بہت پیاری تھی۔ روشانے شرما سی گئی۔ جب سے ڈاکٹر نے خوش خبری سنائی تھی۔ دانیال اس کا بہت خیال رکھتا تھا۔
"جی ٹھیک ہے۔"
"زیبی سے بات ہوتی ہے۔"

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

"نہیں۔" وہ سر جھکا گئی۔
"تم کرلیا کرو۔ کبھی کبھار چکے سے۔" زبیر کی بات پر روشانے نے حیرت سے ان کا چہرہ دیکھا۔ وہ مسکرائے۔ کہنے تو کچھ اور لگے تھے۔ مگر ساجدہ کو آتے دیکھ کر بات بدل گئے۔ جو ہاتھ میں کٹوری پکڑے انہی کی طرف آرہی تھی۔ خوشبو بتا رہی تھی کہ دیسی گھی میں بادام جلائے گئے تھے۔
"اور اپنا بھی خیال رکھا کرو۔ کیسی پیلی رنگت ہو رہی ہے۔ تمہاری ساس کو تو پرواہ ہی نہیں، سارے گھر کا کام کرواتی ہیں۔"
"ہاں..... اب تایا بھتیجی مل کر میرے خلاف باتیں کریں۔"
"تائی امی..... میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔" روشانے نے آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ سے کٹوری لی۔
"کہنے کے لیے تو یہ اکیلے ہی کافی ہیں۔ باقی کسر ان کا بیٹا پوری کر دیتا ہے۔ میری تو پہلے بھی بیٹی تھی اب بھی بیٹی ہے۔" وہ تخت پر بیٹھ گئیں۔
"ہماری زوجہ نے تو کوزے میں دریا بند کر دیا ہے۔" زبیر صاحب کھڑے ہو گئے۔
"کہاں جا رہے ہیں؟"
"سرمد کے پاس۔"
"چلیں ٹھیک ہے کھیر بنائی ہے۔ وہیں بھجوا دوں گی۔"
"ہاں بھجوا دینا۔"
"تائی جان! آپ نے کیوں بنائی ہے۔ مجھے کہہ دیتیں۔"
"ہر کام تمہیں کہوں گی تو خود جوڑوں کی مریضہ بن کر نہ بیٹھ جاؤں گی۔ تم آؤ۔ سر میں مالش کروالو۔ اس سے بال مضبوط ہوں گے اور چھلے کے بعد جھڑیں گے بھی نہیں۔"
ان کے پاس اپنے ٹوٹکے تھے۔ جس پر روشانے کو کوئی اعتراض نہ تھا۔
(زیبی ہوتی تو اس کی بو سے ویسے ہی بھاگ جاتی)
تائی کے سامنے بیٹھ کر بال کھولتے روشانے نے چپکے سے سوچا۔

☆☆☆

بوا جی ناشتے کی میز پر چائے کی چینک رکھ رہی تھیں۔ میز پر چیز آملیٹ بریڈ، جیم، سب ہی لوازمات موجود تھے۔ ستارہ بھی آفس جانے کے لیے تیار ہو کر آ بیٹھیں۔
"آجاؤ سیما گڑیا ناشتہ تیار ہے....." بوا جی نے پکارا۔
ستارہ نے مڑ کر دیکھا۔ سیما ب منہ پھلائے اسکول جانے کے لیے تیار تھی۔ موڈ خراب نہیں، بہت خراب تھا۔
"میری وین آگئی ہے۔"
وہ نروٹھے پن سے کہہ کر نکل گئی۔ ستارہ نے پکارا بھی۔ بوا افراتفری میں دو سلائس میں آملیٹ رکھ کر اس کے پیچھے بھی بھاگیں۔ مگر وین سچ میں آگئی تھی۔ وہ بوا کے ہاتھ سے ناشتہ لیے بغیر ہی وین میں سوار ہو گئی۔ بوا دل مسوس کر واپس آئیں اور سلائس پلیٹ میں رکھ دیے۔
"جائیں..... زوباریہ کو بلا لائیں۔"
بوا نے بے حد ناراضی سے ستارہ کو دیکھا۔
"بٹیا، بھوکی اسکول چلی گئیں اور آپ کو زوباریہ کی پڑی ہے۔ یہ ٹھیک نہیں ہے بی بی آپ کو سیمی کے ساتھ یہ

Waqar Azeem www.Pakistanipoint.com

رویہ نہیں رکھنا چاہیے۔"
"بوا..... وہ مجھے بہت شرمندہ کروا رہی ہے۔ اس کی حرکتیں تو دیکھیں۔ زیبی میرے بارے میں کیا سوچتی ہوگی۔ وہ وہاں اتنے مشکل حالات سے گزر کر آئی ہے اور اسے یہاں بھی سکون نصیب نہیں۔"
"کیا ہوا؟" بوا چونکیں۔
"بس ایک نادانی گلے پڑ گئی۔" ستارہ کو عادت تھی۔ بوا سے ہر بات شیئر کرنے کی۔ کچھ وہ چاہتی تھیں کہ بوا زوباریہ کا بہت خیال رکھیں۔ بوا کی آنکھیں کھلتی چلی گئیں۔
"اور پلیز اس بات کا ذکر کسی بھی صورت نہ سیماب کے سامنے کرنا ہے اور نہ زوباریہ کے سامنے۔"
انہوں نے سختی سے منع کیا۔ ناشتہ ختم کر کے زوباریہ کے کمرے میں جھانکا۔ بوا کو میٹرس دھوپ میں ڈالنے کا کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئیں۔ زوباریہ جاگ رہی تھی۔
"بیٹا ناشتہ کر کے بوا کی ہیلپ کروانا۔ تمہارا سامان بھی ویسے کا ویسا پیک ہے اسے کھول کر الماری سیٹ کرا لینا۔"
"کیا پتا خالہ پھر سے پیک کرنا پڑ جائے۔" زوباریہ کے منہ بے ساختہ نکل گیا۔
"تم سیماب کی وجہ سے شرمندہ ہو؟ پتا نہیں اسے کیا ہو گیا ہے اتنی ضدی تو نہیں تھی۔" ستارہ شرمندہ سی ہو کر وضاحت کرنے لگیں۔
"میں بھی ایسے ہی نخرے دکھایا کرتی تھی۔ جب تک میری بات نہ مانی جاتی۔ ضد نہیں چھوڑتی تھی۔ تایا ابو کو بھی ڈانٹ دیتے تھے۔ اور ابو....." وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولتی چلی گئی۔ اور لفظ ابو پر جا کر اٹک گئی۔
"اداس ہو رہی ہو گھر بات کرواؤں۔" ستارہ نے شفقت بھرے لہجے میں پوچھا۔
"رہنے دیں خالہ۔" زوباریہ کے لہجے میں ہلکی سی تلخی در آئی۔
"وہ مجھے کبھی معاف نہیں کریں گے۔"
"سب ٹھیک ہو جائے گا میری جان۔ جب ہمیں لگتا ہے۔ کہ تقدیر سارے راستے بند کر رہی ہے تو ایسا نہیں ہوتا۔ دراصل قسمت ہمارے لیے نئے راستے کھول رہی ہوتی ہے۔" انہوں نے رسانیت سے سمجھایا۔
"کیسی عجیب بات ہے نا خالہ! ہم دونوں نے غلطی کی تھی مطلب میں نے اور صائم نے۔ صائم کے گھر والوں نے اسے معاف کر کے گلے سے لگا لیا۔ یوں اس کی چھپر چھایہ بن گئے کہ کوئی تپتی دھوپ اس تک نہ آئے۔ وہی سب میں نے کیا تو میرے گھر والوں نے میرے سر سے چھت بھی چھین لی۔"
"بیٹیوں کی عزت کا معاملہ زیادہ نازک ہوتا ہے۔ اسی لیے تو انہیں زیادہ احتیاط کرنی چاہیے۔" تبھی بوا اندر آ گئیں۔
"بی بی! انہیں ہم سمجھا دیں گے۔ آپ کی گاڑی آ گئی ہے۔"
"ٹھیک ہے۔ بیٹا! میں چلتی ہوں۔ بوا جی زوباریہ کا خیال رکھیے گا۔" ستارہ اسے پیار کر کے چلی گئیں۔ بوا نے مڑ کر زوباریہ کو دیکھا اور جن نظروں سے دیکھا زوباریہ پزل سی ہو گئی۔
"دیکھو بیٹا! میں کرتی ہوں صاف اور سیدھی بات۔ یہ آج کل کی مینڈکیوں کو بڑا ہی زکام ہو گیا کہ جی مرد و عورت برابر ہیں۔ اب ایک بات تو بتاؤ۔ زنا مرد اور عورت دونوں کرتے ہیں۔ اللہ نے دونوں کے لیے رکھی ایک سی سزا۔ مگر فرق کہاں پڑا..... مرد تو گھر گیا..... نہایا دھویا اور کنوارہ..... بچہ کس نے پیدا کیا۔ عورت نے..... بوجھ کس نے اٹھایا عورت نے..... معاشرے کا جبر کس پر آیا۔ عورت پر..... سب سے زیادہ نقصان کس کا ہوا۔ عورت کا..... اتنی سی بات عورت کی سمجھ میں نہیں آتی۔ ان کنواری محبتوں کا نقصان عورت کو ہوتا ہے مرد کو نہیں۔"

زوباریہ کے کانوں سے دھواں نکلنے لگا۔
ایک معصوم سی محبت کرنے کا جرم سرزد ہوا تھا اور یہاں دنیا سنگسار کرنے پر تل گئی تھی۔ اس کی پیلی پڑتی رنگت اور کانپتے لبوں نے بوا کو احساس دلایا۔ کہ جوش خطابت میں کچھ زیادہ کہہ گئی ہیں۔ تو فوراً پینترا بدل کر ناشتے کے لوازمات گنوانے لگیں۔ مگر اب زوباریہ کے حلق سے نوالہ اترتا بھی تو کیسے۔
لوگ کس کس زاویے سے سوچتے ہیں۔ اسے اب احساس ہوا تھا۔

☆☆☆

ستارہ بینک میں بھی پریشان ہی رہیں۔ دوپہر کے بعد بواجی کو فون کر لیا۔
''آ گئی ہے..... اور آتے ہی کمرے میں بند ہو گئی۔ کہتی ہے برگر کھا کر آئی ہوں۔''
''اور زوباریہ؟''
''وہ بھی اپنے کمرے میں بند ہے نکلی ہی نہیں۔'' بوا نے بے زاری سے بتایا۔ ''اچھا بھلا گھر کا ماحول خراب کر کے رکھ دیا ہے۔ اس کے ماں باپ زندہ تھے خود ہی سنبھال لیتے۔''
''آپ نے وہاں اس بچی کی حالت نہیں دیکھی تھی۔''
''اب غلطی کی تھی تو بھگتے گی بھی۔ اور سچ پوچھیں تو آپ کو ایک بار بھی خیال نہ آیا کہ گھر میں اپنی بیٹی موجود ہے۔ وہ کیا اثر لے گی۔ صحبت کا بہت اثر ہوتا ہے ستارہ بی بی۔''
ستارہ کو شدت سے احساس ہوا کہ انہوں نے بوا سے یہ سب کہہ کر بہت بڑی غلطی کی ہے۔
''اس سے ایک بار غلطی ہوئی تو کیا ساری زندگی یہی کرے گی۔'' ستارہ نے ناگواری سے ٹوکا۔
''آپ کی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں بی بی۔ دل دماغ میں کجی ہوتی ہے تبھی تو غلط قدم اٹھتے ہیں۔''
''خدا کا واسطہ ہے بواجی۔ ایسی کوئی بھی بات سیماب کے سامنے مت کہیے گا۔ میں تو آپ سے کہہ کر پچھتائی ہوں۔'' ستارہ نے زچ ہو کر کال کاٹ دی۔
''لو میں کیا بے وقوف ہوں۔ ایسی بے شرمی کی باتیں بٹیا کے سامنے کروں گی۔'' انہوں نے بڑبڑاتے ہوئے ریسیور رکھا۔
''کیسی باتیں؟''
سیماب کی آواز پر ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اچھی طرح جانتی تھیں اگر اس نے باتیں سن لی ہیں تو اب وہ بات کی کھال اتارے بغیر نہیں رہے گی۔

☆☆☆

زوباریہ، بوا اور ستارہ کھانے کی میز پر موجود تھیں۔ اب زوباریہ موجود تھی تو سیماب کا آنا ویسے ہی ممکن نہ تھا۔ دنیا کی ہر نعمت زوباریہ کے سامنے تھی مگر نہ بھوک لگتی۔ اور نہ کھانے کی اشتہا پیدا ہوتی۔
''بواجی سیماب کو کھانا دے آئیں۔ میز پر نہیں آئے گی۔'' بیٹی کے بغیر ستارہ کے حلق سے نوالہ کہاں اترتا تھا۔
''کیوں میں کمرے میں کیوں کھاؤں سب کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتی۔'' فریش سی سیماب اچانک وارد ہوئی۔
ستارہ نے سکون کا سانس لیا۔ بوا جلدی جلدی اس کے سامنے چیزیں رکھنے لگیں۔
''کیسی ہو زیبی؟ اس کے دوستانہ انداز سے پوچھنے پر زیبی جواب دینا ہی بھول گئی۔ آج نجانے کیسی کایا پلٹی تھی۔ ستارہ سیماب کے انداز پر دل ہی دل میں خوش ہو گئیں۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

''واہ چائنیز رائس، اماں آپ نے بنائے ہیں۔''
''اور کون بنائے گا۔'' بوا نے جلدی سے اس کی پلیٹ میں چاول ڈالے۔
''اسکول کیسا جا رہا ہے۔'' سب سکون اور رغبت سے کھانا کھا رہے تھے۔ ایک مکمل فیملی کا منظر..... ہلکی پھلکی باتیں مسکراہٹیں۔
''زبردست! بس میری ایک کلاس فیلو بہت ڈسٹرب ہے۔'' ٹیچرز کے بعد وہ اب کلاس فیلوز کے قصے سنانے لگی تھی۔
''خیریت؟'' ستارہ نے ایک کباب سیماب کی اور دوسرا زوباریہ کی پلیٹ میں رکھا۔
''اس کی بہن گھر سے بھاگ گئی ہے۔'' زوباریہ کے ہاتھ سے نوالہ چھوٹ گیا۔
بوا نے گھبرا کر ستارہ کو دیکھا اور ستارہ نے شا کی نظروں سے بوا کو۔ بوا نظریں چرا گئیں۔ سیماب نے نجانے کون کون سی قسمیں دے کر ان سے سب اگلوا لیا تھا۔
''کسی لڑکے کے ساتھ بھاگ گئی۔''
''کیوں فضول باتیں کر رہی ہو۔'' ستارہ نے تحمل اور نرمی سے ٹوکا۔
''آئی سوئیر تین چار دن ہو گئے ہیں۔ میری اسکول فیلو تو اسکول بھی نہیں آ رہی۔ سب اتنی فضول باتیں کر رہے ہیں۔ اور وہ بچاری شرمندہ ہوتی رہتی ہے اور پتا ہے اس کے ابو تو ہاسپٹل پہنچ گئے اور.....''
''سیماب بٹیا کھانا کھاؤ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔'' بوا نے گھبرا کر ٹوکا۔
''زیبی کو بھی دیں نا۔ یہ تو کچھ کھا ہی نہیں رہی۔'' سیماب نے معصوم بن کر ہمدردی سے زیبی کو دیکھا۔ زیبی نے کانپتے ہاتھ سے پانی کا گلاس اٹھا کر منہ سے لگایا۔
''اماں، گھر سے بھاگنا بری بات ہوتی ہے نا۔''
''خاموشی سے کھانا کھائیں۔ کھانے کی میز پر ایسی باتیں ڈسکس نہیں کرتے۔''
ستارہ کی سمجھ میں نہ آیا کہ سیماب کی بولتی کیسے بند کریں۔ بوا الگ چوری سی بن بیٹھی تھیں۔ سیماب سر ہلا کر پلیٹ پر جھک گئی۔ مگر بولنے سے باز نہیں آئی۔
''گھر سے بھاگنے والی لڑکیاں بہت خراب ہوتی ہیں۔'' یہ تبصرہ تھا جس کے بعد زوباریہ کے لیے وہاں بیٹھنا دوبھر ہو گیا۔ وہ تیزی سے اٹھ کر چلی گئی۔
''اُف سیماب۔'' ستارہ کا ضبط جواب دے گیا۔
''اس کو کیا ہوا، میں نے اس کو تو کچھ نہیں کہا۔'' سیماب کے چہرے پر معصومیت کا تاثر اتنا گہرا تھا کہ ستارہ کا پارہ اور چڑھ گیا۔
''مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوئی بوا جی..... جو آپ سے وہ سب کہہ بیٹھی۔''
''کون سی بات اور آپ کو ہوا کیا ہے۔ اسکول میں ایک بات ہوئی تو میں نے آپ سے ڈسکس کر لی آپ خود ہی تو کہتی ہیں۔ اسکول میں ہونے والی ہر بات آپ کو بتایا کروں؟''
''بس کرو سیماب بہت ہو گیا یہ معصومیت کا ڈرامہ۔'' ستارہ غصے سے میز سے اٹھ گئیں بوا نے شا کی نظروں سے سیماب کو دیکھا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔
''کیوں پریشان ہو رہی ہیں۔ جا کر اپنی مہمان کو دیکھیں..... بس چند دن ٹکیں گی۔ پھر دیکھئے گا کیسے بھگاتی ہوں۔'' بوا بے بسی سے برتن سمیٹنے لگی۔ سیماب سے کچھ بھی کہنا بے کار ہی تھا۔

☆☆☆

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

زوباریہ کو لگ رہا تھا اس کا سانس رک رہا تھا..... اسے رونا نہیں آ رہا تھا۔ مگر بے بسی کی کیفیت بڑھتی جا رہی تھی۔

وہ کون تھی؟ اس کا تعارف کیا تھا؟

بس چند دنوں میں اس کا نام خاندان، کردار سب بدل گیا تھا۔ بس باقی رہا تو ایک تعارف..... گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی۔

آوارہ..... بدکردار۔

کسی کو اس کی پاکیزگی پر اعتبار نہ تھا۔

سب کی نظروں میں اس کے لیے شکوک کے کوڑیالے سانپ پھنکارتے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ یہ معاشرہ لڑکوں کو معاف کر دیتا تھا۔ یہ معاشرہ لڑکیوں کو کبھی معاف نہیں کرتا۔

اس کے اردگرد دیواریں سکڑنے لگیں۔

زوباریہ نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اردگرد دیکھا۔ پھر دونوں ہاتھ پھیلا کر ان دیواروں کو خود سے دور رکھنے کی سعی کی۔ دروازے کھڑکیاں بند تھیں۔ کہیں سے آکسیجن نہیں آ رہی تھی۔ وہ زور لگاتے لگاتے تھک گئی تو منہ کے بل گری۔

اس نے کسی کو پکارنا چاہا۔ مگر آواز حلق میں گھٹ کر رہ گئی۔

☆☆☆

سیماب کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ایمبولینس کا آنا..... اس میں بے ہوش زوباریہ کا جانا..... ستارہ کے ہاتھ پیر پھولے تھے۔ ایمبولنس آنے تک وہ بس بولتی رہیں اور زوباریہ کو ہوش میں لانے کی سعی کرتی رہیں۔ انہوں نے نہ بوا کو پاس آنے دیا نہ سیماب کو۔

''یہ سب آپ لوگوں کی وجہ سے ہوا ہے۔ انتہائی گھٹیا اور شرمناک حرکت ہے۔ ٹھیک ہے تم نہیں چاہتیں کہ وہ یہاں رہے۔ اگر زندہ بچ گئی تو واپس بھیج دوں گی۔ اگر زوباریہ کو وہی باتیں یہاں بھی سننی ہیں تو کیا فائدہ۔''

سیماب نے ماتھے پر آیا پسینہ صاف کیا۔

بوا شدومد سے تسبیحات اور دعاؤں میں مصروف تھیں۔ کبھی کبھی ان کی آواز بلند ہو جاتی۔

''یا اللہ! اسے اپنی امان میں رکھنا۔ اگر اسے کچھ ہو گیا تو ستارہ بی بی اس کے گھر والوں کو کیا جواب دیں گی۔''

''بوا! اماں کی کال آئی تھی انہوں نے کیا بتایا؟'' سیماب نے گھبرا کر پکار لیا۔

''جب سے گئی ہے۔ کوئی کال نہیں آئی۔''

''یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔'' سیماب اضطراری انداز میں انگلیاں چٹخانے لگی۔

''کیا پتا تھا یہ سب ہو جائے گا۔ ہائے ہائے یہ کچی عمر کی نادانیاں بھی کیا کیا رنگ دکھاتی ہیں۔'' انہوں نے تاسف سے ہاتھ مسلے۔

''اماں کو بھی تنگ کیا۔ زیبی کو بھی اتنی ٹنشن دی اور اماں کہتی ہیں۔ جب ہماری وجہ سے کسی کو تکلیف ہوتی ہے تو اللہ ہمیں کبھی معاف نہیں کرتا..... اگر زوباریہ کو کچھ ہو جاتا۔ اگر وہ مر گئی۔'' اس نے لرز کر دونوں ہاتھ منہ پر رکھ لیے۔

''اللہ نہ کرے، وہم مت کرو۔ وہ ٹھیک ہو جائے گی۔'' بوا نے بے ساختہ ٹوکا۔

''نہیں اللہ میاں جی، آئی ایم سوری اسے کچھ نہ ہو۔ زوباریہ کو کچھ نہ ہو۔ میری وجہ سے تو بالکل نہ ہو۔ میں اس سے اور اماں سے معافی بھی مانگ لوں گی۔''

www.paksociety.com

سیماب دل ہی دل میں گڑگڑانے لگی۔ اس کی ساری نفرت اور بے زاری اس خوف کے ہاتھوں شکست کھا گئی تھی کہ اگر اس کی وجہ سے زوباریہ کو کچھ ہوا تو اللہ تعالیٰ اسے کبھی معاف نہیں کریں گے۔

☆☆☆

سرمد نے ایک دم بے چین ہو کر اٹھنے کی کوشش کی تو ثمینہ کی بھی آنکھ کھل گئی۔

''کیا ہوا.....؟''

کچھ بھی بولے بغیر وہ اٹھنے کی سعی کرتے رہے۔ ثمینہ نے بمشکل انہیں سہارا دے کر سیدھا کر کے عقب میں تکیے ٹکائے۔ پھر پانی کا گلاس دیا۔

''زیبی آئی تھی۔''

ثمینہ نے خاموشی سے پانی کا گلاس ان کے لبوں سے لگا دیا۔ وہ جان گئی تھیں۔ کس خیال کی آہٹ سے ان کی نیند ٹوٹی تھی۔

دو گھونٹ پانی کے لے کے سرمد صاحب اپنے حواسوں میں آئے۔

''تم.....ہاری اس سے بات ہوئی۔''

''بار بار بات کروں گی تو اس کا دل کیسے لگے گا۔'' ثمینہ نے گلاس واپس رکھا۔

''وہ.....وہ واپس کب آئے گی؟'' جب یہاں تھی روز معافی مانگتی تھی اور وہ منہ پھیر لیتے تھے۔ ثمینہ کی آنکھیں بھر آئیں۔ خود کو کتنا بھی پتھر کر لیں۔ دھیان میں تو رہتی تھی۔

''ابھی تو گئی ہے سرمد صاحب.....'' انہوں نے پھر سے آنسو پی لیے تھے۔

☆☆☆

ستارہ کی دعائیں مستجاب ہوئی تھیں۔ زیبی کو ہوش آ گیا تھا۔ ڈاکٹر نے کہا اگر وہ اسی طرح ذہنی دباؤ کا شکار رہی تو نروس بریک ڈاؤن ہو جائے گا۔ اسی شام بوا کے ساتھ سیماب بہت سے پھول لے کر آ گئی۔ وہ زوباریہ سے شرمندہ تھی۔

''آئی ایم سوری، تم میری وجہ سے ہرٹ ہوئیں۔'' زیبی خاموشی سے اس کی شکل دیکھتی رہی۔

''زیبی! کیا ہم فرینڈز بن سکتے ہیں۔'' سیماب نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔

جسے زیبی نے بغیر کسی فیلنگز کے تھام لیا۔ مگر سیماب خوش ہو گئی۔

''تم جلدی سے ٹھیک ہو کر گھر آ جاؤ، پھر ہم مل کر chill کریں گے۔ تم چاہو تو میرا روم بھی شیئر کر لینا۔''

ستارہ مسکرا دیں۔ وہ محبت ہو تو بے حد ہو، نفرت ہو تو بے پایاں والا مزاج رکھتی تھی۔

''سیماب اب بس کرو۔ زیبی کو آرام کرنے دو۔'' سیماب اسے لے کر باہر آ گئیں۔

''اماں! اب تو آپ مجھ سے ناراض نہیں ہیں۔'' سیماب کے معصومیت سے پوچھنے پر ستارہ نے پیار سے اس کا گال تھپتھپایا۔

''جب میں نے زوباریہ کو اس حال میں دیکھا تو سب سے پہلا خیال تمہارا آیا تھا۔ میں نے سوچا اگر تم سے کوئی غلطی ہو جائے تو کیا میں بھی تمہارے ساتھ وہی کروں گی جو زوباریہ کے گھر والے کر رہے ہیں۔''

''اماں! میں ایسی غلطی کیوں کروں گی؟''

''ہاں، تم بھی ویسا مت کرنا' تمہارے دل میں جو بھی بات ہو' مجھ سے شیئر کرنا لیکن ہم زوباریہ کو اس حال میں نہیں چھوڑ سکتے۔ غلطی ہونے کا مطلب یہ تو نہیں کہ اس پر آگے بڑھنے کے سارے راستے بند ہو گئے ہیں۔ وہ پھر سے اپنی لائف کو جاری رکھ سکتی ہے اور یہ سب وہ ہماری مدد کے بغیر نہیں کر سکتی۔''

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔''
''اور ایک بات ہمیشہ رکھنا' کوئی بھی آ جائے' تمہاری جگہ نہیں لے سکتا۔ تم تو میری لائف لائن ہو۔'' انہوں نے ساتھ لگا کر پیشانی چوم لی تو سیماب کھل کر مسکرا دی۔
''چلیں ٹھیک ہے۔ زوباریہ کب تک ڈسچارج ہو جائے گی۔ مجھے جا کر تیاریاں کرنی ہیں۔ اسے پھر سے ویلکم کہنا ہے۔''
''جاؤ پھر جا کر تیاریاں کرو۔ میں اسے لے کر آ رہی ہوں۔'' سیماب ہنس دیں۔

☆☆☆

پورا کمرہ پھولوں..... بھالو اور ویلکم ہوم سے بھرا تھا۔ زوباریہ دروازے میں ہی رک گئی۔ وہ تو سارے رنگوں اور خوشیوں کو زندگی سے نکال چکی تھی۔ پھر یہ کون تھا جو اسے دوبارہ ان رنگوں سے روشناس کروا رہا تھا۔
''میں نے کہا تھا' وہ ایسی ہی ہے۔ دل میں کینہ نہیں رکھتی' ناراض تھی..... وہ بھی تم سے نہیں..... مجھ سے۔ ناراضی دور ہوئی تو سب ٹھیک ہو گیا۔'' ستارہ نے مسکراتے ہوئے بتایا۔
''اس سب کی ضرورت نہیں تھی۔'' زوباریہ کو اتنے پھول دیکھ کر الجھن ہونے لگی۔
''مجھے تو تھی نا.....'' سیماب ہنستے ہوئے اندر داخل ہوئی۔ ''کیسا لگا سرپرائز.....''
''بہت اچھا۔'' وہ سیماب کا دل رکھنے کو بولی۔
''اچھا بھئی' تم دونوں فرینڈز باتیں کرو لیکن سیماب خیال رکھنا۔ زوباریہ تھکی ہوئی ہے۔ اسے ریسٹ کرنا ہے۔''
''فکر نہ کریں' ریسٹ ہی کرے گی۔'' وہ زوباریہ کا ہاتھ پکڑ کر بیڈ تک لے آئی۔
اگلے چند دنوں میں دونوں کی دوستی خوب پروان چڑھی مگر دوست صرف سیماب کو ملی تھی۔ وہ خود ہی بولتی جاتی' زوباریہ سنتے ہوئے سر ہلا دیتی۔ اسے نہ دوستی کی ضرورت محسوس ہوتی تھی نہ محبت کی..... وہ جیسے بے حس ہوتی جا رہی تھی مگر اتنا تھا کہ سیماب کی باتوں میں وقت کٹنے لگا تھا۔
گھر میں بلا کی خاموشی تھی۔
پھر لاؤنج میں ٹی وی چلنے کی آواز آنے لگی تو زوباریہ بھی کمرے سے باہر نکل آئی۔ بوا ڈرامہ دیکھتے ہوئے مٹر چھلنے میں منہمک تھیں۔ وہ خاموشی سے آ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔
''میں آپ کی ہیلپ کروا دوں۔''
''ارے نہیں۔ تم بس بیٹھ کر میرے ساتھ ڈرامہ دیکھو..... بس میرے پاس تو یہی وقت ہوتا ہے' اسکول سے آ کر تو چھوٹی بی بی جان ہی نہیں چھوڑتیں۔''
''جی.....''
''آج مٹر پلاؤ بناؤں گی۔ ان بریانی' چائنیز کے چکروں میں تو مٹر پلاؤ کی خوشبو ہی بھول گئی تھی۔ کھا لیتی ہو نا؟''
زوباریہ کو روشانے کے ہاتھ کا بنا پلاؤ یاد آ گیا۔ اس کا ذائقہ جیسے لبوں پر تازہ ہو گیا تھا۔ اس کی خاموشی پر بوا نے گردن موڑ کر اسے دیکھا..... کیسی نوخیز سی نوجوانی تھی مگر کملائی' مرجھائی.....
(ابھی عمر ہی کیا ہے؟ نجانے کس کمبخت کی باتوں میں آ گئی کہ پاداش میں دیس نکالا ہی مل گیا۔ رشتے بھی گئے' شہر بھی چھوٹا..... بالی سی عمر میں کیسا روگ آ لگا ہے)
''مجھے بھی پلاؤ بنانا سکھائیں۔'' ان کی نظروں سے گھبرا کر زوباریہ بول اٹھی۔ پھر ان کے ساتھ لگ کر

Waqar Azeem Pakistani Point.com

زوباریہ نے پلاؤ بنایا۔ رائتہ' سلاد..... پھر ٹیبل سیٹ کی۔
''جاؤ' اپنی خالہ کو بلا لاؤ۔ سیماب بھی آتی ہوگی۔''
سیماب ٹیوشن پڑھنے گئی تھی۔ زوباریہ ستارہ کے کمرے میں آ گئی۔ وہ قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھیں۔ زوباریہ خاموشی سے بیٹھ کر انہیں دیکھنے لگی' ان کی آواز مدھم اور خوب صورت تھی۔ اس کی موجودگی محسوس کر کے ستارہ نے تلاوت مختصر کر کے قرآن پاک جزدان میں لپیٹ دیا۔
''آپ بہت اچھی تلاوت کرتی ہیں۔ امی بھی ایسے ہی پڑھتی تھیں۔''
''تم بھی پڑھا کرو۔ بہت سکون ملتا ہے۔ اندھیروں میں روشنی نظر آتی ہے۔ بند راستے کھلنے لگتے ہیں۔''
''میں تو گناہ گار ہوں۔ بہت زیادہ.....''
''کیا بے وقوفوں والی بات ہے۔ ہمیں لگتا ہے کہ اللہ نے ہمیں چھوڑ دیا ہے' نہیں..... سچ تو یہ ہے کہ ہم اپنے پیدا کرنے والے کو بھول جاتے ہیں۔ زوباریہ اسے یاد کیا کرو' اس سے اپنی تکلیفیں کہا کرو' وہی تمہاری تکلیف دور کرے گا اور وہی تمہیں بہتر سے بہتر عطا کرے گا۔''
وہ نرمی اور رسانیت سے سمجھاتی چلی گئیں۔ مگر وہ کیا کرتی؟ نہ صائم دل سے نکلتا تھا نہ گھر والے..... اور دونوں ہی اس سے نفرت کرنے لگے تھے۔
''ہر چیز کے لیے ضد اچھی نہیں ہوتی بیٹا! وقت کو فیصلہ کرنے دو۔ صائم کو تم سے محبت ہوئی تو وہ لوٹ کر تم تک آئے گا۔ گھر والے کب تک ناراض رہیں گے۔ اللہ کے ساتھ ضد کرنا چھوڑ دو۔ اس کی رضا میں راضی ہو جاؤ۔ وہ بہتر جانتا ہے کہ ہمیں کہاں اور کس مقام پر رکھنا ہے۔''
''کیا چل رہا ہے؟'' ہاتھوں میں بہت سے پھول پکڑے سیماب چلی آئی۔ ستارہ نے ناراضی سے اسے دیکھا۔
''تم پھر محمود صاحب کے ہاں سے پھول توڑ لائی ہو؟''
''تو کیا ہوا؟ اتنے سے پھول توڑنے سے ان کے باغیچے میں کیا کمی آئے گی۔''
''کسی دن ان کے ہاتھ لگ گئیں تو حشر کر دیں گے۔ آتے جاتے بوا سے تمہاری شکایتیں کرتے ہیں۔''
''انہیں عادت ہے شکایت لگانے کی۔ اب کھانا بھی دے دیں۔''
(پتا نہیں اس بار کسی نے سفید پھول اگائے ہوں گے یا نہیں)
سیماب سارے پھول میز پر رکھ کر چلی گئی تھی۔
زوباریہ نے لاشعوری طور پر ان میں سے سفید پھول اٹھا لیا۔
ستارہ نے بغور اس کی اس حرکت کو دیکھا۔
''سفید پھول وہیں کھلنے لگیں گے جہاں تم موجود ہو۔''
زوباریہ ان کی آواز پر سن سی ہو گئی۔
''جانتی ہو' ہمارا وقت کب شروع ہوتا ہے؟''
زوباریہ نے سوالیہ نظروں سے اس مہربان عورت کو دیکھا۔
''جب ہم خود اپنے آپ کو معاف کر دیتے ہیں۔ خود کو معاف کر دو زوباریہ! پیچھے مڑ کر دیکھنا بند کر دو۔''
وہ نرمی سے کہہ کر چلی گئیں۔ زوباریہ خاموشی سے ہاتھ میں پکڑے پھول کو دیکھتی رہی۔

☆☆☆

صبح سے وہ گملے پینٹ کرنے میں لگی تھی۔ کرسی پر جھولتی چاکلیٹ کھاتے سیماب اسے دیکھ دیکھ کر ہی بے زار

Waqar Azeem Pakistanipoint.com
www.pakistanipoint.com

ہونے لگی۔
"تم گھر میں بھی اتنے ہی کام کرتی تھیں۔"
"وہاں تو اتنے سارے لوگ تھے' مجھے تو کچھ کرنا ہی نہیں پڑتا تھا۔ باتوں' شرارتوں میں سارا وقت گزر جاتا تھا۔"
"زیبی!" سیماب محتاط سے تجسس کے ساتھ آگے کو جھکی۔
"تم سے ایک بات پوچھوں۔ برا تو نہیں مانو گی۔"
"پوچھو....." زوباریہ نے مصروف سے انداز میں کہا۔
"وہ تمہیں کہاں ملا تھا؟"
زوباریہ کا ہاتھ رک گیا۔ اس نے بے حد بے یقینی سے سیماب کو دیکھا۔ اس کی روشن آنکھوں میں معصوم سا تجسس چھلک رہا تھا۔ وہ عمر کے اس حصے میں تھی جب محبت فینٹسی کے سوا کچھ نہیں ہوتی۔
"مطلب تمہاری پہلی ملاقات کیسے ہوئی؟ وہ تمہیں پہلی نظر میں ہی اچھا لگا تھا۔"
"کیا کرو گی پوچھ کر؟"
"یوں ہی پوچھ لیا۔ تم نہیں بتانا چاہتیں تو اوکے۔ لیکن اتنا تو بتا دو' کوئی اتنا اچھا کیسے لگ سکتا ہے کہ انسان اس کے لیے گھر ہی چھوڑ دے۔ واقعی محبت ایسی ہوتی ہے؟" زوباریہ مضمحل سا مسکرائی۔
بس کچھ مہینوں کا فاصلہ تھا جب وہ بھی یہی سوچا کرتی تھی کہ محبت ایسی ہوتی ہے کہ اس کے لیے گھر چھوڑا جا سکتا ہے۔
"یہ مت پوچھو کہ محبت کیسی ہوتی ہے..... بس اتنا دیکھو کہ محبت کے بعد انسان کیسا ہو جاتا ہے۔" زیبی کا ہاتھ لگنے سے رنگ نیچے گر گیا تھا۔
"اپنی ذات کے رنگوں کو اسی طرح سنبھال کر رکھنا پڑتا ہے ورنہ ذرا سی بے احتیاطی سے سارے رنگ بکھر جاتے ہیں۔"
زوباریہ کے ذہن میں یوں ہی اک خیال سا آیا تھا۔
سیماب بدمزا ہو کر دوبارہ چاکلیٹ کھانے لگی۔ پھر ہینڈز فری لگا کر اپنے پسندیدہ گانے لگا لیے۔ زوباریہ نیچے بکھرا رنگ سمیٹنے لگی جتنا سمیٹ رہی تھی اتنا رنگ بکھر رہا تھا۔ ہاتھ گندے ہو رہے تھے۔
سیماب گنگنانے لگی۔ پھر اس کی آواز بلند ہو گئی۔
زوباریہ سن سی ہو گئی' پھر اس نے بوکھلا کر سیماب کو دیکھا۔
"یہ..... یہ تم کیا گا رہی ہو؟"
سیماب کی نظر اس پر پڑی تو ایک کان سے تار ہٹا دیا۔
"یہ تم کیا سن رہی ہو؟"
"یہ کچھ عرصہ پہلے سوشل میڈیا پر ایک گانا آیا تھا۔ بہت پاپولر ہوا تھا۔ میرا تو آل ٹائم فیورٹ ہے۔"
اس نے موبائل اسکرین کا رخ زوباریہ کی طرف کیا۔
گانا ختم ہو رہا تھا۔ صائم کیمرے کی طرف فلائنگ کس اچھال رہا تھا۔
زیبی کا پورا جسم ٹھنڈا پڑ گیا۔

☆☆☆

وہ بیڈ پر اوندھے منہ پڑا تھا۔ کمرے کی نیم تاریکی اور پردے کی اوٹ سے جھانکتی دن کی روشنی میں آنکھ

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

پھولی جاری تھی۔ سائیڈ ٹیبل پر بہت سی میڈیسنز بے ترتیبی سے پڑی تھیں۔ قالین پر شیشے کا گلاس گرا تھا۔
''وہ عشق جو ہم سے روٹھ گیا.....''
اقبال بانو کی آواز اچانک ہی بلند ہوئی تو وہ کسمسایا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ گردن موڑ کر پردے کی اوٹ میں چپی کرنوں کو ڈھونڈ لیا۔ اس نے دونوں پیر قالین پر رکھے اور گھٹنے پر زور ڈال کر کھڑا ہوا۔
''اک آگ غم تنہائی کی جو سارے بدن میں پھیل گئی''
وہ دروازے کی طرف چلا تو ایک ٹانگ میں لڑکھڑاہٹ نمایاں تھی۔
وہ دروازہ کھول کر باہر آ نکلا۔
چھوٹے سے باغیچے کی کیاریوں میں بے تحاشا پھول کھلے تھے۔ بہار اپنے جوبن پر تھی۔ برامدے میں بید کی کرسیاں تھیں۔ میز پر کچھ اخبار، ادبی جرائد کے ساتھ لیپ ٹاپ کھلا تھا۔ پاس ہی چائے کے کپ پر بالائی کی تہہ جمی تھی کیونکہ سفید کرتے پائجامے میں ملبوس سرخ و سفید رنگت اور سفید جھاگ سے بالوں والے محمود صاحب اقبال بانو کی آواز کے فسوں میں پوری طرح گم ہو چکے تھے۔
صائم نے لیپ ٹاپ کا لیڈ گرا دیا۔
محمود صاحب نے چونک کر آنکھیں کھولیں اور مسکرائے۔
''تم نے تو سارا فسوں توڑ دیا۔''
''نانی کو مرے دس سال ہو گئے۔ نکل آئیں ان کی یادوں سے۔''
وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے تاثرات سنجیدہ اور لہجے میں طنز مستقل سکونت اختیار کر چکا تھا۔
''جس کے ساتھ ایک عمر کی رفاقت ہو وہ جانے کے بعد بھی ساتھ رہتے ہیں۔''
''اتنی وفا شعار تھیں تو گئیں کیوں؟'' اس نے بے دلی سے رسائل کو الٹ پلٹ کیا۔
''موت تو برحق ہے۔''
''تو آپ ہی رفاقت کا ثبوت دیتے..... مر جاتے۔''
محمود صاحب نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔
''کس کمبخت کا دل یہ خوب صورت زندگی چھوڑ کر مرنے کو چاہے گا۔'' پھر فوراً ہی لہجہ بدل کر تنبیہی انداز میں بولے۔
''مت بھولو۔ تم اپنے نانا سے بات کر رہے ہو۔ زندہ ہوں تب ہی تو اس جنت مکیں کی محبت میں اب تک گرفتار ہوں۔ مر جاتا تو گناہ ثواب کے حساب دے رہا ہوتا۔ یہاں بیٹھ کر تمہاری بے زار صورت نہ دیکھ رہا ہوتا۔''
''کبھی کبھار سارے حساب دنیا میں ہو جاتے ہیں نانا!'' وہ افسردگی سے گویا ہوا پھر سر جھٹک کر کسی خیال سے پیچھا چھڑایا۔
''اب ناشتا بھی کروا دیں۔''
''نانا نے ٹھیکہ نہیں لیا اس عمر میں نواسے کی خدمتیں کرنے کا۔'' انہوں نے رکھائی سے کہہ کر لیپ ٹاپ کھول لیا۔
''آہ! کتنا عرصہ ہو گیا نیرہ نور کی سریلی آواز سنے ہوئے۔''
''ان صاحبہ کی سریلی آواز سے فرصت ملتی تو..... تو دوسری شادی ہی کر لیتے۔'' صائم چڑ کر بولا۔
''کیا بات کرتے ہو، شادی شدہ خاتون ہیں۔''

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

''دنیا کی باقی خواتین مرگئی تھیں۔'' وہ کھڑا ہوا۔ ''آج گھر میں ناشتا بنانے کو نانی تو ہوتیں' بھلے سوتیلی سہی۔''

''بس یار! جب وقت تھا تو عقل نہ آئی۔ جب عقل آئی تو وقت ہاتھ سے نکل گیا۔''

''رہنے دیں۔'' وہ اندر جانے کو مڑا تو بے احتیاطی سے ٹانگ پر وزن آ گیا۔ اس نے کرسی کو پکڑ کر سہارا لیا۔ محمود صاحب جلدی سے اٹھے۔

''کیا ہو گیا۔ ڈاکٹر نے ابھی احتیاط کرنے کو کہا ہے' سنبھل کر چلو۔''

''سنبھل کر چلتا تو یوں ٹھوکر کھاتا۔'' وہ تلخی سے کہتا دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

''انسان گرتا بھی ہے' سنبھلتا بھی ہے۔ یہی اس کی فطرت ہے۔'' محمود صاحب نے رسانیت سے کہا۔ ''تم بیٹھو آرام سے۔ میں ناشتا بنا کر لاتا ہوں۔''

صائم خاموشی سے گردن موڑ کر لان میں کھلتی دھوپ کو دیکھنے لگا۔ وہ بہت ضد کر کے یہاں آیا تھا۔ اتنا چڑچڑا ہو گیا کہ فائقہ کو اسے لاہور بھیجنا ہی پڑا۔ مگر ہر سنڈے وہ خود بھی یہاں آ جاتیں۔ یہاں تک کہ صائم چڑ کر ان سے لڑ پڑا۔ تب محمود صاحب کے سمجھانے پر کہ اسے صائم کو اسپیس دینا پڑے گی..... انہوں نے مجبوراً یہاں آنا چھوڑا تھا۔

صائم تھا کہ ابھی تک اس فیز سے باہر نہیں نکلا۔ تعلیم ادھوری' ٹانگ میں لڑکھڑاہٹ۔ فائقہ اور ابراہیم اس کے مستقبل کے لیے متفکر تھے۔ مگر محمود صاحب نے سختی سے منع کیا تھا کہ اس سلسلے میں صائم سے کوئی بات نہ کی جائے۔ جب تک وہ خود نہ چاہے۔

☆☆☆

سیماب بہت اصرار کر کے زوباریہ کو اس گھر تک لائی تھی۔ بوانے گاجروں والی کھیر بنائی تھی اور محمود صاحب کا حصہ تو لازمی نکلتا تھا۔ سیماب بہت چھوٹی سی تھی۔ جب سے محمود صاحب اسے پڑھانے لگے تھے۔ وہ ریٹائرڈ پروفیسر تھے۔ سارا دن اسٹوڈنٹس کا آنا جانا لگا رہتا جن کے درمیان وہ واحد ننھی بچی تھی جو بیٹھ کر اے بی سی یاد کرتی۔

''کتنا خوب صورت لان ہے۔'' زوباریہ کی طبیعت فریش ہو گئی۔

''تو بابا جی کو اور کام کیا ہے۔ سارا دن یہی کرتے ہیں یا پرانے گانے سنتے ہیں۔''

چلتے چلتے دونوں برآمدے تک آ پہنچیں' جہاں میز پر دیوان فیض رکھا تھا۔

''انکل' گرینڈ پا' دادا جی..... اوہ بابا جی کتھے گئے ہو۔''

سیماب نے آوازیں لگائیں۔

''کیا کر رہی ہو.....؟ اندر جا کر دیکھ لو۔'' زوباریہ نے گھبرا کر ٹوکا۔

''نو وے..... وہاں نو انٹری ہے..... اس گھر کا باہر کا گیٹ کبھی بند نہیں ہوا جو آتا ہے' یہیں بیٹھ کر ویٹ کرتا ہے۔ میں کتنے سالوں سے آ رہی ہوں مگر ان کی اجازت کے بغیر اندر قدم رکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

اس نے بات کرتے کرتے ڈونگا میز پر رکھا اور خود لان اجاڑنے پہنچ گئی۔ پھولوں کی دشمن تھی۔ شاخوں پر جھولتے پھولوں کو دیکھ کر نجانے کیوں ہاتھوں میں کھجلی ہونے لگتی حالانکہ اس بات پر کئی بار محمود صاحب سے پٹتے پٹتے بچی تھی۔

''وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا' تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو''

اندر سے نظم کے الفاظ بلند ہوئے..... اور زوباریہ پوری طرح اس آواز کے سحر میں جکڑی گئی۔ نجانے یہ

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

شاعر لوگ کہاں بیٹھ کر لکھتے تھے کہ دل زخم زخم ہونے لگا تھا۔ اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگ گئے۔ محمود صاحب باہر آئے اور ٹھٹک کر رہ گئے۔

جیسے کوئی دور دیس سے سفید تتلی راستہ بھول کر آ گئی ہو۔

مگر تتلی کے پر بھیگے ہوئے کیوں تھے؟

محمود صاحب اسی خاموشی سے واپس پلٹ گئے۔

جیسے ہی میوزک بند ہوا' سیماب اپنا گلدستہ سنبھالتی زوباریہ کی طرف بھاگی۔

''چلو بھاگو..... بڑے میاں آنے والے ہیں۔''

''ہالٹ۔'' دونوں جہاں تھیں' وہیں ساکت ہوئیں۔ سیماب بڑبڑائی۔

''آج تو لگتا ہے بندوق ہی لے آئے ہیں''

''گولی ماردیں گے۔'' زوباریہ ڈر گئی۔

''مار بھی سکتے ہیں۔'' سیماب نے مزید ڈرایا۔

''ادھر دیکھو.....'' ان کے دبنگ لہجے اور زوردار آواز پر دونوں مڑیں اور سیماب کے ہاتھ میں اتنے پھول دیکھ کر ان کی آنکھیں ابل پڑیں۔ سیماب ان کے تاثرات کے تعاقب میں اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ پھر تیزی سے گلدستہ ان کی طرف بڑھایا۔

''آپ کے لیے۔''

محمود صاحب کے نتھنے پھولنے لگے۔

''ارے..... آپ تو یوں گھور رہے ہیں جیسے میں نے چوری کی ہے۔'' ڈھٹائی کی بھی حد ہی تھی۔

''یہ چوری نہیں ہے۔''

''دیکھیں بابا! بوا نے کھیر بنائی تو میں نے سب سے پہلے آپ کا حصہ نکالا اور آپ مجھے یہ صلہ دے رہے ہیں۔''

''یہ بھی کھیر ہی ہوگی جو تمہاری بوا نے بنائی ہوگی۔'' وہ نخوت سے بولے' ساتھ ہی ڈونگے کا ڈھکن ہٹا کر دیکھا۔

''تو میں واپس لے جاتی ہوں۔'' سیماب نے پھول رکھے اور ڈونگا اٹھانے کو ہاتھ بڑھائے۔

''خبردار.....'' وہ گرجے۔ ''جاؤ اندر سے چمچ پلیٹ لے کر آؤ اور خبردار جو میری کسی چیز کو ہاتھ لگایا۔''

''مجھے ان پرانی چیزوں میں کوئی انٹرسٹ نہیں۔'' وہ ناک چڑھا کر اندر کی طرف بڑھی..... تو محمود صاحب زوباریہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

''شہزادی..... بیٹھ جاؤ۔''

(پرنسس) کسی نے گویا اس کے کان میں سرگوشی کی۔ وہ نڈھال سی کرسی پر بیٹھ گئی۔

سیماب کچن سے برتن لے کر راہداری سے گزرتے گزرتے ایک کمرے کے سامنے ٹھٹک کر رک گئی۔ کھلے دروازے سے کمرے کا منظر نمایاں تھا۔ وہ اجنبی نوجوان بیڈ پر یوں سر جھکائے بیٹھا تھا' جیسے زندگی میں کوئی کام باقی نہ ہو۔

''یہ کون ہے۔'' مارے اشتیاق کے وہ عین دروازے میں جا کھڑی ہوئی۔

روشنی رکی تو صائم نے بے ساختہ سر اٹھا کر دیکھا۔

☆☆

(باقی آئندہ ماہ)

Waqar Azeem Pakistanipoint.com
www.pakistanipoint.com

منشا محسن علی

سوہنی ملکانی

ملکانی پھوپھی ایک مشہور و معروف درزن ہے۔ برسوں پہلے شوہر کی حادثاتی موت کے بعد عدت پوری ہوتے ہی اس نے اس سوچ کے ساتھ سسرال کو خیر باد کہا تھا۔

"نہ کوئی ترکہ، نہ وراثت، نہ کوئی جمع پونجی کہ اب کام آئے۔ سر پر چھت بھی کرائے کی..... دیور، جیٹھ کے بچوں کا بچا کھچا کھانے سے اچھا ہے، میکے چلی جاؤں۔"

مختصر سا سامان سمیٹا۔ شیر خوار بچہ گود میں اور ننھی بچی کی انگلی پکڑ کر چل دی۔ بوڑھی ساس دہائیاں دیتی رہی۔

"پہلے بیٹا چلا گیا، اب کیا جیتے جی پوتے پوتی کی شکل کو بھی ترستی رہوں گی؟"

دیور، جیٹھ نے بھی سر پر ہاتھ رکھنے کی ہامی بھری مگر اس نے ان کے خلوص کو لات مار کر ٹھکرا دیا۔

"جو ذمہ داریاں آج ہمدردی کے نام پر اٹھائی جائیں گی، کل کو انہیں تہمتوں کے رنگ میں رنگ دیا جائے گا۔ میکے میں ایسی ویسی انگلیاں تو نہیں اٹھیں گی اس پر۔"

خود ہی سب کچھ فرض کرتے ہوئے سسرال کی دہلیز پار کر گئی۔

"بے بے! تو تینوں بیٹوں سے کہہ کہ پیسے ڈال کر مجھے ایک سلائی مشین لے دے تاکہ میں اپنا بوجھ خود ہی اٹھا لوں۔"

میکے میں چند دن گزرتے ہی اسے احساس ہو گیا تھا کہ اسے اپنی دوڑ خود ہی دوڑنی ہوگی۔ بے چارے تینوں بھائی بھی دیہاڑی دار تھے۔ ان کے اپنے گھروں کے چولہے بڑی مشکل سے جلتے تھے، ایسے میں تین لوگوں کا اضافہ..... کون کس کی طرف ہانکتا۔ حالات تو تینوں کے برابر تھے۔ بے بے کو یہی بات بھلی لگی۔ اپنا صندوق کھولا۔ چند ٹکے، دھیلے جو جمع کیے تھے وہ بھی نکالے۔ تینوں بیٹوں نے بھی حسب توفیق حصہ ڈالا۔ ملکانی کو بے بے نے سلائی مشین لا دی اور آس پاس کے گلی محلوں میں جا کر بتا بھی دیا۔

قدرت نے بھی بڑا کرم کیا۔ چند مہینوں میں ہی ملکانی کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ سارا دن سلائی کرانے والی عورتوں کا تانتا بندھا رہتا۔ اسے تو سچ میں سر کھجانے کی فرصت نہ رہی۔

☆☆☆

"کبڑے وجود کو اور کتنا گھسیٹوں..... سوہنی کو سمجھا کہ اب گھر کا کام کاج سنبھالے۔ میرے بدن میں اب اتنی طاقت نہیں رہی کہ مزید یہ بوجھ اٹھا سکوں۔" بے بے کی ہمت صاف جواب دے گئی تھی۔ بے چاری کی ضعف سے کمر ہی جھک گئی تھی۔

"بے بے! تجھے نجانے مجھ سے کیا بیر ہے..... ہر وقت میرے پیچھے ہی پڑی رہتی ہے۔" آنکھوں میں کجرے کی دھاری کھینچ کر سوہنی نے اسے ٹوکا تھا پھر بے بے نے مزید کچھ نہ کہنے میں ہی عافیت جانی لیکن مشین کو چلاتی ملکانی کی مسکراہٹ بھی اس نے بغور دیکھی تھی۔

بے بے نے سرد آہ بھری اور ماتھے پر بازو رکھ کر لیٹ گئی۔ اسے سوہنی کا بناؤ سنگھار کر کے محلے میں دندنانا پسند نہیں تھا۔ اس لیے وہ بیٹی کو سمجھاتی تھی کہ اسے گھر کے کاموں میں مصروف رکھا کرے لیکن وہ تو ہمیشہ اپنی لاڈلی کے دفاع میں کھڑی ہو جاتی تھی اور یہ اسی کی شہ کا نتیجہ تھا کہ اب سوہنی خود ہی بے بے سے نپٹ لیتی۔

سوہنی غیر معمولی حسن کی مالک تھی۔ ملکانی کو اس

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

میں اپنی جوانی کا عکس نظر آتا تھا۔ وہ اپنی بیٹی کو ہر پل شہزادیوں کے روپ میں دیکھنا چاہتی تھی، جب بھی کسی کا قیمتی جوڑا سلائی کرتی تو چند پل کے لیے ہی سہی سونی کو پہنا کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر لیتی۔

"نری امانت میں خیانت ہے۔" بے بے دہائی دیے بغیر نہ رہتی مگر یہاں پروا کسے تھی۔ گو کہ وہ ان ماؤں میں سے تھی جو بیٹیوں کو دھیمی چال چلنے کے بجائے ہواؤں میں اڑنا سکھا دیتی ہیں۔ در پردہ وہ سونی کی آنکھوں میں اونچے اونچے خواب سجا رہی تھی لیکن بیٹے کے لیے اس کی سوچ اس کے برعکس تھی۔ اس نے چراغ کی تربیت اس انداز سے کی تھی کہ وہ کبھی ماں کے آگے بول نہ سکے۔ ماں کا کہا اس کے لیے حرف آخر ہوتا تھا۔

بارہویں میں ہی وہ کسی دکان پر کام کرنے لگا تھا اور اب مہینے کے آخر میں کچھ نہ کچھ ماں کے ہاتھ پر رکھ دیتا تھا۔

☆☆☆

ایک دن بیگاں (ملکانی کی جیٹھانی) چلتی پھرتی ادھر آ نکلی۔ ملکانی کو خود مختار زندگی گزارنے پر خوب سراہا۔ سوہنی اور چراغ کے بھی واری صدقے جانے لگی اور جاتے جاتے سوہنی کے رشتے کی بات بھی کہہ ڈالی۔

"میرا بیٹا خیر سے پڑھ لکھ گیا ہے۔ اب نوکری بھی مل ہی جائے گی..... تمہارے جیٹھ کی دکان بھی خوب چل رہی ہے۔ ہمارا تو سب کچھ اکلوتے بیٹے کے لیے ہے اور یہ بچے بھی ساری زندگی خاندان سے الگ رہے ہیں۔ رشتے گلی آڑ میں یہ دوریاں بھی ختم ہو جائیں گی۔ لڑکا پڑھا لکھا ہے، اب نوکری بھی ڈھونڈ رہا ہے۔"

اس بات نے ملکانی کو سوچنے پر مجبور کر دیا تھا اور اس نے بے بے کو بتا دیا تھا کہ کسی دن لڑکے کی صورت بھی دیکھ آئیں گے لیکن شام کو ہی سوہنی کے مامے نے ہلا بول دیا۔

"دیکھ ملکانی! سوہنی اور چراغ کو ہم نے ہمیشہ اپنے بچوں کی طرح ہی سمجھا ہے۔ چپت لگانا تو دور کی بات، کبھی کڑوا بول نہیں بولا ان کے ساتھ۔ جس آنگن میں پل بڑھ کر جوان ہوئے ہیں، رشتے بھی ادھر ہی ہو جائیں گے۔"

ملکانی کے بظاہر تو کڑے تیور تھے لیکن وہ بھائی بھابھی کے اس طرح دامن پھیلانے پر دل ہی دل میں اترا رہی تھی۔

"میں تو شروع سے ہی کہتی تھی کہ سوہنی میری بیٹی ہے..... اور اب یہ وقت آ گیا ہے کہ تو اسے میرے اجو کے نام کر دے۔ کیوں بے بے میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟"

ملکانی کو خاموش دیکھ کر بھابھی نے پھر بات دہرائی اور بے بے نے بھی اثبات میں سر ہلا کر اس کی بات کی تائید کی۔

"اجو اور سوہنی کا کوئی جوڑ نہیں ہے..... ایسی بے تکی بات کسی اور نے کی ہوتی تو میں بڑا اچھا جواب دیتی۔ بھائی ہو، اس لیے درگزر کر رہی ہوں۔ میری سوہنی کو رشتوں کی کمی نہیں ہے..... میری بیٹی چاند..... اور زمانہ چاند کا طلب گار۔"

"اف ایسی بدلحاظی۔" بے بے دل ہی دل میں کلستی رہی۔ برکت بھائی اور ریشم اسے احسان فراموش کہہ کر اٹھ گئے۔

"کون سے احسان؟ اپنا بوجھ خود اٹھایا ہوا ہے میں نے تم لوگوں نے تو چار دن نہ کھلایا مجھے۔ کون سے احسان گنوا رہے ہو؟" ملکانی کی آواز پیچھے تک گئی۔ بے بے نے سر پکڑ لیا۔

"رشتے ناتے اور تعلق واسطے صرف لین دین کے لیے نہیں ہوتے..... دینے والا تو سب کا اوپر ہے۔ اپنوں کی اپنائیت اور احساس ہی انسان کو مضبوط کر دیتا ہے۔"

"کہاں کی اپنائیت..... کیسا احساس..... اپنی آگ میں خود ہی جل رہی ہوں۔ میرا بوجھ تو کسی نے نہ بانٹا۔ ہوتی کوئی اور میری جگہ تو مسلط ہو جاتی بھائیوں کے سر پر۔ زندگی رل گئی مشین چلا چلا کے اور یہ پتا نہیں کون سے احسان جتا رہے ہیں۔"

"اللہ کا شکر ادا کر۔ اس نے ہمت دی اور تو محنت کرنے لگی اور یاد کر، یہ مشین جو تیری آمدنی کا ذریعہ ہے، یہ ان غریبوں کی خون پسینے کی کمائی سے آئی ہے۔"

"بس بس..... زیادہ نہ تقریریں جھاڑ۔" اس نے ناگواری سے سر جھٹکتے بے بے کو خبردار کیا۔

خود مختار ہونے کے بعد ملکانی کے اندر رعونت آ گئی تھی۔ شروع سے ہی مزاج کی تیکھی تھی، اب پیشہ ورانہ سوچ میں لحاظ بھی مفقود تھا اور سوہنی بھی ماں کے نقش قدم پر چل رہی تھی۔

☆☆☆

ملکانی چراغ کو ساتھ لے کر بیگاں کے ہاں چلی گئی۔ اجو کے رشتے کے لیے دوسرے بھائی بھی زور دے رہے تھے۔ اس نے بہت سوچ بچار کے بعد یہ نتیجہ نکالا تھا کہ وہ سوہنی کو بہتر زندگی دینے کی ہر ممکن کوشش کرے گی اور رشتے داریوں کی آڑ میں اپنی بیٹی کو مصیبتوں کی دلدل میں کبھی نہیں دھکیلے گی۔

دو بڑے کمروں کے آگے برآمدہ، پکے فرش کا صحن، ایک طرف باورچی خانہ، سیڑھیوں کے ساتھ

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

غسل خانہ اور اوپر بھی ایک چوبارہ تھا۔ درمیانے سائز کا فریج اور کلر ٹی وی بھی موجود تھا۔ بریگاں ٹھیک ہی کہہ رہی تھی، واقعی کرمے کی دکان خوب چلتی ہوگی۔ اس نے ہر چیز کا بغور جائزہ لیتے دل میں سوچا۔

"چل جلدی سے اپنے پتر کو بلانا۔ میں دیکھوں کہ کیسا ہے، چار دھبلے ہاتھ پر رکھ کر بات پکی کر کے ہی جاؤں گی آج۔"

اگلے پل ہی اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔

"توے کی سیاہی پر کالی پالش پھیری تھی یا لک میں ڈبکیاں لگا لگا کے آیا تھا۔" ملکانی کی آنکھیں لڑکے کو دیکھ کر ابل کر باہر آ گئیں۔

"نی اس ٹٹ مرنے کے لیے تو میری سوہنی کا رشتہ مانگ رہی تھی۔ میری دھی چاند اور یہ گرہن..... توبہ توبہ! میرے برقعے سے زیادہ سیاہ رنگ ہے اس کا اور نین نقش دیکھ..... مجھے تو لگتا ہے حبشیوں کی نسل کا ہے..... ہونہہ..... کالا بھینسا....."

ملکانی نے جی بھر کے بریگاں کی بے عزتی کی اور پکے مکان پر دو حرف بھیج کر وہاں سے نکل گئی۔

سوہنی کی گردن مزید اکڑ گئی۔ وہ خود کو بہت خاص شے سمجھنے لگی۔ بناؤ سنگھار کی طرف رجحان مزید بڑھ گیا۔ طبیعت میں شوخی بھی آ گئی، اب تو بے بے نے بھی روک ٹوک چھوڑ دی تھی۔

ملکانی آئے دن ہر رشتہ بے جوڑ کہہ کر ٹھکرا دیتی۔ سوہنی سرخاب کے پر لگا کر بلندیوں کی طرف اڑان بھرنے لگی لیکن بلندی تک پہنچنے سے پہلے ہی دھڑام سے زمین پر گر گئی۔

☆☆☆

"یہ لے تیری شہزادی رات کی سیاہی اپنے منہ پر ملنے گئی تھی۔"

برکت مامے نے سوہنی کو ملکانی کے آگے پٹخا۔ بے بے کا ہاتھ کلیجے پر آ گیا۔

"شکر کر اجو کے یار نے بروقت اطلاع دے دی ورنہ یہ تو آج تیری اور اپنی عزت نیلام کرنے گئی تھی۔"

پھیکے مامے کی آنکھیں خون اگل رہی تھیں۔ اجو بھی تھوک کر باہر نکل گیا۔ دن کی روشنی پھیلی تو سوہنی کی کالی کرتوتیں بھی چاروں اور پھیل گئیں۔ ملکانی کو منہ چھپانے کی کوئی جگہ نہیں مل رہی تھی۔

"کہتی تھی نا کہ لڑکی ذات ہے سنبھال کے رکھ۔ پر تو نے تو اس کی لگامیں ہی کھول دیں۔ یہ سب تیری شہ کا ہی نتیجہ ہے۔" بے بے کرلائی۔

"نی ملکانی! یہ کہاں لکھا ہے کہ حسن مل جائے تو میلوں چوکوں میں اس کی نمائش کی جائے۔ سارا دن بن سنور کر پھرے گی تو اچھی بری نظروں سے کہاں بچ سکے گی۔" چھوٹی مامی بولی تھی۔

"نی اللہ رکھی! ہاتھ پڑھائیں تو پھر ہی کوئی پکڑتا ہے۔ اس لڑکی کے اپنے ہی لچھن خراب تھے۔ شکر ہے میرا اجو بال بال بچ گیا۔" مامی ریشم نے دل کا ابال نکالا۔

سوہنی کی چند دن پہلے کسی لڑکے سے دوستی ہوئی تھی۔ حسن کی جھوٹی سچی تعریفیں سننے وہ رات کے اندھیرے میں اس سے ملنے چلی گئی تھی۔ خواب خرگوش کے مزے لوٹتی ملکانی کو بھنک بھی نہ پڑی، آنکھ تب کھلی جب سب خاک میں مل گیا۔

☆☆☆

بے بے برکت کو واسطے دیتی رہی۔ اجو کے ہاتھ جوڑتی رہی کہ گھر کی عزت کی بات ہے لیکن اجو تو اسے کسی طور قبول کرنے کو تیار نہ تھا۔ باہر سے بھی کوئی رشتہ نہیں آ رہا تھا۔ سوہنی کی شہرت سارے میں پھیل چکی تھی۔

ملکانی نے بستر پکڑ لیا تھا۔ گھر کے کام کاج کر کے سوہنی کا حسن بھی میلا ہو رہا تھا۔ ملکانی کی آنکھوں سے آس کے تمام دیے بجھ چکے تھے لیکن بریگاں اندھیرے میں روشنی بن کر آئی تھی۔ ایک بار پھر ہاتھ جوڑ کر.....

"کرما کہتا ہے تو سوہنی کو ہمارے گھر کی عزت بنا دے..... اس اوکھے ویلے ہم نہیں اس کے سر پر ہاتھ رکھیں گے تو کون رکھے گا۔"

ملکانی کے سینے سے آسودہ سانس خارج ہوئی تھی۔

بریگاں نے کوئی تہمت لگائی تھی، نہ کوئی بات جتلائی تھی۔ اس نے تو گرہن لگے چاند کو اپنے گھر کی عزت کہا تھا۔

☆☆

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

نگہت عبداللہ

کم بخت

ابو کو اپارٹمنٹ کا قبضہ مل گیا تھا۔ اف میری خوشی کی انتہا نہیں تھی۔ یعنی ہمارا اپنا گھر ہو گیا تھا۔ صاف ستھرے علاقے میں خوب صورت اپارٹمنٹ ابو نے جانے کب سے بک کرایا ہوا تھا۔ تنگی ترشی میں گزارا کر کے اس کی قسطیں بھرتے رہے۔ اب بالآخر وہ دن آ گیا تھا جس کا سب سے زیادہ مجھے انتظار تھا۔ کیونکہ خوب صورت اپارٹمنٹ میرا خواب تھا۔

میں کالج آتے جاتے فلیٹوں کی لمبی لائن دیکھتی تو مجھے بہت اچھا لگتا تھا۔ میں سوچتی ایسے گھروں میں رہنے میں کتنا مزہ آتا ہوگا۔ اتنی اوپر جہاں سے بندہ دور دور کے نظارے کرتا ہوگا۔ میں خیالوں ہی خیالوں میں خود کو کسی بالکونی میں کھڑا محسوس کرتی۔ پھر ایک آہ میرے سینے میں اٹک جاتی۔ کاش میں بھی ایسے ہی کسی گھر میں رہتی۔

پانچ سال پہلے جب ابو نے اپارٹمنٹ بک کرایا تھا تب مجھے خوشی تو ہوئی تھی لیکن پانچ سال سوچ کر بد دل بھی ہو گئی تھی کہ اتنا لمبا انتظار اور سچ تو یہ ہے کہ پچھلے دو سالوں سے تو میں بھول ہی گئی تھی کہ ابو نے کوئی اپارٹمنٹ بک کرایا تھا۔ ابھی جب ابو نے امی کو اپارٹمنٹ کا قبضہ ملنے کی خوش خبری سنائی تو میری چیخ نکل گئی اور دل تو میرا دھمال ڈالنے کو چاہ رہا تھا لیکن ابو کے ڈر سے فوراً منہ پر ہاتھ رکھ کر کمرے میں آن چھپی۔ کیونکہ ابو کافی سخت مزاج کے ہیں۔

ان کے سامنے تو میری آواز ہی نہیں نکلتی گو کہ کچھ کہتے نہیں لیکن ایسی کڑی نظروں سے دیکھتے ہیں کہ روح فنا ہو جاتی ہے۔ حالانکہ میں ان کی اکلوتی اولاد ہوں۔ مگر مجال ہے جو کبھی مجھ سے لاڈ کیا ہو۔ بات بھی ضرورت کے تحت کرتے ہیں۔ اس لیے مجھے کبھی براہ راست ان سے بات کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ ہمیشہ امی کا سہارا لیتی ہوں جس پر اکثر امی سے ڈانٹ بھی پڑتی ہے۔

مزید مجھے کہیں جانے کی اجازت بھی نہیں ہے۔ پہلے صرف اسکول اور اب صرف کالج..... یہ بھی شکر ہے کہ ابو تعلیم کو بہت ضروری سمجھتے ہیں ورنہ شاید مجھے کالج آنے جانے کی اجازت بھی نہ ہوتی۔ ایسے گھٹے ہوئے

www.Azeem.pk www.pakistanipoint.com

ماموں کی وجہ سے ہی شاید مجھے فلیٹوں میں کشش نظر آئی ہو گی کہ وہاں سے باہر کی دنیا دیکھی جا سکتی ہے۔

بہر حال مارے خوشی کے مجھے ساری رات نیند ہی نہیں آئی۔ ادھر کروٹ بدلتی تو خود کو اپارٹمنٹ

سجاتے ہوئے دیکھتی ادھر کروٹ بدلتی تو بالکونی میں کھڑی ہوتی۔ اف کتنا خوش کن تصور تھا اور جلد ہی یہ تصور حقیقت بننے جا رہا تھا۔

صبح ابو کے آفس جانے کے بعد مجھے موقع ملا تھا کہ میں نے اپنی خوشی چھپانے کی کوشش ہی نہیں کی۔

''امی! ہم وہاں کب شفٹ ہو رہے ہیں۔ اپنے فلیٹ میں؟'' میں نے پوچھا تو امی نے میرا شوق اور بے صبری محسوس ہی نہیں کی سرسری بولیں۔

''دیکھو.....''

''کیا دیکھو امی۔ ابو نے کیا کہا ہے؟''

''تمہارے ابو ڈانواں ڈول ہو رہے ہیں۔ جائیں نہ جائیں کرائے پر اٹھا دیں، اب دیکھو وہ کیا کرتے ہیں۔''

یعنی امی کی کوئی مرضی نہیں تھی۔ اور ظاہر ہے چلتی تو یہاں ابو کی ہی تھی پھر بھی میں نے امی کے سامنے خوب احتجاج کیا حالانکہ میں جانتی تھی اس کا کوئی فائدہ نہیں۔

''اللہ کرے ابو کو کوئی کرائے دار نہ ملے۔'' اس وقت تو میں نے جل کر کہا اور پھر میں مستقل یہی دعا کرتی رہی تھی۔ دعائیں یوں رنگ لائیں کہ کرائے دار تو بہت تھے لیکن بھلا ہو اس آدمی کا، جس نے ابو سے کہا کہ میاں فلیٹ کرائے پر اٹھا دیا تو پھر باقی ساری زندگی فلیٹ خالی کرانے میں گزر جائے گی۔ کرائے سے بھی جاؤ گے اور فلیٹ سے بھی۔

یہ بات ابو کے دل کو ایسی لگی کہ فوری وہاں شفٹ ہونے کا کہہ دیا تھا۔ اور مجھ پر شادیٔ مرگ کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔

تین کمروں کا فلیٹ بہت کشادہ تو نہیں تھا لیکن ہم تین افراد کے لیے بہت تھا۔ میں چاہتی تھی بالکونی کے ساتھ والا کمرہ مجھے ملے لیکن اس پر ابو نے قبضہ جما لیا۔ ساتھ یہ بھی کہا کہ اس طرف بے پردگی ہوتی ہے اور امی کو تاکید کی کہ مجھے بالکونی میں نہ جانے دیا جائے۔

یہ پابندی مجھے بری طرح کھلی تھی لیکن اس پر احتجاج کر کے میں خود بری بن جاتی اس لیے میں بظاہر انجان بنی رہی۔ یوں ظاہر کیا جیسے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا جبکہ میرے لیے سب سے زیادہ کشش بالکونی میں تھی۔

ابو کا کمرہ سیٹ کرتے ہوئے میں چوری چوری کھڑکی سے ادھر نظر ڈال لیتی۔ چاروں طرف فلیٹ ہی فلیٹ۔ درمیان میں غالباً کمپاؤنڈ تھا۔ جہاں سے بچوں کے کھیلنے کودنے کا شور آ رہا تھا۔

مجھے خود اپنی بے بسی پر ترس آیا کہ بالکونی میں کھڑی ہو کر بچوں کو کھیلتے کودتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ بہرحال میں جتنی خوش تھی اپنا کمرہ دیکھ کر اسی قدر بددل ہو گئی۔ کھڑکی تو میرے کمرے میں بھی تھی۔ جب اسے کھول کر دیکھا تو دور تک چٹیل میدان اور اس سے آگے بہت آگے پہاڑ نظر آ رہے تھے۔

گرمیوں کی چلچلاتی دھوپ میں یہ نظارہ آنکھوں میں ایسا چبھا کہ میں نے گھبرا کر کھڑکی بند کر دی۔ پھر رات میں، میں اپنے کمرے میں بیٹھی پڑھائی کر رہی تھی تو ابو عادت کے مطابق مجھے چیک کرنے کہ میں کیا کر رہی ہوں میرے کمرے میں آئے تو خود ہی بولے۔

''رات میں کھڑکی کھول لیا کرو تازہ ہوا آئے گی۔''

''جی.....!'' میں نے خود کو کھڑکی کی طرف دیکھنے سے باز رکھا تو ابو نے خود ہی بڑھ کر کھڑکی کھول دی۔ اور ہوا تو جیسے منتظر تھی دندناتی ہوئی چلی آئی۔ میں نے بے ساختہ کھڑکی کی طرف دیکھا کیونکہ میرے ذہن میں دوپہر کا منظر تھا جب ہی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے نے مجھے حیران کر دیا تھا۔

''دیکھا کیسی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔''

ابو کہتے ہوئے چلے گئے۔ تو میں نے پھر نظریں اپنی کتاب پر جما دیں۔ یہ میرا معمول تھا میں رات ساڑھے گیارہ، بارہ بجے تک ضرور اسٹڈی کرتی۔ شاید اکیلے پن کی وجہ سے میں نے کتابوں میں پناہ ڈھونڈی تھی۔ لیکن بہرحال مجھے عادت ہو گئی تھی اور یہ

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

اچھی عادت تھی کہ میں روزانہ کے لیکچر یاد کر لیتی اور اگلے دن کے بھی دیکھ لیتی، جب ہی امتحانوں میں مجھے رٹے لگانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ نہ کبھی میں نے امتحانوں کو ہوّا بنایا تھا۔

ابھی بھی میں اپنی آج کی پڑھائی مکمل کر کے اٹھی تھی۔ پھر بستر جھاڑتے ہوئے اچانک میری نظر کھڑکی سے باہر کیا گئی کہ پھر میں دیکھتی رہ گئی۔ دور پہاڑوں پر جیسے ننھے ننھے دیے جل رہے تھے۔

وہاں کیا تھا۔ گھر یا کسی اور مخلوق کا بسیرا۔ دن میں تو تیز دھوپ کے باعث کچھ نظر نہیں آیا تھا۔ آنکھیں چندھیا گئی تھیں۔ میں کھڑکی کے قریب جا کر کتنی دیر اس منظر میں کھوئی رہی پھر کھوجنے کی کوشش کی لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ تب اس حسین منظر کو نظروں میں بسائے میں بستر پر آ لیٹی اور اس کے بارے میں جانے کیا کیا قیاس کرتے ہوئے سو گئی تھی۔

☆☆☆

ہمیں فلیٹ میں آئے ایک مہینہ ہو گیا تھا۔ شروع میں تھوڑی مشکل ہوئی کیونکہ میرے کالج اور ابو کے آفس کا روٹ چینج ہو گیا تھا۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ ہم سیٹ ہو گئے۔ صبح ابو مجھے ساتھ لے کر نکلتے تھے تو پہلے مجھے کالج کی وین میں سوار کراتے پھر خود جاتے۔

واپسی میں، میں خود آ جاتی تھی اور اب تو مجھے راستہ ازبر ہو گیا تھا۔ پھر میں صرف ابو کے سامنے ہی دبی دبی اور خاموش رہتی تھی جبکہ کالج میں میں بہت ایکٹو اسٹوڈنٹ تھی۔ پڑھائی میں تو اچھی تھی ہی۔ دیگر سرگرمیوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھی۔ یہ اور بات کہ ابو کے ڈر سے میں نے کبھی گھر میں ذکر نہیں کیا تھا۔ مبادا کہیں امی کے منہ سے نکل جائے اور میری شامت آ جائے۔ بہرحال اس وقت میں کالج سے لوٹی تو دیکھا امی ایک گول باسکٹ اور لمبی سی رسی میں الجھ رہی تھیں۔

''یہ کیا ہے امی؟'' میں بیگ ایک طرف رکھ کر ان کے پاس بیٹھ گئی۔

''ٹوکری ہے۔'' امی نے غالباً کافی دیر سے رسی سلجھا رہی تھیں جب ہی جھنجھلا کر بولی تھیں۔

''وہ تو میں بھی دیکھ رہی ہوں۔'' میں گول ٹوکری ہاتھوں میں لے کر گھمانے لگی۔

''ہاں تو رکھ دو اسے۔ توڑو گی کیا؟'' امی نے مجھ سے ٹوکری چھین کر ایک طرف رکھ دی۔

''یا اللہ اتنا جھنجلا کیوں رہی ہیں، لائیے مجھے دیں رسی۔ کیا کرنا ہے اس کا؟'' میں نے ان کے ہاتھ سے رسی لینی چاہی لیکن انہوں نے میرا ہاتھ جھٹک دیا۔

''تم جاؤ اپنا کام کرو۔''

''ہاں بڑے کام رکھے ہیں۔''

میں اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ یونیفارم تبدیل کیا۔ پھر کچن میں جا کر کھانا گرم کیا اور وہیں بیٹھ کر کھانے لگی۔ کیونکہ مجھے آنے میں دیر ہو جاتی تھی۔ اس لیے امی ظہر کے بعد ہی کھانا کھا لیتی تھیں۔ اس وقت مجھے اکیلے ہی کھانا ہوتا تھا۔

قارئین اور ایجنٹ حضرات متوجہ ہوں

موجودہ حالات کی وجہ سے بہت سی جگہوں پر پرچے کا حصول دشوار ہو گیا ہے اگر آپ کو پرچے کے حصول میں کوئی دشواری ہو یا پرچا نہ مل رہا ہو تو درج ذیل نمبر پر رابطہ کریں آپ کو گھر بیٹھے پرچا مل جائے گا۔

ایجنٹ حضرات بھی پرچے کے سلسلے میں کوئی بھی معلومات یا آرڈر دینے کے لیے اس واٹس ایپ نمبر پر رابطہ کر سکتے ہیں۔

0317-2266944

کھانے کے بعد میں ڈیڑھ دو گھنٹے کی نیند ضرور لیتی تھی۔ جس سے امی بہت چڑتی تھیں۔ کیونکہ وہ سارا وقت اکیلی رہتی تھیں اور چاہتی تھیں کہ کالج سے آنے کے بعد میں ان کے ساتھ لگی رہوں۔ لیکن مجھے دوپہر کی نیند بہت پیاری تھی پھر رات میں مجھے پڑھنا بھی ہوتا تھا۔

بہرحال کھانے سے فارغ ہو کر میں جمائی لیتے ہوئے اپنے کمرے میں جا رہی تھی کہ امی نے پکار لیا۔ میں پلٹ کر ان کے پاس آئی تو دیکھا وہ ٹوکری کے تین اطراف رسی باندھ چکی تھیں اور سرے پر لمبی رسی تھی۔

''دیکھو، ٹھیک ہے۔'' امی نے ہاتھ اونچا کر کے ٹوکری دکھاتے ہوئے پوچھا۔

''لیکن یہ ہے کیا اور کیا کریں گی اس کا؟'' میں بالکل سمجھ نہیں پائی تھی۔

''سبزی لینے کے لیے بنائی ہے۔'' امی زور دے کر بولیں۔

''تو اس میں یہ رسیاں باندھنے کی کیا ضرورت تھی؟''

''بالکل پاگل ہو تم۔ نیچے جا کر سبزی لانی پڑتی تھی۔ تمہارے ابا سے کہا کہ میری تو سیڑھیاں اترنے چڑھنے میں ٹانگیں شل ہو جاتی ہیں تو انہوں نے یہ ٹوکری لا کر دی کہ ادھر بالکونی سے نیچے لٹکا کر سبزی لے لیا کروں۔ جیسے یہاں کی دوسری عورتیں لیتی ہیں۔''

امی نے پوری تفصیل سے بتایا تب میری سمجھ میں آیا۔

''واہ! یہ تو بڑے کمال کی چیز ہے۔ لیکن امی پیسے دینے کے لیے تو آپ کو پھر بھی نیچے جانا پڑے گا۔''

''کیوں نیچے جانا پڑے گا اسی ٹوکری میں رکھ کر لٹکا دوں گی۔''

''اچھا ہاں!'' میرے منہ سے ہنسی کا فوارہ پھوٹ پڑا اپنی بے وقوفی پر جبکہ امی مجھے گھورنے کے ساتھ دانت بھی پیس رہی تھیں اور اس سے پہلے کہ وہ مجھے دھموکا جڑتیں میں بھاگ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

☆☆☆

میں بہت مزے کی نیند سو رہی تھی۔ اصل میں رات ہی میں نے سوچ لیا تھا کہ کل کالج نہیں جاؤں گی۔ امی کو بھی بتا دیا تھا۔

ابو آفس چلے گئے۔ اس کے بعد بھی میں خراٹے لے رہی تھی۔ تقریباً دس بجے امی نے چلا چلا کر مجھے آوازیں دیں تو میں ہڑبڑا کر اٹھی تھی۔

''یا اللہ خیر.....!'' میں نے بستر چھوڑ کر آواز کی سمت دوڑ لگا دی۔ امی بالکونی کی دیوار پر آدھی نیچے جھکی ہوئی تھیں۔

''کیا ہوا امی.....؟''

''یہ ٹوکری کھینچو اوپر، مجھ سے نہیں سنبھالی جا رہی۔'' امی نے کہا تو میں نے فوراً ان کے ہاتھ سے رسی لے کر انہیں ایک طرف ہٹا دیا۔

''میں پیسے نکال لوں۔'' امی کہتے ہوئے اندر چلی گئیں اور میں نے ٹوکری کھینچنی شروع کی جو خاصی وزنی تھی۔ پتا نہیں امی نے کیا کیا لے لیا تھا۔ میں نے جھانک کر دیکھا اتنی بڑی بڑی پیاز، ٹماٹر، لہسن اور..... اور، اور ایک طرف سے رسی کھل گئی۔

''آ..... آ..... آ..... آ۔'' میرے منہ سے ایسی ہی آوازیں نکلنے لگیں کہ ڈس بیلنس ہو کر ساری سبزی نیچے گر رہی تھی۔ اور نیچے گرتی تو کوئی بات نہیں تھی وہ تو وہاں کھڑے شخص پر برس رہی تھی اور اس پیاز، ٹماٹر کی بارش سے بچنے کی خاطر وہ ادھر ادھر ہو رہا تھا اور جدھر بھی ہوتا پیاز یا ٹماٹر اس کے سر پر جا لگتا۔ شاید اس لیے کہ وہ مسلسل اوپر دیکھ رہا تھا۔

ٹوکری خالی ہو گئی اور میں ابھی اس صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ اس نے مسکرا کر ہاتھ کے اشارے سے سلام کر دیا۔

''اف.....'' ادھر دل زور سے دھڑکا ادھر ہاتھ سے رسی بھی چھوٹ گئی۔ یقیناً ٹوکری اس کے سر پر جا گری ہو گی۔ میں یہ منظر دیکھنے سے اس لیے محروم رہ گئی کہ گھبرا کر الٹے پیروں اندر بھاگتے ہوئے امی سے ٹکرا گئی۔

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

"توبہ ہے لڑکی.....!" امی مجھے پرے دھکیل کر بولیں۔ "لو یہ پیسے بھی دے دو۔"

"کیسے پیسے۔ میرا مطلب ہے وہ سبزی۔" میں بالکل حواسوں میں نہیں تھی۔

"ہاں تو میں سبزی ہی کے پیسے دینے کو کہہ رہی ہوں۔" امی نے تیز لہجے میں کہا تو میں بوکھلا گئی۔

"لیکن امی۔ وہ سبزی تو۔"

"کیا سبزی تو.....؟"

"ٹوٹ گئی۔ مطلب آپ کی ٹوکری ٹوٹ گئی۔ اور ساری سبزی نیچے۔" میں نے جلدی سے وضاحت کی۔

"ستیاناس۔" امی نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا۔

"میرا کوئی قصور نہیں۔ میں پورا زور لگا کر اوپر کھینچ رہی تھی۔"

"اسی لیے تو ٹوٹ گئی۔ اتنا زور لگانے کی کیا ضرورت تھی آرام سے نہیں کھینچ سکتی تھیں۔ ہٹو سامنے سے میں دیکھوں جا کر۔" امی کو غصہ آ گیا۔

"نہیں امی۔" میں نے فوراً ان کا راستہ روک لیا۔ "آپ نیچے نہ جائیں۔"

"کیوں؟"

"نیچے اتنے لوگ ہیں۔ مذاق اڑائیں گے۔"

"مذاق تو اڑے گا کیوں نہیں اڑے گا۔" امی نے گویا میری بات کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی اور مجھے دھکیل کر جانے لگیں کہ ڈور بیل بڑے زور سے بجی۔

"سبزی والا ہوگا۔" میرے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔ امی مجھے ہٹا کر دروازے کی طرف بڑھ گئیں اور میں نے چاہا کہ بھاگ کر اپنے کمرے بلکہ واش روم میں بند ہو جاؤں کہ بھاری آواز سے زیادہ شائستہ لہجے نے میرے قدم روک لیے۔

"السلام علیکم آنٹی۔ یہ آپ کی سبزی۔"

"بیٹا! وہ....." امی بھی غالباً سٹپٹا گئی تھیں۔

"ہوتا ہے آنٹی! ایسا ہمارے ہاں بھی کبھی کبھی ایسے ہی رسی ٹوٹ جاتی ہے۔ لیکن اب میں نے اسے مضبوطی سے باندھ دیا ہے۔ کبھی نہیں ٹوٹے گی۔"

"بہت شکریہ بیٹا۔"

"نہیں نہیں شکریہ کی کوئی بات نہیں۔"

"کہاں رہتے ہو؟"

"جی یہ آپ کے دائیں طرف جو اپارٹمنٹس ہیں وہاں۔"

"اچھا بیٹا! بہت مہربانی تمہاری....."

"السلام علیکم۔" ادھر وہ گیا ادھر میں بھاگ کر واش روم میں بند ہو گئی۔ اب پتا نہیں وہی تھا یا کوئی اور۔ میں منہ ہاتھ دھو کر نکلی تو امی اس کی تعریف کرنے لگیں۔

"کوئی بھلا لڑکا تھا۔ سبزی اٹھا کر دے گیا ہے۔ اور کہہ رہا تھا ڈوری بھی مضبوطی سے باندھ دی ہے اب نہیں ٹوٹے گی۔"

"ٹوٹے یا نہ ٹوٹے آپ آئندہ سبزی اوپر سے لینے کی کوشش مت کیجیے گا۔ وہ تو آج اتفاق سے میں گھر پر تھی ورنہ ٹوکری اوپر آنے کے بجائے آپ نیچے ہوتیں۔"

میں نے غلط نہیں کہا پھر بھی امی نے مجھے چپل کھینچ ماری۔ شکر کہ ہمیشہ کی طرح نشانہ خطا ہی گیا۔ لیکن سنانے سے باز نہیں آئیں۔

"تو تو نے کون سا کمال کر دیا۔ آخر اتنے دنوں

بارہ برجوں پر مکمل کتاب

آپ کا بُرج

مصنف: کیرو

قیمت -/150 روپے

منگوانے اور دستی خریدنے کا پتہ

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

سے میں بھی تو لے رہی تھی سبزی۔ مجھ سے تو نہیں گری نہ ٹوٹی۔ تیرے ہاتھوں میں کیوں جان نہیں۔ ماشاء اللہ اچھا کھاتی پیتی ہے۔"

کھانے پینے پر میرا ہاتھ اپنے پیٹ پر چلا گیا۔ بھوک لگنے لگی۔

"ناشتا، میں ناشتا بنانے جا رہی ہوں۔ آپ کے لیے بھی بنا دوں۔" میں نے ناشتے کا نعرہ لگا کر امی سے پوچھا تو وہ جتا کر بولیں۔

"اب دوپہر کے کھانے کا ٹائم ہو رہا ہے مہارانی۔ چلو آ کر یہ سبزی بناؤ۔"

"اف امی! پہلے پیٹ میں کچھ جانے تو دیں۔" میں فوراً کچن میں آ گئی۔ جلدی جلدی سلائس گرم کر کے چائے کے ساتھ کھائے پھر امی کے پاس آ کر بیٹھی۔

وہ بھنڈی کاٹ رہی تھیں۔ میں نے بھی دوسری چھری اٹھالی اور جلدی جلدی ہاتھ چلانے لگی تاکہ ان کا غصہ ٹھنڈا ہو۔

"آج کالج کسی خوشی میں نہیں گئیں؟" امی کو خیال آیا۔

"بس وہ مس چھٹیوں پر گئی ہوئی ہیں۔ کوئی خاص پڑھائی نہیں ہو رہی تھی اس لیے میں نے بھی چھٹی کر لی۔"

"تمہارے ابو ناراض ہو رہے تھے۔"

"ابو بس ناراض ہی ہوتے ہیں، کبھی خوش نہیں ہوتے اور مجھ سے تو بالکل بھی خوش نہیں۔ لگتا ہے انہیں بیٹے کی تمنا تھی اور آ گئی میں جب ہی مجھے دیکھتے ہی ان کی تیوری پر بل پڑ جاتے ہیں۔ کبھی جو پیار سے بات کی ہو مجھے تو لگتا ہے میں ان کی بیٹی ہی نہیں ہوں۔"

میں شاکی ہو کر بولے جا رہی تھی۔ یہ بھی نہیں دیکھا کہ امی ہاتھ روک کر مجھے دیکھ رہی ہیں۔

"سچ بتائیں امی! میں آپ دونوں کی ہی بیٹی ہوں یا....."

میری نظریں اٹھیں اور امی کو منہ کھولے اپنی طرف دیکھتے پا کر باقی بات میرے ہونٹوں ہی میں رہ گئی۔ نظریں بھی جھک گئیں۔

"تم ایسا بھی سوچتی ہو۔" امی کی حیرت میں ڈوبی آواز ابھری۔ "ہماری نہیں تو اور کس کی بیٹی ہو۔ کیا نام ہے تمہارا؟"

"خوش بخت....." میرا روٹھا لہجہ تھا۔

"اور میں اور تمہارے ابو کیا کہہ کر تمہیں پکارتے ہیں؟" امی کے سوال میری سمجھ میں نہیں آئے۔ جب ہی جواب کے ساتھ پوچھا۔

"خوشی.....خوشی پکارتے ہیں آپ دونوں مجھے لیکن آپ یہ کیوں پوچھ رہی ہیں؟"

"تاکہ تمہیں بتاؤں کہ تم ہماری واحد خوشی ہو۔ ہمارے دل کی خوشی۔ تمہیں دیکھ کر ہم جیتے ہیں اور تمہارے ابو کو جتنا تمہارا احساس اور خیال ہے' اتنا تو شاید مجھے بھی نہیں۔"

"بس رہنے دیں امی! مجھے نہیں یاد کبھی ابو نے مجھ سے پیار سے بات کی ہو، میری پسند ناپسند پوچھی ہو میں کیا چاہتی ہوں کیا نہیں۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بس اپنی مرضی اپنا حکم چلاتے ہیں۔" میں حد درجہ شاکی تھی۔

"بس ان کی اپنی منطق ہے۔ کہتے ہیں بیٹیوں کو زیادہ لاڈ پیار نہیں دینا چاہیے کیونکہ ہم نے ان کے نصیب کھول کر نہیں دیکھے۔ آگے جانے کن رویوں کا سامنا ہو تو لاڈ پیار میں پلی بیٹیاں نباہ نہیں کر سکتیں۔ اس لیے وہ ذرا....."

امی خاموش ہو کر پھیلاوا سمیٹنے میں لگ گئیں۔

"آپ رہنے دیں۔ میں کر لوں گی۔ ابھی کیا بھنڈی بنانی ہے۔" میں سبزی کی باسکٹ اٹھانے لگی لیکن امی نے منع کر دیا۔

"نہیں کھانا میں خود بناؤں گی، تم جاؤ اپنا کام کرو۔"

میں اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ امی کی باتیں سن کر دل بوجھل ہو رہا تھا۔ جب ہی پڑھنے میں دل لگا نہ کسی اور کام میں۔ کچھ دیر یونہی ادھر ادھر ٹہلتی رہی پھر بالکونی میں آ گئی۔ ابو کی غیر موجودگی میں ہی میں ادھر کھڑی ہو سکتی تھی۔ لیکن اس وقت یہاں بھی دیکھنے کو کچھ نہیں تھا۔ گرمیوں کی دوپہر سب اپنے

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

گھروں میں بند تھے۔ کمپاؤنڈ ویران پڑا تھا۔ میں ایک ہی نقطے پر نظریں مرکوز کیے دل گرفتہ سی کھڑی تھی۔ کہ امی اندر سے پکار کر بولیں۔

''خوشی وہاں گرمی میں کیوں کھڑی ہو۔ اندر آجاؤ۔''

میں سانس کھینچتے ہوئے پلٹنے لگی کہ نظریں دائیں سمت اٹھ گئیں وہاں بالکونی میں وہ کھڑا تھا۔

میرے دیکھنے پر فوراً پہلے اشارے سے سلام کیا پھر اپنے سر کو جگہ جگہ سے چھو کر غالباً یہ بتا رہا تھا کہ اسے پیاز اور ٹماٹر کہاں کہاں لگے ہیں۔ میری بے ساختہ ہنسی چھوٹ گئی تو میں بھاگ کر اندر آ گئی۔

☆☆☆

میری زندگی میں خوب صورت موڑ آ گیا تھا ویسا ہی جیسا میں افسانوں میں پڑھتی تھی۔ سچ مچ بے آب و گیاہ زندگی میں رنگ اتر آئے تھے۔ میں جو دوپہر میں سونے کی رسیا تھی۔ اب انتظار کرتی کہ کب امی سوئیں اور جیسے ہی امی کی آنکھ لگتی میرے بالکونی کے چکر شروع ہو جاتے۔ لیکن وہ شاید جاب کرتا تھا جب ہی دوپہر میں نظر نہ آتا۔ اس کے باوجود میں چکراتی رہتی۔

ایک امید تھی' آس تھی۔ پھر دعائیں مانگتی اللہ کرے اسے فلو ہو جائے۔ بخار چڑھ جائے کچھ تو ہو جو وہ آفس نہ جا سکے۔ ہائے ظالم نے ایسا کیا کر دیا تھا کہ میری پیاری نیند مجھ سے روٹھ گئی تھی۔

☆☆☆

اس روز چھٹی کا دن تھا۔ میں سو کر اٹھی تو پتا چلا، ابو کسی کام سے گئے ہیں۔ میرا دل چاہا بالکونی کی طرف دوڑ لگا دوں۔ لیکن امی کی نظریں بھی بہت تیز تھیں۔ میں لاؤنج میں بیٹھ کر امی کو ادھر سے ادھر آتے جاتے دیکھنے لگی۔ پتا نہیں کن کاموں میں لگی تھیں۔ اچانک رک کر پوچھنے لگیں۔

''کیا ہوا ہے ایسے چپ چپ کیوں بیٹھی ہو۔''

''پھر کیا کروں؟'' میں اندر ہی اندر جل کر بولی

''وہ ٹب میں کچھ کپڑے بھیگے ہوئے ہیں۔ وہی کھنگال کر ڈال دو۔''

امی کہہ کر آگے بڑھ گئیں۔ اور میں اٹھی تو سستی سے تھی لیکن جب کپڑے بالکونی میں ڈالنے کا خیال آیا تو میرے اندر بجلی دوڑ گئی۔ جلدی جلدی کپڑے کھنگالے پھر لے کر بالکونی میں آئی تو وہ پہلے سے موجود بلکہ جانے کب سے انتظار میں کھڑا تھا۔ فوراً سلام کے ساتھ اشارے سے پوچھنے لگا۔

''کہاں غائب رہتی ہو؟'' میں نے سمجھ کر نفی میں سر ہلایا تو وہ کہیں ملنے کا اشارہ کرنے لگا۔ میں نے اور زور سے نفی میں سر ہلایا تو اپنا موبائل فون دکھا کر میرا نمبر مانگنے لگا۔ اب میں اسے کیسے بتاتی کہ ابو موبائل فون کے کتنے خلاف ہیں۔ میں اشارے سے کوئی بات بنانا چاہتی تھی کہ امی نے پکار لیا۔

''ڈال دیے کپڑے؟''

''جی جی.....!'' میں اسے ہاتھ ہلاتے ہوئے اندر آ گئی۔

ان چند لمحوں کی ہوائی ملاقات نے بجائے خوش کرنے کے مجھے مزید اداس کر دیا تھا۔ شاید اس لیے کہ دوبارہ ایسا موقع ملے نہ ملے۔ کیونکہ آج تو اتفاق سے ابو کام سے گئے ہوئے تھے۔ ورنہ اتوار کا سارا دن وہ گھر پر ہی ہوتے تھے اور باقی دنوں میں وہ نہیں ملتا تھا..... وہ جس کا میں نام بھی نہیں جانتی تھی۔ میں کیوں اس کے لیے بے چین ہو رہی تھی۔

اس رات میں نے خود کو بہت سمجھایا کہ مجھے اپنے قدموں کو یہیں روک لینا چاہیے۔ جانے وہ کون ہے، کیسا ہے اور کیا چاہتا ہے۔ میں خواہ مخواہ اس کے لیے پاگل ہو رہی ہوں اور آئندہ کے لیے خود سے عہد کیا کہ اب کبھی بالکونی کے چکر نہیں لگاؤں گی۔ اور پھر واقعی میں نے خود کو پابند کر لیا۔

ایک دن، دو دن، تیسرے دن شام کی چائے بناتے ہوئے میں اپنے ہی خیالوں میں گم تھی کہ باتوں کی آواز پر چونک گئی۔ فوراً کچن کے دروازے میں آ کر دیکھا۔ امی دو لڑکیوں کے ساتھ وہیں لاؤنج

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

میں بیٹھ رہی تھیں۔ یقیناً اسی بلڈنگ یا ساتھ والی بلڈنگ سے آئی ہوں گی۔

بہرحال میں نے امی کے کہنے سے پہلے ہی کیتلی میں مزید پانی ڈال دیا اور ٹرے میں دو اور کپ رکھ دیے۔ ساتھ کچھ خاص تو نہیں تھا بس بسکٹ اور تھوڑی سی نمکو تھی۔ وہی چائے کے ساتھ رکھ کر لاؤنج میں لے آئی۔ تو امی نے حیرت سے مجھے دیکھا کیونکہ انہیں ہر بات مجھے کہنی پڑتی تھی۔

''یہ میری بیٹی ہے خوشی.....!'' امی نے تعارف کرایا تو ایک لڑکی جو غالباً باتونی تھی شروع ہوگئی۔

''میرا نام حنا ہے اور یہ میری بہن سونیا۔ ہم ادھر دائیں طرف جو اپارٹمنٹس ہیں، وہاں رہتے ہیں۔'' پھر امی سے مخاطب ہوگئی۔ ''آنٹی! ہم بہت دنوں سے آنے کا سوچ رہے تھے لیکن دن میں گرمی بہت ہوتی ہے۔ اور شام میں گھر کے کام۔ آپ آئیں ناں ہمارے ہاں۔''

''ہاں بیٹا! تم یہ لو ناں.....'' امی نے نمکو کی پلیٹ اٹھا کر ان کے آگے رکھی۔

''شکریہ مجھے نمکو بہت پسند ہے لیکن یہ سونیا.....''

''پڑھتی ہو.....'' میں نے اس کی زبان پر بند باندھ دیا۔

''جی فرسٹ ایئر میں ہوں۔''

''اور سونیا آپ .....؟'' میں نے دوسری کو دیکھا۔

''میں تھرڈ ایئر میں ہوں اور آپ.....؟''

''فورتھ ایئر.....'' میں نے مختصر جواب دیا تو وہ پوچھنے لگی۔

''اس کے بعد کیا ارادہ ہے؟''

''دیکھو ابھی کچھ طے نہیں کیا۔''

''کیوں ایگزام تو ہونے والے ہیں۔''

''ہاں اگر ابو نے اجازت دی تو ماسٹرز کروں گی ورنہ پھر گھر داری۔''

میں خود ہی ہنسی تھی۔ اور امی غالباً اس خیال سے کہ کہیں میں ابو کے خلاف نہ بولنے لگوں، سونیا کو اپنی طرف متوجہ کر کے پوچھنے لگیں۔

''تم کتنے بہن بھائی ہو.....؟''

''چار، دو بھائی اور ہم دو بہنیں۔''

''ماشاءاللہ تم بڑی ہو سب سے؟'' امی ایسی ہی باتیں کر سکتی تھیں۔

''نہیں آنٹی! دونوں بھائی بڑے ہیں۔ پھر میں اور آخر میں یہ جو بکری کی طرح ممکو چر رہی ہے۔'' سونیا نے کہنے کے ساتھ حنا کو کہنی ماری تھی۔

''بھائیوں کی شادی ہوگئی؟'' اف یہ خالص گھریلو باتیں۔ میں نے امی کو اشارہ کیا لیکن وہ میری طرف دیکھ ہی نہیں رہی تھیں۔

''نہیں آنٹی! اب ان شاءاللہ بھائی جان کی شادی کریں گے۔ اصل میں ایک فلیٹ میں تو سب نہیں رہ سکتے ناں۔ بھائی جان نے اپنا فلیٹ بک کرایا ہوا تھا۔ اب اس کا قبضہ ملا ہے تو اب ان کی شادی کا پروگرام ہے۔'' سونیا نے تفصیل سے بتایا تو امی اچھا اچھا کر کے پوچھنے لگیں۔

''تو تمہارے بھائی شادی کرتے ہی الگ ہو جائیں گے؟''

''الگ کیا آنٹی! آمنے سامنے ہی تو فلیٹ ہیں ہمارے، آپ اپنی بالکونی سے دیکھیں تو دائیں طرف سامنے نظر آتے ہیں۔ ایک ہمارا ہے، دوسرا بھائی جان کا اور بھائی جان نے تو ابھی سے وہیں ڈیرا جما لیا ہے۔'' سونیا نے جس سمت اشارا کیا تو میرا دل ساری بندشیں توڑ کر مچلنے لگا۔

''تو یہ اس کی بہنیں ہیں۔''

میں جو اکتائی بیٹھی تھی امی کو دیکھنے لگی کہ وہ کچھ اور پوچھیں اس کا سارا شجرہ نسب کھنگال ڈالیں لیکن امی کو اچانک جانے کیا کام یاد آ گیا اٹھتے ہوئے بولیں۔

''اچھا بیٹا تم لوگ باتیں کرو میں ذرا.....''

''بس آنٹی! اب ہم بھی چلتے ہیں۔'' سونیا فوراً کھڑی ہوگئی۔

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

''ارے کیوں؟ بیٹھو ناں'' میں نے کہا تو وہ مسکرا کر بولی۔

''پھر آئیں گے تم بھی آنا اور آنٹی آپ بھی آیئے گا۔''

امی سر ہلانے لگیں۔ میں انہیں دروازے تک چھوڑ کر واپس آئی تو امی کہنے لگیں۔

''اچھی لڑکیاں ہیں۔ میل جول رکھنا چاہیے پر تمہارے ابو کہاں رکھنے دیتے ہیں۔''

اور میں اس بات پر کڑھتے ہوئے اپنے کمرے میں آ گئی۔

☆☆☆

زندگی میں پھر تھوڑی ہلچل در آئی تھی۔ سونیا اور حنا سے میری اچھی خاصی دوستی ہو گئی۔

وہ دو تین بار آئیں۔ مجھے بھی بلاتیں لیکن میں کوئی نہ کوئی بہانہ کر دیتی کیونکہ پتا تھا ابو کبھی نہیں جانے دیں گے۔ لیکن شاید امی نے ڈھکے چھپے لفظوں میں بتا دیا تھا کہ ابو ہمارا کہیں آنا جانا پسند نہیں کرتے تو اس روز وہ چھٹی کے دن آ گئیں۔

ابو گھر پر تھے۔ میرا ڈر کے مارے برا حال تھا ان کے سامنے تو شاید کچھ نہ کہیں لیکن ان کے جانے کے بعد میری شامت آنے والی تھی۔

دونوں بہنوں کو میں اپنے کمرے میں لے آئی اور دبی آواز میں باتیں کرنے لگی۔ سونیا کیونکہ تقریباً میری ہم عمر تھی۔ اس لیے میں زیادہ اس سے ہی بات کرتی تھی۔ اور حنا چلبلی تھی۔ کچھ دیر ہی ہمارے ساتھ بیٹھی پھر امی کے پاس جانے کا کہتے ہوئے میرے کمرے سے نکل گئی۔

سونیا آج اپنے ہاں میلاد کا بلاوا دینے آئی تھی اور بہت اصرار کر رہی تھی کہ میں ضرور آؤں اور میں نے مروتاً ہامی بھر لی۔

پھر جب وہ جانے لگی تو میں نے دیکھا حنا ابو کے پاس بیٹھی مزے سے ان کے ساتھ باتیں کر رہی تھی۔ جب سونیا کو دیکھا تو ابو سے پھر جلدی آنے کا کہہ کر اٹھ گئی۔

میں دونوں بہنوں کو دروازے تک چھوڑ کر فوراً اپنے کمرے میں بھاگ جانا چاہتی تھی کہ ابو نے پکار لیا۔

''کہاں رہتی ہیں یہ لڑکیاں.....؟''

''جی بتا رہی تھیں یہیں آس پاس کی کسی بلڈنگ میں۔'' ابو کے سامنے میرا سارا اعتماد ہوا ہو جاتا تھا۔

''ہوں فلیٹوں کی یہی بات اچھی ہے اندر ہی اندر سب مل لیتے ہیں باہر نہیں جانا پڑتا۔''

ابو غالباً اپنے آپ سے ہی بولے تھے۔ کیونکہ میری طرف دیکھا نہ مجھ سے تائید چاہی اور میں کچھ دیر رک کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

بند کمرہ جہاں کھڑکی نہ کھلے تو ہوا کا گزر بھی نہیں ہوتا تھا پھر بھی میری سانس یہیں بحال ہوتی تھی۔

بہر حال اگلے دن میں کالج سے لوٹی تو امی کہنے لگیں۔

''کھانے کے بعد سونا مت' میلاد میں جانا ہے۔''

''ہیں!'' میں کمرے میں جاتے جاتے رک کر بے یقینی سے امی کو دیکھنے لگی۔

''ہاں وہ کل لڑکیاں بلاوا دے گئی تھیں ناں۔ تم سے نہیں کہا سونیا نے؟'' امی نے بتا کر پوچھا تھا۔

''کہا تو تھا لیکن ابو.....!''

''ان سے میں نے پوچھ لیا تھا۔ منع نہیں کیا انہوں نے۔ کہہ رہے تھے' یہاں آس پاس جانے میں کوئی حرج نہیں۔ سب مل جل کر رہتے ہیں، بس یہ کہ زیادہ کسی کے ساتھ۔''

میں امی کو بولتے چھوڑ کر کمرے میں آ گئی مجھے واقعی خوشی ہو رہی تھی۔ بھوک بھی یاد نہیں رہی۔ حالانکہ پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے۔

میں اپنی الماری کھنگالنے لگی۔ گزشتہ سال کالج فنکشن میں میں نے گلابی جوڑا پہنا تھا۔ سب نے بہت تعریف کی تھی کہ مجھ پر یہ رنگ بہت جچتا ہے۔ ابھی بھی میں نے گلابی رنگ کا سوٹ نکال لیا۔ گو کہ میں بہت زیادہ تیار نہیں ہوتی تھی۔ میک اپ کے نام پر لپ اسٹک اور کاجل اس کے علاوہ کچھ نہیں اور

www.pakistanipoint.com

جیولری تو امی پہننے ہی نہیں دیتی تھیں لیکن آج جانے کیا ہوا جب ہم نکلنے لگے تو امی نے اپنے ٹاپس خود ہی میرے کانوں میں ڈال دیے پھر نظر بھی اتارنے لگیں۔ میری ہنسی چھوٹ گئی۔

''اف امی ایسی کوئی حور پری نہیں ہوں میں جو نظر لگ جائے گی۔''

''اچھا چل.....!'' امی نے میرے کندھے پر ہاتھ مار کر مجھے آگے کیا۔

پھر اس کی بلڈنگ کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے میرا دل ایک انجانے احساس سے دھڑکنے لگا تھا۔ مجھے ڈر لگنے لگا کہیں اس احساس کا رنگ میرے چہرے کا احاطہ نہ کرلے۔ میں نے ایک طرف سے دوپٹہ کھینچ کر اپنا آدھا چہرہ چھپالیا تھا۔ سونیا دروازے پر ہی مل گئی مجھے دیکھ کر بے ساختہ بولی تھی۔

''ارے واہ! تم تو پہچانی ہی نہیں جارہیں۔''

پھر شکر کہ فوراً امی کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔

''آیئے آنٹی۔ بہت خوشی ہوئی آپ آگئیں آیئے میں آپ کو اپنی امی کے پاس لے چلوں۔''

امی اس کے ساتھ اور میں امی کے پیچھے چل پڑی۔ سونیا کی امی سے مل کر میں کچھ دیر ہی ان کے پاس بیٹھی پھر سونیا کے بلانے پر لڑکیوں کے پاس آ گئی۔ جو یقیناً آس پاس کے فلیٹوں سے آئی تھیں۔

سب سے تعارف ہوا پھر میلاد شروع ہوگیا۔ اس دوران میرا دھیان بار بار ادھر ادھر بھٹکتا رہا۔ لیکن خواتین کی محفل تھی اس لیے کسی صنف مخالف کی جھلک تک نظر نہیں آئی اور میں تقریباً مایوس ہوگئی تھی۔ پھر میلاد کے بعد جب کھانا لگنے لگا تو میں سونیا اور حنا کی مدد کے لیے اٹھ گئی۔ سونیا سامنے والے فلیٹ سے پلیٹیں لے کر آرہی تھی۔ میں نے اس کے ہاتھ سے لینی چاہیں تو وہ عجلت میں کہتی آگے بڑھ گئی۔

''تم وہاں سے ڈشز لے آؤ۔''

''وہاں سے۔'' میں نے سامنے کھلے دروازے کو دیکھا تو اندر سے حنا کی آواز آرہی تھی۔ میں بھی سونیا کی طرح عجلت میں ادھر جاتے ہی رک گئی۔ سامنے حنا کے ساتھ وہ کھڑا تھا۔ مجھے دیکھ کر چونکا پھر فوراً ترنگ میں آگیا۔

''وہ آئیں گھر میں ہمارے، خدا کی قدرت ہے۔''

''یا اللہ.....!'' میں گھبرا کر پلٹنے کو تھی کہ حنا نے پکار لیا۔

''آؤ خوشی! رک کیوں گئیں؟''

''وہ ڈشز.....'' میرے حلق سے بمشکل آواز نکلی تھی۔

''ہاں یہ لے جاؤ.....'' حنا نے ڈشز اٹھا کر میری طرف بڑھائیں تو مجھ سے پہلے وہ جھپٹ کر بولا۔

''کیا کررہی ہو حنا! مہمانوں سے کام۔''

''افوہ بھائی جان! یہاں کوئی مہمان نہیں ہے۔ لائیں دیں میں لے جاتی ہوں۔''

حنا اس سے لے کے چلی گئی میں بھی اس کے پیچھے جارہی تھی کہ وہ پکار کر بولا۔

''سنیں، آپ یہ لے جائیں۔'' میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ جگ اور گلاس میری طرف بڑھا رہا تھا۔ میں نے بڑھ کر جگ تھاما تو مسکرا کر بولا۔

''تو خوشی نام ہے آپ کا۔''

''جی نہیں خوش بخت۔'' میرے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

''اور خوشی.....؟''

''خوشی میں اپنے ماں باپ کے لیے ہوں۔'' میرا اعتماد لوٹا تو میں قدرے اترائی تھی۔

''اوروں کے لیے کیوں نہیں؟'' اس نے میری آنکھوں میں جھانکا تو میں اس کے ہاتھ سے گلاس لے کر چل پڑی۔ پیچھے سے وہ پکار کر بولا تھا۔

''سنو.....خاکسار کو آصف کہتے ہیں۔''

☆☆☆

''آصف! آصف! دھڑکنوں میں یہ نام کیا ب کہ میری کھڑکی میں جگنوؤں کے قافلے اترنے لگے میں نے مسکراتے ہوئے انہیں دیکھا پھر پلکیں مون لیں۔ اب میرا دل چاہ رہا تھا کوئی مجھے اس کے نا

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

سے چھیڑے اور میں خوب کھلکھلاؤں۔ دل کی بنجر زمین پر اچانک برسات نے ایک سماں جو باندھ دیا تھا۔ لیکن وہی ابو کا ڈر کہ اپنے جذبوں کو میں خود سے بھی چھپانے پر مجبور تھی۔ لیکن تاڑنے والے بھی قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔

کالج میں میری واحد دوست فریحہ بریک ٹائم میں مجھے کھینچتے ہوئے لان کے گوشے میں آئی اور اپنے ساتھ مجھے بھی بٹھاتے ہوئے میرے بازو میں زور سے چٹکی کاٹ کر بولی۔

''مجھ سے بھی چھپاؤ گی۔''

''کیا.....؟'' میں ایک دم بوکھلا گئی۔

''انجان بننے کی کوشش مت کرنا۔ تمہاری اپنے آپ دبی دبی مسکراہٹیں سارے راز فاش کر چکی ہیں۔'' اس نے کہا تو میں خائف ہوگئی۔

''سچ کہہ رہی ہو۔''

''بالکل سچ۔''

''ہائے فری! میں تو مر جاؤں گی۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے اگر ابو کو۔''

''ابو کو پتا چلنے کی نوبت ہی نہیں آنی چاہیے۔'' فریحہ میری بات کاٹ کر کہنے لگی۔ ''میرا مطلب ہے تم اس سے پہلے ہی اپنا معاملہ سیٹ کر لو یعنی اس سے کہو۔ فوراً رشتہ بھیج دے۔''

''اف!'' میں نے اپنا سر پیٹ لیا۔

''میری اس سے بات کہاں ہوتی ہے بس دور سے دیکھ کر السلام علیکم، وعلیکم السلام۔''

''ہاہاہا..... کہاں رہتا ہے؟'' فریحہ نے زور سے ہنس کر پوچھا۔

''ہمارے سامنے والے بلاک میں.....'' میرا روٹھا انداز اس کی ہنسی کا مرہون منت تھا۔

''تو فون کرو۔ اب کہو گی میرے پاس فون ہی نہیں ہے۔ یار یہ تمہارے ابو۔''

''ابو کو کچھ مت کہنا۔'' میں نے فوراً ٹوک دیا۔

''اچھا ایسا کرو نمبر دو۔ میں اپنے سیل سے تمہاری بات کروا دیتی ہوں۔'' فریحہ جیسے سارے معاملات ابھی کے ابھی طے کروا لینا چاہتی تھی۔

''نمبر نہیں ہے میرے پاس۔ وہ مجھ سے میرا نمبر مانگ رہا تھا۔ میں نے ٹال دیا۔ کیا کہتی، مجھے موبائل رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔'' میں اپنی بے بسی پر کڑھنے لگی۔

''چلو پھر کل اس کا نمبر لے آنا۔'' فریحہ کے لیے یقیناً یہ بہت آسان تھا جب ہی اتنے آرام سے بولی تھی۔

میں گہری سانس کھینچ کر خاموش ہوگئی۔ اب اسے کیا بتاتی کہ ہمارا روز سامنا نہیں ہوتا۔ ہفتے میں چھ دن میں پوری دوپہر بالکونی میں چکراتی رہتی ہوں اور ایک اتوار کا دن وہ سارا دن بالکونی کے چکر لگاتا ہے کہ شاید میں نظر آجاؤں لیکن میں ابو کی وجہ سے ادھر جا ہی نہیں پاتی۔

بہرحال انتہائی مایوسی کے باوجود میں یہ سوچتے ہوئے کالج سے گھر آرہی تھی کہ آصف سے اس کا نمبر کیسے لوں۔ سونیا اور حنا سے گو کہ اچھی دوستی ہوگئی تھی لیکن ان سے کیسے کہہ سکتی تھی۔ کسی بہانے سے ہی۔ اور کوئی معقول بہانا سوچتے ہوئے ہی میں ابھی اپنے فلیٹ کی چند سیڑھیاں چڑھی تھی کہ اچانک وہ سامنے آگیا۔

''آپ!'' میری دھڑکنیں بے ترتیب ضرور ہوئیں لیکن چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

''کہاں غائب رہتی ہو نظر ہی نہیں آتیں؟'' وہ مزید میرا راستہ روک کر کھڑا ہوگیا۔

''پلیز یہاں بات نہ کریں، کوئی آجائے گا۔'' میری گھبراہٹ سے محظوظ ہو کر بولا۔

''تو پھر کہیں باہر ملو ناں.....''

''نہیں، یہ ممکن نہیں ہے۔'' میں نے پلٹ کر دیکھا کہ کوئی آتو نہیں رہا۔

''پھر کیسے بات ہوگی؟''

''میں فون کرلوں گی۔ آپ اپنا نمبر دے دیں۔'' میں نے جلدی سے کہہ دیا۔

''لیکن حنا تو بتا رہی تھی تمہارے ہاں موبائل فون کا رواج نہیں ہے۔'' اس نے جتایا نہیں تھا پھر بھی مجھے عجیب سا لگا۔

www.pakistanipoint.com

''میں اپنی دوست کے نمبر سے.....'' جز بز ہو کر میں اسی قدر کہہ سکی۔

''کسی بھی نمبر سے فون کرو گی ناں؟'' وہ یقین چاہتا تھا۔

''جی.....کروں گی۔'' میں نے کہا تو اس نے میرے سینے سے لگی فائل کھینچ کر اس پر اپنا نمبر لکھ دیا۔

''میں انتظار کروں گا۔'' میں نے اثبات میں سر ہلا دیا اور اس کی سائیڈ سے نکل کر سیڑھیاں پھلانگتے ہوئے اوپر آ گئی۔ سانسیں پھولی ہوئی اور دل کا یہ عالم کہ پسلیاں توڑ کر باہر نکل آئے گا۔ دھم سے صوفے پر گری یہ بھی نہیں دیکھا وہیں امی بیٹھی تھیں۔ اچھل پڑیں۔

''ہائیں تمیز نہیں ہے تجھے۔ کتنی بار سمجھایا ہے لڑکیوں کو اٹھنے بیٹھنے، بولنے چالنے میں احتیاط برتنی چاہیے لیکن تیرے کان پر جوں نہیں رینگتی۔''

امی کا لیکچر شروع ہو گیا، میں بولنے کے قابل ہوتی تو جواب دیتی۔ سانسیں ہموار کرنے میں لگی ہوئی تھی اور میری غیر متوقع خاموشی پر ہی امی نے بغور مجھے دیکھ کر پوچھا۔

''کیا ہوا ہے؟'' میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''تیری سانس کیوں پھولی ہے؟''

''وہ ..... وہ۔'' میں سیڑھیاں پھلانگنے کا بتانا چاہتی تھی لیکن امی پہلے ہی متوحش ہو کر چلائیں۔

''اوئی اللہ، کہیں کتا تو پیچھے نہیں لگ گیا تھا۔ صبح سے سیڑھیوں کے پاس بھونک رہا تھا۔''

''ایں.....یں، یں۔'' میں نے بھیں بھیں رونا شروع کر دیا۔

''اری کہیں کاٹا تو نہیں۔'' امی مجھے ادھر ادھر سے چیک کرنے لگیں۔

''نہیں کاٹا۔'' میں چیخ پڑی۔

''پھر رو کیوں رہی ہے؟''

''تو کیا کروں۔ آپ ذرا بھاگ کر دکھائیں ایسے جیسے میں بھاگ کر آتی ہوں۔ سانس نہیں پھولے گی تو کیا ہوگا۔ شکر کریں سانسیں بند نہیں ہوئیں۔''

''اچھا بس چپ ہو جا۔ میں پانی لاتی ہوں۔''

''رہنے دیں۔ میں خود ہی پی لوں گی۔'' میں اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ پیچھے امی کتے کو کوسنے لگیں۔

''منحوس مارا جانے کدھر سے آ گیا۔ چوکیدار نے اسے اندر کیسے گھسنے دیا۔ کمیٹی والوں سے شکایت کرنی پڑے گی۔''

''سنا تم نے امی کمیٹی والوں سے شکایت کریں گی۔'' میں فائل پر لکھا نمبر دیکھتے ہوئے ہنسی تھی۔

پھر یہ آدھا دن اور پوری رات میری اب تک کی زندگی پر بھاری ہو گئے تھے۔ تمام رات میں خود سے باتیں کرتی رہی۔ اس سے یہ کہوں گی اس سے وہ کہوں گی اور وہ جانے کیا کہے گا وغیرہ وغیرہ۔ رات کے آخری پہر آنکھ لگی اس کے باوجود صبح جلدی اٹھ کر تیار بھی ہو گئی۔

''ہیں آج اتنی جلدی؟'' معمول سے ہٹ کر کوئی بات ہو اور امی نوٹس نہ لیں ممکن ہی نہیں تھا۔

''ہاں وہ آج پریکٹیکل ہے۔ اس لیے جلدی جا کر پریکٹس کر لوں گی۔'' میں بھی پہلے سے جواب سوچ چکی تھی۔ وہیں کھڑے کھڑے الٹا سیدھا ناشتا کیا اور شکر کہ اس وقت ابو واش روم میں تھے۔ وہ نہانے میں بہت دیر لگاتے تھے۔ میں ان کے نکلنے سے پہلے ہی امی کو خدا حافظ کہہ کر نکل رہی تھی کہ پیچھے سے امی کی آواز آئی۔

''کتے سے بچ کے جانا۔'' مجھے بڑے زور کی ہنسی آئی۔ راستے میں تو ضبط کرتی رہی لیکن کالج پہنچ کر خوب ہنسی۔

''نمبر لائی ہو.....؟'' فریحہ نے آتے ہی پوچھا۔

''ہاں.....''

''لاؤ دو.....''

''ابھی کیوں بریک ٹائم میں آرام سے بات کروں گی۔'' میں نے کہا تو وہ جھنجلا کر بولی۔

''پاگل، میں کون سا ابھی فون کر رہی ہوں، اس کا نیٹ ورک دیکھوں گی تاکہ پیکج کر لوں۔ پھر گھنٹہ بھر بات کر سکو گی۔''

''اچھا!'' میں نے فائل میں سے نمبر والی پرچی نکال کر اسے تھما دی۔

''وہ واٹس ایپ پر بھی تو ہوگا ناں؟'' فریحہ نمبر دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

Waqar Azeem
www.Pakistanipoint.com

"مجھے کیا پتا....."

"اچھا میں چیک کرلوں گی۔" فریحہ نے نمبر اپنے پرس میں رکھ لیا۔

پھر ہمیں پڑھنا پڑھانا کیا تھا۔ وقت گزاری کے لیے کلاسز اٹینڈ کیں۔ سارا وقت تو سر جوڑے سرگوشیوں میں باتیں کرتی رہی تھیں۔ خدا خدا کر کے وقت گزرا تو ہم دونوں وہیں لان کے گوشے میں آ بیٹھیں۔ فریحہ فوراً اپنا سیل فون۔ نکال کر آصف کا نمبر ملانے لگی۔ اور میں جو بڑی طرم خاں بن رہی تھی کہ اس سے یہ کہوں گی، وہ کہوں گی مارے گھبراہٹ کے میرے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے۔

"لو بیل جا رہی ہے۔" فریحہ نے سیل فون مجھے تھما دیا۔

میں نے کان سے لگایا۔ بیل جا رہی تھی پھر جیسے ہی اس نے ہیلو کہا میرے ہاتھ سے سیل چھوٹ گیا۔

"توبہ تم تو ایسے ڈر رہی ہو جیسے وہ ابھی اس میں سے نکل آئے گا۔ بات کرو۔" فریحہ نے دانت پیس کر موبائل میرے کان سے لگا دیا۔

"ہے.....لو۔" میرے گلے سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی تھی۔

"کون خوشی.....؟" ادھر غالباً وہ انتظار میں تھا بے تابی سے پوچھا۔

"جی....."

"مجھے یقین تو نہیں تھا کہ تم کال کرو گی پھر بھی صبح سے انتظار میں بیٹھا ہوں۔ کوئی کام ہی نہیں ہو پا رہا۔" اس نے کہا تو میں فریحہ کو دیکھنے لگی۔

"بولو ناں....." فریحہ مجھے ٹھوکا مارنے لگی۔ "بات کرو۔"

"کیا بات کروں....."

"اف.....؟" فریحہ نے سر پیٹا۔

"ہیلو خوشی کچھ کہو ناں۔" ادھر سے وہ پکار کر بولا۔

"جی وہ....." میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔

"اچھا یہ تمہاری دوست کا نمبر ہے۔" آصف نے شاید میری گھبراہٹ دور کرنے کے لیے پوچھا تھا۔

"جی....."

"اس سے پوچھو، میں اس کا نمبر سیو کرلوں۔"

"وہ پوچھ رہا ہے تمہارا نمبر سیو کرلے۔" میں نے فوراً فریحہ سے پوچھا تو وہ بے نیازی سے بولی۔

"کرلے۔ لیکن کال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔" میں نے اسے گھورا پھر موبائل کان سے لگا لیا۔

"جی کرلیں۔"

"اچھا اب یہ بتاؤ۔ کب مل رہی ہو؟"

"پتا نہیں۔"

"کیوں پتا نہیں۔ میں تمہارے کالج آ جاتا ہوں پھر وہاں سے....."

"نہیں نہیں۔ بالکل نہیں، بالکل نہیں۔" میں پیلی پڑ گئی۔

"کیوں نہیں۔ اتنا ڈرتی کیوں ہو۔ کسی کو پتا نہیں چلے گا۔" اس کی نرمی کے باوجود میری ہمت نہیں ہوئی اور بولی بھی سختی سے تھی۔

"پھر بھی نہیں۔ ایسا سوچیے گا بھی مت۔" اس کے ساتھ ہی میں نے لائن کاٹ دی تھی۔ یہ نہیں تھا کہ میں نے ابو کے ڈر سے منع کیا تھا بلکہ مجھے خود یہ بات پسند نہیں تھی۔

"کیا ہوا بند کیوں کر دیا۔ کیا کہہ رہا تھا؟" فریحہ نے میرے ہاتھ سے موبائل لیتے ہوئے پوچھا۔

"کہہ رہا تھا۔ کالج آ جاتا ہوں پھر کہیں باہر چلیں گے۔" میرے انداز میں ناراضی تھی۔

"تو پاگل ہو تم، منع کیوں کر دیا۔ اسی طرح تو بات بنتی ہے۔ ایک دو بار مل لو گی تو تمہاری جھجک بھی دور ہو جائے گی۔ ایمان سے اگر تمہاری جگہ میں ہوتی تو....." فریحہ بولے چلی جا رہی تھی۔ میں نے اس کی کسی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔

☆☆☆

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ میری ہر دوسرے دن فریحہ کے نمبر پر آصف سے بات ہو جاتی تھی اور گو کہ اب وہ باقاعدہ کہیں ملنے پر اصرار نہیں کرتا تھا لیکن باتوں میں اپنی خواہش کا اظہار ضرور کر جاتا

www.pakistanipoint.com

اور میں ہنس کر بات گھما جاتی۔ جبکہ خوابوں کی سرزمین پر میں اس کے ہاتھوں میں ہاتھ دیے چلتی تھی۔ سچ تو یہ ہے دل اس سے ملنے کی ترغیب دیتا بلکہ اکساتا بھی تھا لیکن دماغ کی دلیلیں زیادہ زور آور ہوتیں۔ جب ہی میں دل کو جھڑک کر خاموش کرا دیتی تھی۔ بہرحال ان دنوں میں خود پر بہت توجہ دینے لگی تھی۔ اور حیرت کی بات تھی کہ میری اس غیر معمولی سرگرمی پر امی نے مجھے ٹوکا نہیں۔ بلکہ مزید مشورے دینے لگی تھیں۔

''دھوپ میں رنگ سنولا جاتا ہے' کالج سے آ کر لیموں گڑ لیا کرو۔ رنگت نکھر آتی ہے۔'' امی کے سامنے تو میں نے یونہی بے نیازی سے سر جھٹکا لیکن ان کے مشورے پر عمل کر کے خود کو مزید چمکانے لگی۔

اس روز سونیا اور حنا آئیں تو دونوں بہنیں مجھے دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ فوراً تو کچھ نہیں بولیں لیکن پھر باتوں باتوں میں سونیا نے کہا تھا۔

''لگتا ہے تمہیں یہاں کا پانی راس آ گیا ہے۔''

''ہاں، میں بھی یہی دیکھ رہی ہوں۔'' حنا بھی بولی تھی۔

''کیسے؟'' میں سمجھ کر انجان بنی۔

''بھئی جب آئی تھیں تو ایسی فیئر اینڈ لولی تو نہیں تھیں' اب تو تمہارے چہرے پر نظر ہی نہیں ٹھہر رہی۔ سچ بتاؤ کیا لگاتی ہو؟'' سونیا کا تجسس چھپائے نہ چھپا۔

''کچھ نہیں' فرصت کہاں ملتی ہے ایسے چونچلوں کے لیے۔'' میں صاف مکر گئی۔ تب ہی امی چائے کے ساتھ نمکو وغیرہ لے آئیں۔ تو میں شرمندہ ہو کر بولی۔

''امی! مجھے پکار لیتیں۔''

''کوئی بات نہیں۔ تم سہیلیوں کے ساتھ باتیں کرو۔'' امی کہہ کر سونیا سے پوچھنے لگیں۔ ''اور بیٹا تمہاری امی ٹھیک ہیں۔''

''جی آنٹی آپ تو پھر آئی نہیں۔ امی آپ کو یاد کرتی ہیں۔'' سونیا نے کہا۔

''تو تم انہیں لے آتیں۔''

''بس آنٹی! کیا بتاؤں۔ امی کو ہر وقت بھائی جان کی شادی کی فکر رہتی ہے۔ ان کی شادی کرنے کے بعد ہی امی کو دوسرے کام یاد آئیں گے۔ ابھی تو وہ ہمیں بھی بھولے ہوئی ہیں۔'' سونیا آخر میں خود ہی ہنسنے لگی۔

''اب کیا دیر ہے۔ گھر تو تمہارے بھائی نے اپنا کر ہی لیا ہے۔'' امی وہیں بیٹھ گئیں۔

''پتا نہیں بھائی جان کیا چاہتے ہیں۔ کہتے ہیں لڑکی تو انہوں نے پسند کر لی ہے بس جلد ہی اس کا نام پتا بتائیں گے۔ اب پتا نہیں کب بتائیں گے۔ امی روز پوچھتی ہیں۔ مجھے تو لگتا ہے ایسے ہی خواہ مخواہ ٹال رہے ہیں۔'' سونیا امی کو بتا رہی تھی' ادھر میری دھڑکنوں نے مدھر تانیں چھیڑ دی تھیں۔

''کوئی نہیں ہر وقت تو فون پر لگے رہتے ہیں۔ میں نے خود سنا تھا۔ کہہ رہے تھے پھر کب مل رہی ہو؟'' حنا نمکو چرنے میں مصروف بولی تھی۔

''اف.....!'' میں گھبرا کر اٹھ گئی۔ ''امی! میں آٹا گوندھ لوں۔''

''نہیں تم بیٹھو بچیاں تم سے ملنے آئی ہیں۔'' امی کہتے ہوئے اٹھ کر چلی گئیں۔ تو مجھے بیٹھنا پڑا۔

''کبھی تم بھی چکر لگا لیا کرو ہماری طرف۔ بور نہیں ہوتیں سارا وقت گھر میں بند رہ کر۔'' سونیا نے شکایتی انداز میں ٹوکا۔

''کیا کروں' کالج سے آنے کے بعد کہیں جانے کی ہمت ہی نہیں ہوتی۔''

''ہم بھی کالج جاتے ہیں۔'' حنا اپنی مصروفیت ترک کیے بغیر بولی تھی۔ تو اب سونیا نے اسے ٹوک دیا۔

''بس بھی کرو کتنا کھاؤ گی۔ منہ نہیں تھکتا تمہارا۔''

''منہ کھانے کے لیے ہی بنا ہے۔ کیوں خوشی؟'' حنا نے مجھ سے تائید چاہی۔ میں ہنس پڑی۔

''اچھا خیر۔ ایسے تو تم آتی نہیں ہو لیکن بھائی جان کی شادی میں ہمارا پورا ساتھ دینا۔'' سونیا' حنا کو چھوڑ کر میری طرف گھوم گئی۔ میں نے بمشکل خود کو سنبھال کر سر ہلا دیا۔ تو وہ کہنے لگی۔

''خوب ہلا گلا کریں گے۔ بس انتظار ہے کب بھائی جان اپنی پسند بتاتے ہیں۔ جس دن بتائیں گے

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

ہم اس دن ڈھولکی رکھ لیں گے۔"

سونیا جوش سے بول رہی تھی اور میرے لیے اب دل کو سنبھالنا تقریباً ناممکن ہی ہوگیا تھا۔ جب ہی آئی امی، کہتے ہوئے اٹھ کر بھاگی تھی جبکہ امی نے پکارا نہیں تھا۔

اور اس رات میرے خوابوں کی سرزمین پر بڑی خوشگوار ہلچل مچی تھی۔ شجر، حجر، پھول، کلیاں سب مجھے دیکھ کر کھلکھلائے تھے اور میں شرمائی لجائی آصف کے سنگ کہاں سے کہاں نکل گئی تھی۔ آصف اپنے گھر والوں کو تجسس میں رکھے ہوئے تھا۔ جب وہ انہیں میرے بارے میں بتائے گا تو سونیا اور حنا کتنی حیران ہوں گی۔ ان کی حیرت سوچ سوچ کر میں مسکراتی رہی۔

☆☆☆

اگلے دن کالج پہنچتے ہی میں فریحہ کے سر ہوگئی۔

"آصف کو فون ملاؤ۔"

"ہیں صبح صبح خیریت تو ہے؟" فریحہ نے حیرت اور تشویش سے ٹوکا۔

"سب خیریت ہے۔ بس تم فون ملاؤ مجھے بات کرنی ہے۔"

"کیا بات.....؟" وہ اب شوخ، معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگی۔

"ٹھیک ہے مت ملاؤ۔" میں ناراض ہوگئی۔

"ارے رے۔" فریحہ فوراً اپنا بیگ کھول کر موبائل نکالنے لگی۔ میں ایسے ہی روٹھے انداز میں اسے دیکھتی رہی وہ بیگ کے ہر خانے میں ہاتھ مار رہی تھی پھر مجھے دیکھ کر مایوسی سے بولی۔

"سوری موبائل شاید گھر میں رہ گیا۔"

"شٹ.....!" میں نے ایک پیر زور سے زمین پر مارا پھر تیزی سے کلاس روم کی طرف بڑھ گئی۔

"اوفو اب میں کیا کروں۔ جان بوجھ کر تو نہیں چھوڑ کر آئی۔ غلطی سے رہ گیا۔" فریحہ میرے پیچھے بھاگتے ہوئے بولے جا رہی تھی۔

"تو میں کب تمہیں الزام دے رہی ہوں۔" میں نے رک کر کہا۔

"الزام نہیں دے رہیں منہ تو پھلائے ہوئے ہو۔"

"میری شکل ہی ایسی ہے۔" میں کہہ کر کلاس روم میں گھس گئی۔

☆☆☆

یونہی کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ آصف سے بات ہی نہیں ہو پا رہی تھی۔ ایک دو بار اس نے فون ریسیو کر کے بس اتنا کہا "میٹنگ میں ہوں۔" اس کے بعد کال ریسیو ہی نہیں کر رہا تھا۔

"لگتا ہے تمہارے آصف صاحب بہت مصروف ہوگئے ہیں۔" فریحہ مسلسل اس کا نمبر پش کرتی رہتی اور جواب نہ ملنے پر یہی کہتی پھر مجھے ہمدردی کے ساتھ تسلی دیتی۔

"بے چارہ شادی کی تیاریوں میں لگا ہوگا۔ تم دل برا مت کرو۔"

"کیا دل برا نہ کروں۔ میں اتنی پریشان ہوں۔" میں اس وقت روہانسی ہوگئی تھی۔

"کیوں، کیوں پریشان ہو بتاؤ....."

"بتایا تو تھا۔ امی ابو میری شادی کی باتیں کرنے لگے ہیں۔"

"باتیں ہی کر رہے ہیں ناں ابھی شادی تو نہیں کر رہے تمہاری۔" فریحہ جھنجلائی تھی۔ پھر خود ہی کہنے لگی۔ "ہاں یہ ہوسکتا ہے وہ باتوں باتوں میں تمہاری کہیں بات طے کر دیں۔"

"یہی تو میں کہہ رہی ہوں اور تم سمجھ نہیں رہیں۔" میں نے زور دے کر کہا۔

"اچھا سمجھ گئی۔ اب یہ بتاؤ تمہارے اماں ابا تم سے پوچھے بغیر تمہارا رشتہ طے کر دیں گے؟" اس کے پوچھنے پر میں سوچ میں پڑ گئی۔ پھر نفی میں سر ہلایا۔

"پتا نہیں....."

"ایک تو تمہیں کسی بات کا پتا نہیں ہوتا۔ خیر ایسا نہیں ہوگا۔ تم سے ضرور پوچھیں گے تب تم آصف کا نام لے دینا۔" فریحہ جتنے آرام سے بولی میں اسی قدر چیخ گئی۔

"ایسے کیسے اس کا نام لے سکتی ہوں۔ وہ کوئی پیش رفت کرے تب تو۔"

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

"ہم....." فریحہ چند لمحے سوچنے کے بعد پوچھنے لگی۔ "تم کہو تو اسے میسج کردوں کہ جب فارغ ہو کال کرے.....؟"

"ہاں کرو ابھی کرو۔" فریحہ نے میسج کر دیا تو پھر سارا وقت میں انتظار ہی کرتی رہی۔

کلاس روم میں بھی میرا دھیان فریحہ کے موبائل کی طرف ہی رہا جو بج کے نہیں دیا تھا۔ جب ہی کالج سے واپسی پر میں مایوسی، پژمردہ اور ان گنت واہموں، اندیشوں میں گھری ہوئی تھی۔ خود کو بہلانے کی سعی ہی کر رہی تھی کہ شاید وہ اپنے گھر والوں کو منانے میں لگا ہوگا۔ کیونکہ یہ ممکن تھا اس کے گھر والے اس کی شادی اونچے مال دار گھرانے میں کرنا چاہتے ہوں گے۔

بہرحال میری بھوک پیاس اڑ گئی تھی۔ گھر آتے ہی میں اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گئی۔ سچ تو یہ ہے مجھے بہت رونا آ رہا تھا۔ اور میں جی بھر کے رونا چاہتی تھی۔ لیکن پتا تھا ابھی امی سر پہ آن کھڑی ہوں گی اور ایسا ہی ہوا۔

"خوشی! ایسے کیسے لیٹ گئی ہو، پہلے کھانا تو کھالو....."

"بھوک نہیں ہے....." میں نے کروٹ بدل لی۔

"کیوں کیا کھالیا.....؟" امی کو بھلا کہاں چین آنا تھا۔

"کالج میں پیٹز کھا لیے تھے۔"

"لو ان سے کیا پیٹ بھرتا ہے۔ اٹھو کھانا کھاؤ پھر سونا۔ میں نے کریلے بنائے ہیں۔" امی نے مجھے میرے پسندیدہ کریلوں کا لالچ دیا۔

"جب اٹھوں گی تو کھالوں گی۔ ابھی مجھے نیند آ رہی ہے۔" میں نے بازو میں منہ چھپا لیا تو امی بڑبڑاتی ہوئی چلی گئیں۔ اور میرا تکیہ بھیگنے لگا۔

بے آواز آنسو بہاتے میں جانے کب نیند کی وادیوں میں اتر گئی۔

شام میں امی نے زبردستی مجھے اٹھایا۔ انہیں بس یہی فکر تھی کہ میں خالی پیٹ ہوں اور یہ بھی جانتی تھیں کہ میں اٹھتے ہی کھانا نہیں کھاؤں گی اس لیے چائے کے ساتھ اچھے خاصے ناشتے کا اہتمام کر لیا تھا۔ میں منہ ہاتھ دھو کر لاؤنج میں آئی تو پوری ٹیبل سجی تھی۔

"کوئی آ رہا ہے کیا.....؟" میں نے ناشتے کے لوازمات دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں بیٹھو کھاؤ تمہارے لیے ہے۔" امی نے کہا تو میں نے بحث نہیں کی نہ ہنسی، بیٹھ کر سموسہ اٹھا لیا اور ذرا ذرا سا کتر کر کھانے لگی۔

"تمہارے امتحان کب ہیں؟" یہ غیر متوقع سوال تھا۔

"کیوں.....؟"

"بس امتحان ہو جائیں تو پھر گھر بیٹھو۔ تھک جاتی ہو کالج جا آ کر۔ شکل بھی اتنی سی نکل آئی ہے۔"

امی میری محبت میں بولنے لگیں، میں نے کوئی جواب نہیں دیا، چائے کا کپ اٹھا کر ابو کے کمرے کی طرف دیکھنے لگی۔ جہاں سے بالکونی کا دروازہ نظر آ رہا تھا۔ دل چاہا ٹہلتے ہوئے وہاں تک چلی جاؤں۔ لیکن ابو کے آنے کا وقت تھا۔ اس لیے میں دل مسوس کر رہ گئی۔

پھر رات میں معمول کے مطابق میں اپنی کتابیں لے کر بیٹھ گئی۔ یہ محض دھوکا تھا۔ کیونکہ مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ ذہن اپنی سوچوں کے تانوں بانوں میں الجھا تھا کہ اچانک دل اس سے ملنے کی ترغیب دینے لگا، کہ شاید اسی لیے وہ بات نہیں کر رہا کہ میں کالج سے باہر ملنے کو منع کر دیتی ہوں اور اب دل اسی پر اکسانے لگا تھا۔ ایک بار مل لینے میں کوئی حرج نہیں۔

"نہیں، بالکل نہیں۔" دماغ دل کی نفی کرنے لگا۔ دونوں میں تکرار شروع ہو گئی اور ابھی یہ تکرار جاری تھی کہ کچھ شور کی آواز پر میں چونک کر کمرے کے کھلے دروازے سے ادھر دیکھنے لگی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو کمرے سے نکل آئی۔

"امی یہ....." کچن سے امی کو نکلتے دیکھ کر میں نے اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑیں۔

"ڈھولک بج رہی ہے۔"

"ڈھولک.....!" میرے دل پر تھاپ پڑی تھی۔ سونیا نے کہا تھا بھائی جان جس دن اپنی پسند بتائیں گے ہم اسی دن ڈھولکی رکھ لیں گے۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

"تو اس نے....." مایوسی پژمردگی یک لخت اڑن چھو ہوگئی اور میرے اندر شادیانے بجنے لگے۔

"تمہاری پڑھائی کا حرج ہو رہا ہوگا، ایسا کرو دروازہ بند کرلو۔" امی نے اپنے حساب سے سمجھ کر کہا تھا اور میں نے کمرہ بند کرتے ہی دھمال ڈالنا شروع کردی۔ کوئی آدھا گھنٹہ اچھل کود کرکے میں ہانپتے ہوئے بیڈ پر گری تو میرے ہونٹوں پر ہنسی پھوٹ رہی تھی۔

☆☆☆

اگلے دن میں وقت سے پہلے ہی کالج پہنچ گئی کیونکہ میں فریحہ کو بتانے کے لیے بے چین تھی۔ ایک وہی تو تھی جس کے ساتھ میں اپنے دل کی باتیں کرلیتی تھی۔ کل مجھے مایوس دیکھ کر وہ بھی پریشان ہوگئی تھی اور اب اسے خوش خبری سناؤں گی تو یقیناً وہ بھی خوش ہوجائے گی۔

کلاس روم میں کتابیں رکھ کر میں کاریڈور میں فریحہ کے انتظار میں کھڑی ہوگئی۔ وقت گزرتا جارہا تھا اور وہ پتا نہیں کہاں رہ گئی تھی پھر کلاس شروع ہوگئی تو مجھے مجبوراً کلاس روم میں جانا پڑا۔ گویا آج اس نے چھٹی کرلی تھی۔

"اف اسے بھی آج ہی چھٹی کرنی تھی۔" میں سارا وقت اسے کوستی رہی۔ کاش میرے پاس فون ہوتا تو اسے فون کرلیتی۔ اب کل کا انتظار۔

پھر کالج سے نکل کر وین میں بیٹھتے ہی میرا دھیان آصف کی طرف چلا گیا۔ اس نے شاید آج میرے فون کا انتظار کیا ہوگا۔ یہ بتانے کے لیے کہ اس نے اپنے گھر والوں کو میرے بارے میں بتادیا ہے۔ اب تک وہ مجھے سرپرائز دے گا۔ اور ممکن ہے آج میں اس کی امی اور بہنیں آجائیں۔

میں ایسی ہی خوش کن سوچوں میں محو تھی کہ اچانک [illegible] سے مجھے جھٹکا لگا تھا۔ بمشکل سنبھلتے ہوئے میں نے دیکھا وین سگنل پر رکی تھی۔ میرے ساتھ بیٹھی [illegible] کو کوسنے لگیں۔ غالباً بریک لگنے سے ان کا [illegible] سے ٹکرایا تھا۔ میں قصداً خاتون کی طرف [illegible] کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔

[illegible] ہو یا بارش اس شہر میں زندگی کہیں رکتی [illegible] نے فٹ پاتھ پر چلتے ہجوم کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

پھر اس سے آگے۔

اس سے آگے۔

"فریحہ۔ آصف.....!" میرا دل کسی اتھاہ میں ڈوبنے لگا اور پھر ڈوبتا چلا گیا۔ آئس کریم کارنر پر فریحہ اور آصف کھڑے تھے۔ دونوں کے ہاتھوں میں کون آئس کریم تھی اور یہ خیال کیے بغیر کہ دونوں کہاں کھڑے ہیں ایک دوسرے کو کھلا رہے تھے۔

بس چند لمحوں کو میری آنکھیں ساکت ہوئیں پھر دھندلا گئیں۔ اس کے باوجود میں دھند کے اس پار دیکھے جارہی تھی جہاں ان دونوں کی شکلیں بگڑ رہی تھیں۔ جیسے شفاف آئینے پر پانی گرنے سے منظر بگڑتے ہیں۔ اس طرح ان کے چہرے مکروہ لگ رہے تھے۔

سگنل کھل گیا۔ وین آگے بھاگنے لگی لیکن میری دھندلائی آنکھوں میں وہی مکروہ شکلیں تھیں۔ جن سے میں بھاگنا چاہتی تھی اور وین سے اتر کر میں سچ مچ بھاگ رہی تھی۔ سیڑھیوں پر بھی دم نہیں لیا۔ دو دو پھلانگتے ہوئے اوپر آئی اور امی کی گود میں ڈھے گئی۔

"ہائیں!" امی اچھلیں اور میں نے رونا شروع کردیا۔

"ارے کیا ہوا۔ خوشی میری بچی کیا ہوا۔" امی پریشان ہوکر میرا کندھا ہلانے لگیں۔ میں اور زور زور سے رونے لگی۔

"ارے بتاؤ تو کیا ہوا۔"

"میری سہیلی....." میرے منہ سے بمشکل نکلا تھا۔

"کہاں ہے تمہاری سہیلی۔ کیا ہوا اسے؟ ارے بتاؤ تو۔" جس قدر امی کی پریشانی بڑھی اسی قدر میرے رونے میں شدت آئی۔

"ارے خوشی، بتاؤ تو بیٹا، کیا ہوا تمہاری سہیلی کو۔" امی کو روہانسی آواز آئی تو میں ہچکیوں کے درمیان نفرت آمیز کڑواہٹ سے بولی تھی۔

"کم بخت مرگئی....."

☆☆

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

عمارہ خان

مڈل فیل

"مان جا سمی! مان جا....." زمانوں کی تھکن لیے لہجے میں اماں نے اپنی اکلوتی بیٹی کی منت کی۔

"ترس کھا ماں پر؟"

"ترس....." ثریا نے تڑپ کے ماں کو دیکھا جو بیٹی کی تکلیف محسوس کرنے کے باوجود اسے دور نہیں کر سکتی تھی۔

"چراغ سحری سے ضد نہ لگا۔ میری بچی!" اماں نے سسکتے ہوئے ہاتھ ہی جوڑ دیے۔ مرتے ہوئے کم از کم ماں کو یہ سکون دے دے کہ تو محفوظ ہاتھوں میں ہے۔ کیا تو چاہتی ہے۔ مرنے کے بعد بھی ماں بے سکون رہے۔

"اُف.....!" ثریا نے آنکھیں میچ کے کب سے رکے ہوئے آنسو بہا ڈالے۔

"نہ کر اماں نہ کر..... یہ نہ کرنا....." ثریا نے دل ہی دل میں ماں سے التجا کی۔ "دوبارہ اسی قیامت سے گزرنے کی ہمت تیری بیٹی کے اندر نہیں ہے اب۔"

"تو بس ایک بار ہاں بول دے۔" ثریا کی سماعت میں ماں کی بے بسی گونجی۔ "میرا دل گواہی دے رہا ہے بلو تجھے خوش رکھے گا۔ دیکھ ہر چیز جانتے ہوئے بھی چوکھٹ پکڑے بیٹھا ہے۔"

آس بھری نگاہوں سے ماں نے بیوگی کاٹتے بیٹی کو دیکھا۔

"ابھی تیری عمر ہی کیا ہے۔ اتنی لمبی زندگانی کس کے سہارے گزارے گی تو۔"

"سہارا....." ثریا کو اس لفظ سے اجنبیت سے محسوس ہوئی۔ ماں کے ہلتے لبوں کو دیکھتی ہوئی وہ بہت کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن.....

"اتنی محبت سے مانگ رہا ہے وہ تیرا ہاتھ تو دیکھ لینا ساری مشکلات ختم ہو جائیں گی۔"

اماں نے جان بوجھ کے ثریا کی خاموشی کو اہمیت نہیں دی۔

"کوئی بات نہیں زندگی میں بہت کچھ ہو جاتا ہے لوگوں کے ساتھ، اب کوئی جینا تھوڑی چھوڑ دیتے ہیں۔ ہے نا؟" اماں نے ثریا سے سوال کرتے خود ہی جواب دینا جاری رکھا۔

"اچھا تو میں اسے خبر کرواتی ہوں..... جلد از جلد تیری ذمہ داری سے نمٹ جاؤں ایک واری، پھر جب خدا چاہے بلا لے....."

اماں نے ایک نظر سر نیچے کیے ثریا پر ڈالی جو کچی زمین پر لرزتی انگلیوں سے نہ جانے کیا لکھے جا رہی تھی۔

"تو سکون سے بیٹھی رہنا میں آپے ہی بلو کو ساری بات بتا دوں گی..... لو وہ غیر تھوڑی ہے اپنا ہی خون ہے..... دیکھو تو کیسے مشکل میں کندھا دینے آ گیا۔ اس لیے تو کہتے ہیں اپنا مارتا ہے تو چھاؤں میں بھی ڈالتا ہے۔"

ہونٹ بھینچ کے ثریا نے گلے میں اٹکے ہوئے آنسوؤں کے گولے کو بمشکل اندر اتارا..... کاش وہ ماں کو یاد دلا سکتی۔ وہ اپنا تو کب سے تیری بیٹی کا ہاتھ مانگ رہا تھا لیکن.....

"میری ساری دعائیں تیرے ہی لیے ہیں۔ تو

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

نے میرا مان رکھا لیا..... کل سے حکیم صاحب کی باتیں ادھر چیک کے رہ گئی ہیں۔" اماں نے کھانستے ہوئے ایک ہاتھ سے پیشانی پر دھپ ماری۔

ثریا نے جان بوجھ کے ماں کو نہیں دیکھا کہیں، وہ مزید شرمندہ نہ ہو جائے۔

"یہ کم بخت سردی کو کھانسی جان لیوا بھی ہو سکتی ہے۔ پتا ہے تجھے..... پھر میں نے سوچا اگر مر ورگئی تو میری لاڈو کا کیا ہوگا۔

اے سمی..... تو دل سے راضی ہے نا....."

ایک دم اماں کو اپنے اکیلے بولنے کا احساس ہو ہی گیا۔ بے شک سامنے سر جھکائے ہوئے بیٹی کی خاموشی کو رضا مندی سمجھ لیا تھا لیکن اب اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کے لیے زبانی اقرار بھی حاصل کرنا چاہتی تھی۔

ثریا نے بے آواز چیخوں کا گلا مزید گھونٹتے ہوئے ہونٹ بھینچ لیے۔

"تجھے میری قسم سمی..... ہاں بول دے"
اب اس قسم کے بعد بچا ہی کیا تھا کچھ کہنے کو ثریا نے بہتی آنکھوں سے ماں کی تسلی کی خاطر سر ہلا دیا۔

☆☆☆

"چاچی! وہ اپنی رضا سے....." بلو عرف بلال نے جھجکتے ہوئے سوال پوچھا۔
"ارے ہاں پگلے.....!" اماں نے بیٹی کا گھر بسانے کے لیے بے ضرر غلط بیانی سے کام لینے میں کوئی ہرج نہیں سمجھا..... "وہ راضی ہے ایک دم۔"
"لیکن ایسے کیسے؟"
بلال نے سامنے رکھی ہوئی مٹھائی کی پلیٹ پر ایک نظر ڈالی اور دو دن پرانی ہی ثریا کی کہی تلخ باتوں کو یاد کیا۔
"تو چھوڑ یہ باتیں، لے لڈو کھا اور بتا اپنی دلہن کو لینے کب آئے گا؟" آنسو پیتی اماں نے مسکرانے کی کوشش کی۔
"اگلے جمعہ آجاؤں؟" بلال نے روانی میں پوچھ تو لیا لیکن اگلے ہی پل جھینپ گیا۔ سامنے بیٹھی ہوئی اپنی عمر سے کہیں بڑی لگنے والی، اب اس کی چاچی ہی نہیں ہونے والی ساس بھی تھی۔
"چاچی! وہ کچھ کپڑے وغیرہ....." بلال نے کچھ نوٹ بوسیدہ قمیص کی جیب سے نکالے..... تو ہی لے لینا جو لینا ہو۔"
ایک دم جلتی ہوئی لکڑیوں سے ایک چنگاری اڑ کے ماں کے پاؤں پر پڑی..... وہ چونک کے بلال کے ہاتھوں میں موجود مڑے تڑے نوٹ دیکھنے لگیں..... پچھتاوے کے ناگ ایک بار پھر ڈسنے کو آگئے تھے۔
"تو فکر نہ کر بلے..... میں سب دیکھ لوں گی تو کون سا غیر ہے..... یہ دیوار سے دیوار ملی ہے۔ سمی ادھر سے اٹھ کے تاؤ کے گھر تو جا رہی ہے کوئی کمی بیشی ہوئی دونوں مل کے بعد میں پورا کر لینا..... ہے نا؟"
اماں نے کھولتے ہوئے پانی میں چائے کی پتی ڈالی۔
"پھر بھی میں چاہتا ہوں سمی ان سے اپنی مرضی سے کچھ لے لے۔" بلال نے پیسے تائی کے قدموں میں رکھتے ہوئے دائیں بائیں دیکھا۔
"چاچی..... میں وہ....."
"اب کیا ہے بلے؟"
ابلتے قہوے سے نظریں ہٹا کے اماں نے اپنے ہونے والے داماد کو پیار سے دیکھا۔ کھوٹا سکہ ہی کام آیا آخر، وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں بیاہ کے پندرہ دن بعد سترہ سالہ اکلوتی بیٹی بیوہ عورت کی شکل میں گھر بیٹھی رہ جائے گی..... اور سدا کا آوارہ، نکھٹو بلال جو نشئی جیٹھ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ وہ یکدم ساری فکر اپنے سر لے لے گا..... بیوہ کزن کی دل جوئی، چاچی کے آنسو صاف کرتا بلال اس گھر میں آہستہ آہستہ اپنی مضبوط جگہ بنا گیا تھا۔
ساری زندگی بری بھلی سننے والا، ایک دم خصوصی توجہ کے ساتھ وہ محبت حاصل کرنے لگا تھا جس کی خواہش وہ کم سنی سے کرتا تھا۔
گاؤں میں سب سے کم زمین بلال کی ہی تھی۔ اس کی ساری زمین باپ نے اپنے نشے اور جوئے میں لگا دی تھی۔ مرتے وقت وہ صرف اتنا ٹکڑا چھوڑ گیا تھا جو بلال جیسے اکیلی جان کے لیے کافی تھا۔ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بچ گیا تھا۔ لیکن اکیلے گھر میں کوئی عورت نہ ہو تو خالی اینٹوں کی چار دیواریں بھی ویران ہوتی ہے۔
اس کمرے میں بلال نے اپنی زندگی کے کافی ماہ و سال گزار لیے تھے۔ دیوار سے ملی دیوار کے پار ایک ہی خونی رشتہ تھا لیکن وہ کبھی سیدھے منہ بات کرنا پسند کب کرتا تھا۔ نرمی و پیار تو بہت دور کی چیز تھی۔ چاچی اسے بیماری کے وقت بھی چوکھٹ پار کرنے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔
لیکن بلال بھی کیا کرتا۔ چاچی کی نور نظر ثریا کب اس کو بھا گئی تھی۔ کسی کو معلوم نہیں ہوا بلال خاموشی سے اپنے من مندر کی سب سے اونچی استھان پہ اپنی

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

کزن کو بیٹھے دیکھتا رہا۔

اماں کو جیسے ہی بلال کی نظروں کے زاویے بدلتے محسوس ہوئے اس نے اپنا رویہ مزید سخت کرلیا۔ ذات برادری کے خوف سے وہ یتیم بچے کی تھوڑی بہت کفالت تو کرتی تھی لیکن یہ نہیں ہوسکتا تھا اپنی میٹرک پاس پڑھی لکھی بیٹی کا رشتہ وہ مڈل فیل سے کردیتی.....

اس سے پہلے کہ سمی کا دل بھی بلال کی جانب لپکتا اماں نے فوراً ہی گاؤں سے چار میل دور اسکول کے ریاضی استاد کا رشتہ سمی کے لیے قبول کرلیا.....دس دن میں چٹ منگنی پٹ بیاہ۔ بلال دل کی بات دل میں لیے رہ گیا۔

لیکن.....لیکن قسمت کو کیا کہیں کہ شادی کے بعد میکے سے واپس لے جانے کو آنے کا والے داماد کی سائیکل تیز رفتار ٹرک کی نذر ہوگئی۔

سائیکل کے ساتھ داماد کا جسم بھی ٹوٹ پھوٹ گیا۔ ثریا کے ہاتھوں کی مہندی اس کی کچھ ہی دن کی شادی کا آخری سنگھار ثابت ہوا.....کمسن بیوہ لوگوں کی ترس کھاتی نگاہوں کا شکار بن گئی۔

ایسے میں کب سے ثریا کو دل میں بسائے بلال عدت پوری ہوتے ہی چاچی کی چوکھٹ پر جا بیٹھا اور آج دس دن بعد اپنے دل کی رضا پوری ہوتے دیکھ کر پتا نہیں کیوں اسے بے قراری سی تھی۔

''ارے بول بھی بلے.....!'' اماں نے ہونے والے داماد کی خاموشی محسوس کی۔

''میں سمی سے مل سکتا ہوں چاچی.....! اگر تو اجازت دے تو.....'' بلال نے جھجکتے ہوئے سرگوشی سی کی۔

''کیوں میری بات پر یقین نہیں تجھے۔''

اماں نے مسکراتے ہوئے سوال پوچھا۔ جب سے آوارہ بلال نے بیوہ بیٹی کے لیے سوال کیا تھا وہ اماں کو اچھا لگنے لگا تھا۔ رہی سہی کسر ابھی عزت اور مان دے کے پوری ہوگئی تھی۔

''نہیں نہیں چاچی! ایسی کوئی بات نہیں۔ قسم سے.....'' گھبراتے ہوئے بلال نے بے ساختہ اپنے دل کا وہم کہہ ڈالا.....

''بس ایک بار سمی سے پوچھنا چاہتا تھا وہ دل سے راضی ہے نا.....چاچی تجھ پر بھروسا ہے لیکن ابھی وقت ہی کتنا ہوا ہے اسے.....تو بے فکر رہ چاچی میں اسے کسی بات سے نہیں روکوں گا بے شک پڑھ لے آگے.....''

اماں کے دل میں ایسا سکون اترا کہ وہ بے اختیار بھیگی پلکوں سے عرش کو دیکھتی رہ گئی۔ بیٹی کی فکر کرنے والا آگیا تھا ماں کو اور کچھ نہیں چاہیے تھا اب۔

''جا جا کے پوچھ لے اس سے چھت پر ہوگی نمائی۔'' اماں نے ہاتھ کے اشارے سے چھت کی طرف اشارہ کیا۔

☆☆☆

''سمی.....!!''

دوبتے سورج کی لالی شفق پہ چھائی ہوئی تھی ایسے میں ثریا اکیلی چھت پر بیٹھی بے حد مختصر رفاقت کے ساتھی کو یاد کرنے کی کوشش کررہی تھی کہ اچانک آواز ابھری۔

''میں آجاؤں سمی؟'' بلال نے بت بنی سمی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''وہ چاچی نے تیرے سے.....'' بلال نے گہرے سکوت کو محسوس کیا۔

''میں جاننا چاہ رہا تھا کہ تجھے کوئی اعتراض تو نہیں۔''

''اب یہ مجھ سے اقرار محبت کروائے گا تاکہ اس کا احسان ہوجائے مجھ پر.....'' زمانے سے تنگ سمی نے اپنے اندر بے بسی کی لہر محسوس کی.....

''تو چاچی کے کسی دباؤ میں آکے تو.....'' بلال کو گھبراہٹ شروع ہوئی۔ اس نے گہری سانس بھری اور آخری بازی سمجھ کے داؤ کھیل دیا۔

''دیکھ تجھے پتا نہیں معلوم ہے کہ نہیں.....لیکن میں ہمیشہ سے ہی تجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا لیکن بیچ میں آگیا وہ استاد تو میں پیچھے ہوگیا.....کہاں وہ پڑھا

www.pakistanipoint.com

لکھا اور کہا میں مڈل فیل.....'' بلال نے دھیرے دھیرے بات شروع کی۔

''اب یہ مجھے بیوہ ہونے کے طعنے دے گا۔'' ثریا نے گھٹنوں میں سر دے دیا۔

''سمی میری بات کا یقین کر.....'' بلال نے بنا کسی ردعمل کے ثریا کو منہ چھپاتے دیکھا تو سمجھ گیا وہ سمی کو نہیں پا سکتا۔

''اگر تو یہ سمجھ رہی ہے کہ میں تم دونوں اکیلی عورتوں کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں تو قسم سے ایسی کوئی بات..... بلکہ میرے پاس جو اس گھر کا آدھا حصہ ہے وہ بھی میں تیرے نام کرنے کو تیار ہوں۔ میری وہ چھوٹی سی زمین بھی تو لے لے..... لیکن یہ مت سمجھ میں بھی اس مکان کے چکر میں ہوں۔''

ثریا نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا۔

''میں بس تجھے خوش دیکھنا چاہتا ہوں سمی! جیسے تو موسمی کے باغ میں گنگناتی تھی نا وہ سننا چاہتا ہوں۔ تیرے آنسو مجھے اچھے نہیں لگتے۔''

نظریں جھکائے بلال ثریا کی ہچکیاں باندھ گیا۔

''قسم اٹھوالے سمی! میں تجھے مجبور نہیں کر سکتا اس بیاہ کے لیے..... بس تو اگر دل سے راضی نہیں تو چھوڑ دے میں تیرا انتظار کر سکتا ہوں..... تو ابھی..... میں سمجھ سکتا ہوں۔''

بلال ثریا کی بلند ہوئی سسکیوں سے گھبرا گیا۔

''چاچی کی قسم..... میں دل سے تجھے اپنانا چاہتا ہوں۔ تجھے پسند کرتا ہوں۔''

''آئے ہائے اسے کیا ہوا؟'' اماں نے بیٹی کا بلند آواز میں رونا سنا تو فوراً لپکی..... ایسے تو بیوگی کے آنسو بھی نہیں تھے۔

''بول سمی کیا ہوا..... چھوڑ چل شادی کو جا تو بلے جا۔'' بیٹی کے بکھرنے پر اماں شرمندہ ہو چکی تھی۔ اماں نے بیٹی کو سینے سے لگایا۔

''مجھے معاف کر دے سمی!'' بلال نے فوراً جانے کے لیے پر تولے۔

''بس کر میری بچی..... بس بھی کر.....'' اماں نے گلوگیر لہجے میں کہا اور ثریا آنسو صاف کیے یہ محسوس کیے بنا کہ خود اس کی بھی آنکھوں سے لگاتار بارش ہو رہی ہے۔

کیا کہہ دیا ہے اس نے جو تو ایسے روئے جا رہی ہے۔''

''اماں.....'' ثریا نے ماں کے کان میں سرگوشی کی۔ ''روک لے اسے۔''

''ہیں.....!'' اماں نے بیٹی کے بکھرے بال پیچھے کیے۔ حیران ہو کے دیکھا۔

''میں راضی ہوں اماں۔''

زندگی کی نوید دیتی وہ آواز..... فضا میں تیرتی ہوئی بلال کے قدم لڑکھڑا گئی۔

''تو کیا بول رہی ہے سمی؟'' اماں نے ثریا کا بازو کچھ ایسے دبوچا کہ ان کی اپنی انگلیاں درد کرنے لگیں۔

''ہاں میں بلال سے شادی سے راضی ہوں۔''

''قسم کھا.....'' بلال پھرتی سے زقند بھر کے ثریا کے پاس جا بیٹھا۔

سرہلاتی دھیرے سے آنکھیں موندتی ثریا نے بلال کے چہرے پہ اترے رنگ، ماں کے چہرے پر پھیلتا سکون محسوس کر لیا تھا۔ وہ یہ سکون کسی صورت ختم نہیں کر سکتی تھی۔ یہ بتا کے کہ اس کے استاد شوہر نے شادی کے اگلے ہفتے اس شرط پر بھیجا تھا کہ..... اسے یہ گھر چاہیے تاکہ وہ اسے بیچ کے اسکول بنا سکے اور پیسہ کما سکے۔

وہ جواب لینے یا طلاق دینے ہی سمی کے پاس آ رہا تھا جب ٹرک نے اس کا پردہ رکھ لیا تھا۔

یقیناً..... اس پڑھے لکھے استاد کے آگے مڈل فیل بلال بہت اونچا تھا جو بیوہ چاچی کی بیوہ بیٹی کو عزت سے اپنانا چاہتا تھا۔

☆☆

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

بہنوں کا
شعاع
اپنا ماہنامہ

اپریل/مئی 2020ء
کے شمارے کی ایک جھلک

اپریل/مئی 2020
کا شمارہ شائع ہو گیا

- "کاسۂ دل" مدیحہ سعید کا مکمل ناول،
- "شاماں پے گئیاں" منشاء محسن کا مکمل ناول،
- ثمرہ بخاری، فرح بخاری اور حمیرا شفیع کے ناولٹ،
- افشین نعیم، ریحانہ چوہدری، سنیعہ عمیر، مدیحہ عارف، گل ناز اور شازیہ الطاف ہاشمی کے افسانے،
- "شہر تمنا" نعیمہ ناز کا ناول،
- ٹی وی فنکارہ "منی طارق" سے ملاقات،
- "دستک" معروف شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ،
- "جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے" قارئین کے تجربات،
- "پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں" احادیث کا سلسلہ،
- خط آپ کے، باتوں سے خوشبو آئے اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں،

شعاع ہر ماہ پوری محنت سے ترتیب دیتے ہیں، لیکن آپ کے خط ہمیں بتاتے ہیں کہ ہم اپنی محنت میں کتنے کامیاب ٹھہرے، ہمیں خط لکھنا نہ بھولیے گا۔

شعاع اپریل/مئی 2020 کا شمارہ آج ہی خرید لیں

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

ناولٹ

زارا ہنجرا

آسمانی رستے

کچھ لوگوں کو صرف اور صرف دوسروں کو حیران کرنا ہی کیوں آتا ہے بھلا؟ اور ان کچھ لوگوں میں سر فہرست نام فاران درانی کا ہے جو اول روز سے ہی مجھے حیران کرنے کے ساتھ ساتھ جانے کیا کچھ کرتا نظر آتا ہے۔

پہلی بار اگر میری یادداشت کمزور نہیں تو ہم لاہور کے میٹرو اسٹیشن پر ٹکرائے تھے، شیشوں والی طویل گیلری میں، جہاں میں خراماں خراماں واک کر رہی تھی.....اور اپنے محبوب ترین مشغلے میں مستغرق تھی، یعنی کہ فیس ریڈنگ (لوگوں کے چہرے پڑھنا) بچے، بوڑھے، جوان، دوشیزائیں، لمبے، ناٹے وغیرہ۔ کہیں جوانی کی لالیاں اور شرارتیں تھیں تو کہیں بڑھاپے کی جھریاں سفر در سفر، زندگی بھی میٹرو کا سفر ہی سمجھ لیں۔ ہر اسٹاپ پیچھے چھوڑتی۔ دھندلکے اور اداسیاں، الوداعی ہاتھ، میری نظریں گھومتی گھامتی اس چہرے پر ٹک گئی تھیں۔ خوب صورت ایشیائی نقوش، تھری پیس سوٹ، کوٹ بازو پر لٹکائے وہ زمانے بھر سے بے زار اور خفا نظر آتا تھا۔ جانے بے چارے زمانے سے خفگی لوگوں کو کیا مزہ دیتی ہے ہونہہ۔

میں پاس پڑا انگلش اخبار اٹھا کر سرخیوں پر نظر دوڑانے لگی تھی۔ ابھی میں ڈونلڈ ٹرمپ کے خلاف نیویارک میں اٹھنے والے فسادات کو پڑھ کر لطف اٹھا رہی تھی کہ میرا فون بج اٹھا تھا۔ جنوں بھوتوں والی

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

ہارر ٹیون نے میٹرو اسٹیشن پر کھڑے ہر ذی نفس کو دہلا کر رکھ دیا تھا۔ ایک موٹی آنٹی غصے سے پھٹ پڑی تھیں۔

"ناں یہ آج کل کی نسل میں تمیز نامی کوئی شے ہے بھی یا نہیں ..... غضب خدا کا یہ ڈائنوں والے الارم ..... توبہ توبہ میں تو پہلے ہی دل کی مریضہ ہوں بھلا میرا یہیں کھڑے کھڑے ہارٹ فیل ہو جاتا تو.....؟"

ان کے سوالیہ نشان نے مجھے تو ہرگز بھی متاثر نہ کیا تھا۔

"مگر آنٹی آپ کا دل بچ گیا ناں ..... فیل تو نہیں ہوا ناں۔"

"توبہ ہے کتنی گز بھر کی لمبی زبان ہے لڑکی کی۔"

میں سب چھوڑ چھاڑ عینی کی آواز کی طرف متوجہ تھی جو پھٹے ڈھول کی طرح میری ہی سماعتوں میں لگاتار چیخے جا رہی تھی۔

"فری ..... چینل کی طرف سے کال آ گئی ہے اور سر نے حکم دیا ہے کہ کل کے مارننگ شو میں ہی ہم نے شرکت کرنی ہے۔" مس تیز گام مجھے بدحواسیوں کے حوالے کر کے اب خود اکھڑے اکھڑے سانس لے رہی تھی۔

"کوئی شرم ہوتی ہے..... حیا ہوتی ہے کل ٹی وی پر لائیو پرفارمنس دینی ہے اور تو بی بی سی بنی مجھے اب انفارم کر رہی ہے۔ اللہ کرے تیرا کھٹ نہ رہوے عینی....."

"اچھا اچھا..... اب زیادہ دعائیں دینے کی ضرورت نہیں میرا دامن تنگ پڑ گیا ہے۔ فون رکھتی ہوں بیسٹ آف لک۔"

میں رسٹ واچ پر رونے والے انداز میں نظر ڈالتی سخت مغموم تھی۔ اتنا کم وقت رہ گیا تھا۔ عینی جیسی "خبیث روحیں" دوست ہوں تو یونہی عذاب میں مبتلا کرتی ہیں۔

لاہور کے لوگوں اور موسموں کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا جانے کب برس پڑیں۔ میٹرو اسٹیشن کے شیشوں پر ہلکی ہلکی بارش کی بوندوں کا رقص شروع ہو گیا تھا..... حبس کا زور دھیرے دھیرے ٹوٹنے لگا تھا..... لوگوں کے جوتوں سے ہوتی ہوئی میری نظریں تار سے لٹکتے ہوئے زرد بلب پر جا رکی تھیں۔ وہ بھی میرے خوابوں کی طرح اپنی عمر پوری کرنے کو تھا، خیر گہرا سانس لے کر میں نے پاس رکھی کتاب اٹھالی تھی جس جس لمحے میں نے اس بے جان کو تھاما تھا اس نے میرے لمس کو مایوس نہیں کیا تھا۔ میں بھول گئی تھی کہ میں اسٹیشن پر بیٹھی ہوں۔ آہستہ آہستہ سارے منظر دھندلکوں میں ڈوبتے گئے تھے آتے جاتے، رکتے

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

لوگ نہ تڑتڑ بارش برس رہی تھی۔ شیشوں سے جھانکتی نمی اور مختلف خوشبوؤں کا امتزاج، وقت زرد بلب کے گرد گھومنے لگا تھا اور میں اردگرد سے قطعی طور پر بے نیاز اپنے خیالوں میں گم تھی۔

کیا عجیب ہے کہ میٹرو کے شیشوں سے جھانکتی شریر بارش

کانچ توڑتی میرے بالوں کو سہلانے آئے
اور میں دھنوں کے شہر میں جا کر
اپنے سارے راز اور استعارے گم کر آؤں
کیا عجب ہو کہ میری واپسی کی ساری نشانیاں
خرگوشوں کی شرارتی ٹولیاں کھیل کھیل میں
بگاڑ کر رکھ دیں
اور میں گمنام شہزادی جنگل میں گم ہو جاؤں۔!!

☆☆☆

میں نے ہمیشہ دوسروں کو پہلی نظر میں ہی جج کرنے کا دعویٰ کیا ہے اور اس میں، میں کبھی کام بھی نہیں ہوا..... یہ میرا ذاتی خیال تھا۔ کار خراب ہونے کے علاوہ موسم کے تیور بھی جب بگڑے نظر آئے تو میں نے گاڑی سائیڈ پارک کرتے اور لاک کر کے باہر آتے ہوئے، آفس سے واپسی کا سفر میٹرو سے کرنے کا سوچا تھا۔

قرطبہ چوک والے اسٹیشن پر میں نے اسے پہلی بار دیکھا تھا اور دل میں طیش کی لہر اٹھی تھی۔ وہ جو "کوئی" بھی تھی، میز زاور اخلاقیات سے نابلد لگتی تھی۔ عام سے کپڑوں، پاجامے اور چکن کے لمبے کرتے کے ساتھ طویل و عریض دوپٹہ لہراتی وہ لوگوں کو اپنی خوردبین نظروں سے گھورتی عجیب سائیکو کیس نظر آتی تھی۔ اسٹیشن کے ہر بوڑھے، بچے، جوان کو اس نے اپنی قاتل اور خونخوار نظروں سے نروس کر رکھا تھا..... ہر کوئی نروس سا اپنے کپڑوں کے نادیدہ داغ صاف کرتا خائف ہو کر بھاگ رہا تھا۔ میں نے اکتا کر شیشوں کے پار نظر آتے بادلوں کی طرف نظر جمائی تھی۔

"بھاڑ میں جائے مجھے کیا..... جو بھی ہے محترمہ کھسکی ہوئی لگتی ہیں۔"

سکون کی دیواروں میں دراڑیں تب پڑی تھیں جب اس کے فون کی دہشت ناک کالر ٹیون نے بچوں کو ڈر کر ماؤں سے چپکنے پر مجبور کیا تھا۔

"کچھ لوگوں کو پہلی نظر میں ہی شوٹ کرنے کو دل کیوں چاہتا ہے۔" میں نے اسے شوٹنگ لسٹ میں رکھ لیا تھا۔

میں ہمیشہ ایک اسٹریٹ فارورڈ سا انسان رہا ہوں۔ زندگی میرے لیے کام، کام اور بس کام کے فارمولے سے آگے کبھی بڑھی ہی نہیں، میں نے ہمیشہ ایفی شینسی دکھاتے عجیب و غریب حرکتیں کر کے لوگوں سے توجہ حاصل کرتے لوگوں سے نفرت ہی کی ہے۔ جب دنیا اتنی تیز دوڑ رہی ہے تو وہاں ان فضولیات کی موجودگی چہ معنی دارد۔

کوٹ پکڑے میں کافی تھکن محسوس کر رہا تھا، ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا میں منرل واٹر کی بوتل منہ سے لگا کر پیاس بجھا رہا تھا..... شیشوں پر بارش کی بوندوں نے عجب خوش گوار انداز میں دستک دی تھی.....

اور اسی لمحے یوں لگا جیسے دھیرے سے، کسی نے خوابیدہ لمحے میں گٹار کے تاروں کو چھوا تھا۔ اگر زندگی میں مجھے اپنے کام کے علاوہ کسی شے سے "عشق" تھا تو وہ گٹار کی "دھن" تھی۔ وہ آواز جانے کہاں سے ہوا کے زور پر تیرتی ہوئی خوشبوؤں کے جزیرے سے سفر کرتی میٹرو اسٹیشن کی راہداریوں میں سحر پھونکنے آ گئی تھی۔ میں پتھر ہو کر رہ گیا تھا۔

☆☆☆

کھانے کی میز پر موجود ہر فرد نے سر اٹھا کر مجھے سخت ناپسندیدہ نظروں سے گھورا تھا..... یہ گھوریاں اور تیور برداشت کرتے کرتے میں پتھر ہو چکی تھی اور اس سب سے مجھے رتی برابر بھی فرق نہیں پڑا تھا۔ میں نے وہ کٹھن زمانے کب کے گزار لیے تھے جب لہجے، تیوریاں اور نفرتیں مجھے گھنٹوں سیڑھیوں پر بیٹھ کر رونے پر مجبور کرتے تھے۔ روز روز

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

کی حساسیت سے تنگ آ کر اور مشکلیں اتنی پڑیں کہ آساں ہو گئیں کے مصداق میں نے اپنے وجود کی عمارت کو خود ہی کھڑا کیا تھا اور ہر کسی کی پرواہ چھوڑ دی تھی۔

''بھاڑ میں جاؤ سارے..... فریحہ تم اب بچی نہیں رہیں..... ماں مری ہے ناں..... دنیا ختم نہیں ہو گئی۔''

امی کے گزر جانے اور سوتیلی ماں کے آنے کے بعد میں نے کسی حد تک خود کو طفل تسلیاں دے دے کر بہلانا سیکھ لیا تھا۔ میرے بہن بھائی (سوتیلے) مجھے ہر بار زک پہنچانے کی کوششوں میں لگے رہتے تھے۔

اور رہا ابو کا سوال تو انہیں دنیا جہان کی خبر ذرا کم ہی ہوتی تھی۔ وہ اپنے بزنس میں مگن رہتے تھے..... کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ پیسہ، گھر، گاڑی، اسٹیٹس ہی ایک اچھی اور پرسکون زندگی کے ضامن ہوتے ہیں.....؟

مگر نہیں یہ سب تو ثانوی چیزیں ہیں ان کے ہونے نہ ہونے سے کہیں کوئی بھی تو فرق نہیں پڑتا..... مجھے بھی نہیں پڑا تھا..... اور اسی بات کو لے کر میرے گھر میں گھمسان کا رن پڑتا تھا..... نتاشا امی، سارہ اور جلیس ہمیشہ مجھے کھانے کی میز پر ہی پکڑتے تھے اور اس ریپیڈ فائر کو ابو ذرا غور سے ہی سنتے تھے۔

''تم لوگوں کو، زمانے کو کیا دکھانا چاہتی ہو کہ تمہیں اس گھر میں اچھا کھانے، پینے کو نہیں ملتا.....؟''

''میں نے زمانے کو جا کر کبھی اس گھر کی شکایتیں نہیں لگائیں نتاشا امی۔'' ہر بار میرا لہجہ دھیما اور آواز نیچی ہوتی تھی۔

''تمہاری زبان کیوں اتنی چلنے لگی ہے فریحہ.....''

''آپ بات کو کیوں بڑھا رہی ہیں۔ میرے پہننے، اوڑھنے سے کسی کو مسئلہ ہے تو میں یہ مسئلہ ختم نہیں کر سکتی۔ جو میں پسند کروں گی اچھا لگے گا وہی پہنوں گی۔''

میں نے ڈنکے کی چوٹ پر کہہ دیا تھا۔

سارہ نے اسٹرابری سلش کا گلاس زور سے میز پر پٹخا تھا۔

''میری سہیلیاں سو سو باتیں کرتی ہیں..... تم ماسیوں والے کپڑے پہن کر سامنے آتی ہی کیوں ہو؟'' میرے دل کے اندر کہیں سے درد اور دھواں ساتھ ساتھ اٹھا تھا۔

''تمہیں ابھی تک دوست بنانے نہیں آئے سارو..... وہ ابھی بھی لوگوں کو ان کے پہناوے سے جج کرتے ہیں۔ مجھے تمہارے فرینڈ سرکل پر افسوس ہے۔'' سارہ کو چیخنا اور چلانا، فساد کرنا اچھی طرح آتا تھا۔

''دیکھیں ابو! فریحہ میرے فرینڈز کے بارے میں کس طرح باتیں کر رہی ہے؟''

''تمہیں اپنے دوستوں کی کتنی فکر ہے سارو..... یہ موسمی پرندے تمہیں کسی دن ضرور نقصان پہنچائیں گے۔''

تشویش کس سے ٹشو کھینچتی میں سکون سے باہر آ گئی تھی۔ کبھی کبھی ہم باہر کی دنیا کو کتنے پرسکون اور مطمئن نظر آتے ہیں مگر اپنی ذات کے اندر اٹھتے مدوجزر سے صرف انسان خود واقف ہوتا ہے کتنے ہی بے نشاں ایسے ہیں ناں۔

گریجویشن کے بعد میں نے کوکنگ کی کلاسز میں داخلہ لے کر ایک بار پھر گھر بھر میں بھونچال کھڑا کر دیا تھا۔'' اب اس گھر میں یہ باورچیوں والے کام بھی ہوں گے..... کس کی اجازت سے تم یہ کر رہی ہو؟''

''نتاشا امی کھانا پکانا ایک آرٹ ہے اور مجھے لگتا ہے کہ میں ایک اچھی شیف بن سکتی ہوں۔''

''اس خاندان کی عزت کو بٹا نہ لگاؤ تو تمہارے لیے بہتر ہوگا۔ اگر ایسے ہی کام رہے تو کوئی بیاہنے تک نہیں آئے گا..... اور مجھ میں تو اتنی سکت نہیں کہ

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

ساری عمر پرایا بوجھ ڈھوتی رہوں۔ سمجھیں۔"

زندگی نے کسی بھی مقام پر میری حمایت نہیں کی تھی۔ ابو نے اس شام مجھے سامنے بٹھا کر پوچھا تھا "تم کھانا پکانا سیکھ رہی ہو؟" میں نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا تھا۔

"جی ابو۔"

"مگر کیوں؟" کیوں والے سارے سوالات میرے حصے ہی کیوں چلے آتے تھے۔

"مجھے اچھا لگتا ہے، شوق ہے میرا۔"

اخبار پرے رکھتے وہ تاسف سے سر کو ہلانے لگے تھے۔

"فریحہ..... تمہارے شوق ایسے کیوں ہیں جو کبھی تمہیں فائدہ نہیں دیں گے..... سارہ اور جلیس کو دیکھو وہ سائنس پڑھ رہے ہیں اور تم نے آرٹس لے کر اپنا فیوچر تباہ کرلیا۔"

اس گھر کے دو افراد کی مثالیں اتنی بار میرے سامنے لائی گئی تھیں کہ میں اوب گئی تھی۔ کیا آپ کو سرور میں مبتلا نہیں کرتیں؟

کمرے کی کھڑکی میں کھڑی ہو کر میں دیر تک سوچتی رہی تھی۔ ڈپریشن، یاسیت کے ہر لمحے میں عینی میرے لیے اینٹی ڈپریشن کا کام دیتی تھی..... بے شک وہ ایک "خبیث روح" ہے مگر اس کی دوستی فرشتوں سے پاکیزہ ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کے بار بار دیے گئے طعنوں تشنوں کے باوجود بھی میں نے کبھی اس کی اہمیت تسلیم نہیں کی تھی۔

"عینی! میں تھک گئی ہوں۔" فرنچ فرائز کھاتے ہوئے میں نے کئی بار کا دکھڑا عینی کے سامنے رویا تھا۔

"کہاں بھاگتی رہی ہو جو تھک گئی ہو۔"

"تمہارے جیسا دوست اللہ کسی کو نہ دے جسے ہر بات کا مطلب سمجھانا پڑے..... ذلیل لڑکی۔"

وہ دوسری طرف سے ہنس دی تھی۔

"ڈھونڈو گے ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم۔"

اسے اپنے مطلب کے سارے اشعار اور اقوال زریں تو جیسے ازبر ہوتے تھے۔

"زندگی سے اتنی جلدی نہیں تھکا کرتے پاگل..... ہنسو بھاگو دوڑو..... تمہارے گھر کے لوگ تو تمہیں ہر بار ڈپریس کرتے رہیں گے۔ اپنی زندگی خود گزارو..... اوروں کی زندگیاں ان کے لیے کافی ہیں انہیں گزارنے دو۔ سمجھیں! ہمیشہ وہ ہی کرو جو تمہارا دل کرے..... ادھر ادھر کی آوازوں میں تم اپنے دل کی آواز کو کیوں دبا رہی ہو؟ تم لکھنا چاہتی ہو لکھو۔ شاعری تم پر مہربان ہو رہی ہے تو تم بھی اپنائیت دکھاؤ آرٹ محبت اور ریاضت سے ملتا ہے اگر یہی چلن اختیار کرو گی تو ٹھیک ورنہ ذات کی گمشدگی کے لیے بھول بھلیاں بہت ہیں۔"

ڈیسٹیل کارنیگی کی جانشیں مجھے یاسیت کے دائرے سے بڑی خاموشی اور سکون سے کھینچ لاتی تھی۔ دوستوں سے زندگی میں کتنا سکون ہوتا ہے ناں..... اداسی اور دکھ چوس لیتے ہیں۔ میں نے پھر بھی زندگی کی دوڑ میں خود کو گھسیٹ لیا تھا۔ مجھے شاعری سے عشق تھا۔ براڈنڈ کپڑوں سے میری جان جاتی تھی۔ اب بھی میں عینی کے ساتھ مل کر انارکلی کے بازار چھانتی تھی۔ زندگی میں کتنا حسن تھا۔ چھولے بٹورے کھاتے، لیمن سوڈا پیتے ہوئے میرا دل سارے اسٹیٹس بھول جاتا تھا۔

یہ تفریقات مجھے نہیں آتی تھیں۔ جو بھی تھا جس طرح بھی تھا میں نے اپنے آپ کو خوش رکھنا سیکھ لیا تھا.....!!!

☆☆☆

میری زندگی تب تک "آدم بیزار" ہی گزر رہی تھی جب تک جمشید عرف جامی نے میری زندگی میں قدم نہیں رکھا تھا..... ہم ایک بزنس ڈیل کے سلسلے میں ملے تھے اور پھر دوستی کے رشتے میں بندھ گئے تھے۔ جامی انتہائی سوشلسٹ، زندہ دل اور تفریح پسند انسان تھا اور وہ مجھے بھی اپنے ان ہی کارناموں میں ہر ممکن گھسیٹنے میں سرگرداں نظر آتا تھا۔

www.Pakistanipoint.com
Waqar Azeem

''یار! تم کیوں بوڑھی روح بن کر رہ گئے ہو۔ زندگی اچھی طرح گزارو کام کے علاوہ اپنے آپ کی بھی انسان کو اشد ضرورت ہوتی ہے۔''

میری زندگی کا ہر رشتہ اپنی اپنی جگہ سیٹ تھا..... خوش اور مگن بھی..... کبھی کبھی میں حیران ہو کر سوچتا تھا کہ دن رات محنت کر کے میں نے بزنس کھڑا کیا۔ بہنوں کی شادیاں کیں..... بھائیوں کو کاروبار کر کے دیا مگر انہوں نے تو جیسے مجھے یکسر ہی فراموش کر کے رکھ دیا تھا۔ اب چند ملازموں کے ساتھ اکیلے گھر میں تن تنہا رہنا کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا اور اگر ایسے میں جامی جیسے مخلص دوست کی ہمراہی میسر آ جائے تو زندگی کے ہنگاموں سے فائدہ نہ اٹھانا کفران نعمت کے سوا کچھ بھی نہیں.....

ویک اینڈ کی اس شام میں الحمرا مال روڈ پر ایک مشاعرہ کی تقریب کا انعقاد کیا تھا۔ جس وقت میں اور جامی پہنچے وہاں رنگ و نور کا سیلاب آیا ہوا تھا۔ قہقہے اٹھکھلیاں اور طویل روش کے گرد درختوں پر لٹکتے برقی قمقمے مختلف خوشبوؤں کے امتزاج نے عجیب فرحت انگیز تاثر چھوڑا تھا۔ مشاعرہ کی نظامت کرنے والے شخص نے اس کا نام پکارا تھا۔

اور یہ ''دوسری بار تھا کہ میں وہ چہرہ دیکھ رہا تھا۔ اسٹیج پر خود کو سمیٹ کر بیٹھی، مکمل سفید لباس میں ملبوس وہ اپسرا فریحہ قیوم ہی تھی۔

لمبا سا دوپٹہ گلے میں ڈالے، اور آبشار کی طرح گرتے سیاہ حسین بال..... اس ہجوم میں ہزاروں دلکش و حسین چہرے تھے مگر وہ ان سب میں عجب انداز سے منفرد اور شاہانہ نظر آ رہی تھی۔ اس کے لبوں سے نکلتے لفظوں نے سحر طاری کرنا شروع کر دیا تھا۔ موبائل اسکرین آن ہوئیں اور منظر کیمروں میں قید ہونے لگا۔ اسپاٹ لائیٹ کا ہالہ فریحہ کو گرفت میں لے چکا تھا۔ بند آنکھوں کے پردوں میں روح کھینچتی وہ بول اٹھی تھی.....!!!

میں آج کل کی لڑکی ہوں کہ
جسے تم چائے کی پتلی تہہ کی طرح
انگلی سے نکال کر اچھال پھینکو گے
تو سن لو کہ میں تمہاری روح کے
کسی چور خانے میں اضطراب چھوڑ جاؤں
گی
تمہیں مضطرب رکھوں گی.....!!!

☆☆☆

عینی کے ساتھ ساتھ چلتی، ہجوم سے جان چھڑاتی جب میں مال روڈ پر آئی تھی تو وہیں میری نگاہ بھٹکتی ہوئی اس شخص پر پڑی تھی جو گل مہر کے پاس کھڑا ٹکٹکی باندھے ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔ میرے لیے ایسے منظر معمول کی بات تھے مگر جانے کیوں مجھے وہ شخص ''عام'' نہیں لگا تھا۔ جیسے میں نے اسے کہیں دیکھا تھا۔

میں نظریں چراتی عینی کی طرف متوجہ ہوئی تھی جو جانے کب سے بھوک سے مرتی ہوئی ''بٹ کڑاہی'' کی طرف جانے کا اصرار کر رہی تھی۔

''فری قسم سے آج مجھے لگتا ہے جیسے میں بھوک سے مر جاؤں گی۔''

''بے فکر رہو..... مرنا اتنا آسان تھوڑی ہوتا ہے۔''

''تم تو مجھے دوسرے سیارے سے آئی ہوئی لگتی ہو۔ حیرت ہے کہ تمہیں بھوک اور پیاس بھی نہیں لگتی۔''

''جی جی میں انسان ہوں اور مجھے بھوک بھی لگتی ہے اور میں سوچ سمجھ کر ہی کھاتی ہوں تمہاری طرح نہیں ہوں کہ.....''

عینی رکی تھی اور پلٹ کر مجھے دیکھا تھا۔ انداز خونخوار تھا ''میری طرح بھلا کیا.....؟''

میں اس کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھی تھی ''چلو چھوڑو جانے بھی دو..... تم اب اتنی موٹی بھی نہیں ہو۔''

عینی جہاں دنیا والوں کی بڑی سے بڑی بات بھی چٹکیوں میں اڑا دیتی تھی وہاں ''موٹاپے'' کی بات آتی تھی تو کسی کو بھی معافی نہیں ملتی تھی..... راستے میں ہی وہ میرے ہاتھ پکڑ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

''سچ سچ بتاؤ فری..... کیا میں واقعی موٹی ہو گئی ہوں؟''

میں سر پکڑ کر رہ گئی تھی۔ کاش میں نے وہ جملے منہ سے نکالے ہی نہ ہوتے۔

''ارے نہیں..... میں تو مذاق کر رہی تھی۔''

''سچ سچ بتاؤ۔'' اس لڑکی کے شکوک کبھی بھی تو ختم نہیں ہوتے تھے۔

''آنے والی کسی بھی صدی میں تمہارے موٹے ہونے کا دور دور تک کوئی بھی امکان نہیں۔'' یہ کہتے ہوئے میں نے اپنی مسکراہٹ دبالی تھی۔

وہ لمحات میری زندگی کے خوش گوار اور قیمتی ہوتے تھے جو میں گھر سے باہر گزارا کرتی تھی..... گھروں کو گھٹن زدہ اور وحشت سے بھرپور ہرگز بھی نہیں ہونا چاہیے..... گھروں کو تو آرام و سکون کا گہوارہ ہونا چاہیے۔ میری روح سکون کی شیدائی تھی۔

چاہے حالات جیسے بھی تھے یا جو بھی صورت حال تھی میں اب بھی ابو، نتاشا امی، سارہ اور جلیس کی فکر میں مبتلا رہتی تھی۔

نتاشا امی ماڈرن ازم کی طرف بڑھ رہی تھیں اور اسی طرح دن بدن ان کے سوشل سرکل میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا تھا..... وہ نہیں جانتی تھیں کہ اس سب میں وہ کیا کیا نظر انداز کر رہی ہیں..... گھر، شوہر اور بچے..... جب عورت ان تینوں سے غفلت برتے تو طوفان آتے دیر نہیں لگتی.....!!!

☆☆☆

طوفان بہت ہی دھیرج اور خاموشی سے آیا تھا۔ اس رات کی فجر سیاہ تھی۔ چند دنوں کی کشمکش کے بعد سارہ نے گھر چھوڑ دیا تھا..... نتاشا امی کو میں نے پھر حواسوں میں نہیں دیکھا تھا۔ ابو نڈھال ہو کر رہ گئے تھے..... جلیس نے باہر نکلنا چھوڑ دیا تھا..... اور اس گھر کا ہر ایک فرد ایک دوسرے کو الزام دینے میں مگن نظر آ رہا تھا۔

نتاشا امی سلیپنگ پلز لینے لگی تھیں اور جہاں بھی میں انہیں نظر آتی تھی تو وہ مجھ پر جھپٹ پڑتی تھیں۔

''تمہاری وجہ سے ہوا ہے یہ سب۔''

میں نے اپنے سینے پر انگلی رکھی تھی اور حیران ہو کر انہیں دیکھا تھا۔ ''میری وجہ سے؟''

''ہاں تم ایک ڈائن ہو جو اس گھر کی خوشیاں نہیں دیکھ سکتی ہو۔''

میرے اندر سے کہیں کوئی ابال سا اٹھا تھا اور آہستہ آہستہ دکھ میں ڈھل گیا تھا۔

''زندگی میں کبھی بھی، کسی بھی موڑ پر آپ ہرگز مت سوچیے گا کہ اس گھر کی بربادی کی وجہ میں بنوں گی۔''

''تمہاری نظر لگی ہے میرے گھر کو۔'' میں گھوم کر چاروں طرف دیکھا تھا۔

''میری نظر نہیں لگی، یہ آپ کی تربیت کی ناکامی ہے جو مجھے نظر آنا شروع ہو گئی ہے۔''

انتہا کی سوشل اور دبنگ لیڈی نتاشا امی کو پہلی بار میں نے عجب خوف میں مبتلا پایا تھا..... وہ پھر جیسے ایک حقیقت سے شاید آگاہ ہوئی تھیں کہ ان کی ذات کا رنگ کب کا اتر چکا ہے۔ اب وہ کبھی بھی اپنے رنگ میں واپس نہیں آئیں گی..... اب تو ہر خبر، ہر بات ان کی اولاد کے گرد گھومے گی شاید یہی وجہ ان کی شکست پر پختگی کا بھی باعث تھی۔

ابو نے کسی سے بھی بات کرنا بند کر دیا تھا..... گھر میں شور تب اٹھا تھا جب جلیس نے گیند سے ایک قیمتی گلدان توڑ دیا تھا..... کانچ کے ٹکڑے ادھر ادھر بکھر گئے تھے اور میں نے سیڑھیوں کے پاس نتاشا امی کو وہ ٹکڑے چنتے دیکھا تھا۔ میں بھاگ کر ان کے قریب آئی تھی۔

''مت کریں پلیز لگ جائے گا۔'' بے شک سوتیلا رشتہ ہی سہی مگر پھر بھی میں نے ان سب سے محبت کی تھی..... مجھے لگتا ہے قدرت نے ''نفرت'' کا عنصر مجھ میں رکھا ہی نہیں تھا۔

میں واقعی میں نتاشا امی سے بھی نفرت نہیں کر سکی تھی۔ رشتوں کو چھوٹ دینا میں نے بڑی مدت بعد

www.pakistanipoint.com
Waqar Azeem

سیکھا تھا مگر سیکھ ہی لیا تھا۔ ہاتھوں کے وہ ناخن ٹوٹ چکے تھے جو ہمیشہ کیوٹکس سے آراستہ ہوتے تھے۔ بالوں کی جڑوں کی سفیدی نظر آنا شروع ہوگئی تھی، مسلا ہوا لباس۔

میں دھیرے سے انہیں میز تک لے آئی تھی اور بمشکل انہیں چائے پینے پر آمادہ کیا تھا۔ چائے کے دو بھاپ اُڑاتے کپ ہماری آنکھوں کے سامنے ٹھنڈے رہے تھے.....!!!

☆☆☆

''تم نہیں سمجھو گی فریحہ.....تم کہاں سمجھ سکتی ہو بھلا.....کانچ کے ٹکڑوں سے لگی چوٹ مندمل ہوجاتی ہے۔ کھرنڈ بن جاتے ہیں.....مگر اولاد کے ہاتھوں دی گئی چوٹ کے زخم مندمل نہیں ہوتے.....وہ ساری زندگی رستے رہتے ہیں۔''

چائے کب کی ٹھنڈی ہوگئی تھی۔ لاؤنج، میں سناٹا تھا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں.....اور میں انہیں چپ کروا رہی تھی۔ مجھے بھی تو زندگی میں صرف رونا آتا تھا اور ہمیشہ عینی ہی مجھے چپ کروایا کرتی تھی.....رونا مشکل نہیں ہوتا آنسوؤں کے کھارے پانیوں کے آگے بند باندھنا مشکل ہوا کرتا ہے۔

''واقعی شاید میری تربیت میں ہی کوتاہی تھی.....فریحہ! تم نے کاش اسے غور سے دیکھا ہوتا.....وہ ہاتھ اٹھانے تک آگئی تھی۔ وہ آج کی نسل کی لڑکی ہے اس میں لحاظ ختم ہوگیا تھا۔ جب اولاد میں لحاظ ختم ہوجائے تو پھر ہی بربادی ہوتی ہے۔ خیالوں کی جنگ میں آنسو پیتی وہ چائے کا ٹھنڈا کپ بے خیالی میں اٹھا بیٹھی تھیں۔

''نتاشا امی! اس سے اچھا تھا۔ آپ سارہ کی شادی اس کے پسندیدہ شخص سے کر دیتیں۔ کم از کم ہم اس بڑے نقصان سے بچ جاتے۔''

''وہ اچھا شخص نہیں ہے فری! میری سارہ اس الچی لڑکے کے چکر میں آگئی تھی.....میں اپنی بیٹی کو جانتے بوجھتے کسی جہنم میں بھلا کیسے دھکیل سکتی تھی۔''

ٹشو باکس خالی ہوگیا تھا.....

''ابو سارہ سے مسلسل رابطے کی کوششوں میں تھے اور پھر رابطہ ہوگیا تھا کھانے کی میز پر انہوں نے ذکر کیا تھا۔

''سارہ کو کچھ پیسے چاہئیں۔''

سوپ کے پیالے میں چمچ گھماتی نتاشا امی چونکی تھیں۔

''وہ میرا سارا زیور لے گئی تھی۔''

اندھیروں کو خاص راستوں کی ضرورت پیش نہیں آتی وہ کبھی بھی، کہیں سے بھی آسکتے ہیں۔

جیلس بھڑک اٹھا تھا۔ ''میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ اسے اتنا سر مت چڑھائیں مگر میری کسی نے بھی نہیں مانی.....اب سب بھگتیں گے.....جو کچھ وہ کر چکی ہے اس کے بعد تو وہ اس گھر کی ہر چیز سے دست بردار ہوچکی ہے۔''

ابو نے پانی کا گھونٹ بمشکل بھرا تھا۔

''وہ بیٹی ہے میری.....وہ اب بھی اپنے باپ کی ہر چیز پر حق رکھتی ہے۔''

میں نے سر اٹھا کر ان تینوں نفوس کو دیکھا تھا.....میری آنکھیں جانے کیوں برسنے کو تیار تھیں.....شاید میں ابھی بھی اس گھر میں، ان سب کی زندگیوں میں ''مس فٹ'' ہی تھی۔

ابو نے میری طرف دیکھ کر آنکھیں چرالی تھیں.....کرسی ڈھکیلتی میں اٹھ آئی تھی۔

''فریحہ.....کہاں جا رہی ہو.....کھانا تو ٹھیک سے کھالو۔'' وہ پکاری تھیں۔

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' سارہ اب بھی وہیں تھی.....وجود سے کیا ہوتا ہے حاضر ہو یا غائب بات تو حیثیت کی ہوتی ہے۔ پھر میں اس رات تکیوں میں سر دے کر پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی تھی۔

''فریحہ.....تمہاری حیثیت پھوٹی کوڑی، کھوٹے سکے جیسی بھی نہیں۔''

☆☆☆

''ارے تم تو بالکل ہی پاگل ہو.....خود ہی سوچتی رہتی ہو.....اور اپنے لیے مشکلوں کے پہاڑ

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

کھڑے کیے جاتی ہو..... تم نے کہاں سے یہ جج کر لیا کہ تمہاری حیثیت کھوٹے سکے کے برابر بھی نہیں..... اپنے دام خود نہیں لگایا کرتے۔"

میری پشت سے تسلی اور دلاسوں کے سلسلے جاری تھے اور ساتھ ساتھ لگاتار سوں، سوں بھی..... وہ شہر کا ایک بڑا فوڈ پوائنٹ تھا جو کہ میرا فیورٹ ترین تھا جہاں میں اکثر آتا جاتا رہتا تھا اس وقت بھی میں وہیں موجود تھا اور پچھلی میز کی طرف سے ابھرنے والی ان دو لڑکیوں کی گفتگو غیر ارادی طور پر سن رہا تھا۔

"تم نہیں سمجھو گی عینی! گھر کا ماحول عجیب و غریب ہو گیا ہے۔ وحشت سی ہونے لگتی ہے۔ جانے اس سب کا قصوروار کون ہے۔"

"اچھا تم کیوں پریشان ہوتی ہو..... کم از کم تم تو اس سب میں شامل نہیں ہو ناں۔" فریحہ نے انگلی سینے پر رکھی تھی۔

"لیکن وہ گھر اور اس کے مکین تو میرے اپنے ہیں ناں....."

عینی کو جی بھر کر تاؤ آیا تھا۔

"جی..... جی..... بس ایک تم ہی ان کی فکر کر کر کے اتاؤلی ہوئی جاتی ہو۔ وہ تمہارے اپنے ہیں جو تمہیں اپنا نہیں سمجھتے..... یہ کہاں کا انصاف ہوا بھلا؟"

فریحہ نے کولڈ ڈرنک پرے کھسکا دی تھی.....

"نتاشا امی، سارہ اور جلیس کا بے شک ابو کے ساتھ رشتہ سہی مگر وہ مجھے اپنے لگتے ہیں کہ میں ان کے بارے میں ذرا سی بھی لاپروائی نہیں برت سکتی۔ مجھے عادت ہو گئی ہے ان کو گھر میں چلتے پھرتے دیکھنے کی، کھانے کی میز پر سکوت کی اور کبھی کبھی اٹھنے والے شور کی..... میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

وہ بہت بے بس اور لاچار سی نظر آ رہی تھی۔ عینی نے اپنا سر پیٹ لیا تھا۔

"سمجھ میں تو میری کچھ نہیں آتا اور مجھے لگتا ہے جلد میں اس دار فانی سے کوچ کر جاؤں گی..... تم ایک مرض لا دوا ہو فری..... اور کچھ بھی نہیں۔" وہ دونوں اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

فریحہ بھی عینی کے پیچھے چل دی تھی۔ اور مجھے اسی پل یوں لگا تھا کہ جیسے میں شاہ بلوط کے باغوں میں گھرا بیٹھا ہوں۔ وہ روئی روئی سی آنکھیں..... وہ ہلکی گلابی ہوتی ناک..... وہ "وہی" تو تھی..... وہ جب بھی آتی تھی۔ گویا چیت کی ہواؤں کو ساتھ ساتھ لاتی تھی۔ ساری فضا ایک دم، اچانک ہی مشکبار ہو جاتی تھی۔ میں گھر میں ٹیرس پر ٹہلتا..... سگریٹ پیتا اپنے دل کی داستان جامی کے گوش گزار کر رہا تھا۔

"یار..... کیوپڈ کا تیر چل چکا ہے اور تیر ایار اب نیم جان ہو چکا ہے۔ دفتر کی فائلوں پر بھی وہی نظر آتی ہے اور تو اور کافی کی بھاپ کا دھواں بھی اسی کی تصویریں بنا دیتا ہے۔ مجھے کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا۔" جامی نے ایک گہری اور طویل سانس لی تھی۔

"درانی صاحب..... مجھے تو آپ کے مسئلے کا اب کوئی بھی حل نظر نہیں آتا..... آپ تو مجھے لگتا ہے گوڈے گوڈے محبت کے سمندروں میں غرق ہو چکے ہیں۔"

مجھے شدید غصہ آ گیا تھا۔ "خبیث انسان لفظ تو کوئی اچھے سے استعمال کر لے۔"

"ناں..... ایک تو تیرے ہی مسئلے میں الجھا ہوا ہوں۔ اوپر سے تو مجھے ہی باتیں سنا رہا ہے۔"

جامی کی ناراضی بھی جیسے بھس میں چنگاری کی طرح ہوتی تھی اور اس وقت اسے شانت کرنا اشد ضروری ہو جاتا تھا۔

"ارے نہیں پاگل میں تو پیار سے کہہ رہا تھا..... یار تو خود ہی اندازہ لگا کہ اس وقت میں کتنی مشکل صورت حال میں پھنس گیا ہوں۔ ایک تو ہی تو ہے کہ جس سے میں مدد مانگ سکتا ہوں۔ بس اب جیسے بھی کر کے، جو بھی کرو..... حل نکالو۔"

میں ادھر سگریٹ کے دھویں اڑاتا، اپنے مسئلے میں غرق تھا اور ادھر اس بدتمیز کی شرارت عروج پر تھی دل کر رہا تھا انڈور پلانٹ کا بھاری بھرکم گملا اسے دے ماروں.....!!!

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

یار ڈاڈھی عشق آتش لائی سانوں
لگ گئی بے اختیاری

☆☆☆

سارہ کو گھر واپس آئے ہوئے چار روز ہونے کو آئے تھے مگر وہ سارے گھر میں ایسے چلتی پھرتی ہوئی دکھائی دیتی تھی جیسے "کچھ" ہوا ہی نہ ہو۔ میں حیران تھی کہ سارہ جیسے لوگ اتنا سب کچھ کیسے کر لیتے ہیں۔ کوئی گلٹ نہیں..... کوئی پچھتاوا نہیں..... اتنا آسان تو نہیں ہوتا.....!!!

"ممی آپ کب سمجھیں گی، کس صدی کی باتیں کرتے ہیں آپ لوگ..... میں کوئی بچی نہیں رہی..... مجھ میں فیصلہ کرنے کی صلاحیت ہے اور میں نے کر بھی لیا ہے تو اس میں کوئی غلط نہیں۔ اکمل سے کورٹ میرج کر کے میں خوش ہوں۔ بہت خوش۔"

میں نے غور سے اسے کھوجا تھا۔ وہی اطمینان، وہی لہجہ، شاید وہ واقعی خوش ہوگی۔

"ہم تو تمہارے دشمن تھے ناں جیسے تمہیں کالے پانیوں کی سزا کے حوالے کرنے والے تھے ناں..... تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا سارو....."

ان کے لہجے کی نمنا کی اور اداسی نے میرا دل بوجھل کر دیا تھا۔ مگر سارہ کافی کے گھونٹ لیتی..... بریسلیٹ گھماتی بیٹھی رہی تھی۔

"مما..... پیپرز کب تک تیار ہو جائیں گے؟"

سارہ نے اشتیاق سے پوچھا تھا۔ لالچ چہرے پر صاف نظر آنے لگا تھا اور مجھے خبر ہوئی تھی کہ وہ ویسی نہیں رہی تھی جیسی پہلے تھی..... اندر لاؤنج میں آتا جلیس سامنے آیا تھا۔

"کن پیپرز کی بات کر رہی ہو تم؟"

سارہ نے کافی کا کپ سامنے پڑی میز پر پٹخ دیا تھا۔

"تمہیں اس سے مطلب.....؟"

"مجھے ہر بات سے مطلب ہے۔ تم کن پیپرز کی بات کر رہی ہو؟"

"یہ میرا اور پاپا کا معاملہ ہے۔" وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر ہمیشہ کی طرح قائم تھی۔

"نہیں..... تم غلط فہمی کا شکار ہو رہی ہو..... یہ ہم سب کا معاملہ ہے۔ تم بتاؤ مجھے۔"

"میں اپنے حصے کی بات کر رہی ہوں جائیداد میں حصے کی۔"

"کون سا حصہ، کیسا حصہ..... تم اس گھر کی ایک اینٹ بھی اب نہیں لے جا سکتیں..... تمہارا اس گھر سے اب کوئی بھی تعلق واسطہ نہیں رہا..... اب وہی کنگال شخص تمہیں جھیلے گا۔ یہ ساری فرمائشیں اسی سے کیا کرو سمجھیں۔"

عجب سی ہڑبونگ مچ گئی تھی۔ فضا مکدر ہو گئی تھی۔ میں ان دونوں کو لڑتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ جلیس نے کرسی کو ٹھوکر مار دی تھی۔ وہ دونوں اب بھی لڑ رہے تھے۔

نتاشا امی کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید ہوتا جا رہا تھا..... میں نے انہیں ہاتھوں سے تھام کر اٹھا لیا تھا۔ وہ غائب دماغ سی لگنے لگی تھیں۔

"دیکھو تو فری..... ان دونوں کا دماغ چل گیا ہے۔ ایسے کیسے..... بھلا یوں بھی کبھی ہوتا ہے، تم تو بہت سمجھ دار ہو ناں..... انہیں سمجھاتی کیوں نہیں ہو۔"

میں انہیں کمرے میں لے آئی تھی۔ سائیڈ ٹیبل سے ان کی ٹیبلٹ اٹھا کر انہیں دی اور کمبل اوڑھا دیا تھا۔ وہ غنودگی میں جا رہی تھیں۔ میں خود باہر سیڑھیوں پر آ کر بیٹھ گئی تھی۔ وہ دونوں اب بھی لاؤنج میں لڑ رہے تھے۔

دونوں سواسیر ہیں۔ زندگی..... پیسہ..... اسٹیٹس..... "جانے یہ کیسا وقت ہے جو کہ رشتوں، رابطوں کو بہا کر لے جا رہا ہے۔ کوئی بھی نہیں سمجھتا۔ کوئی بھی تو نہیں سمجھتا۔"

☆☆☆

"ہم جیسے آرٹسٹ لوگ کتنے نازک ہوتے ہیں ناں ذرا ذرا سی بات پر ٹوٹ کر بکھر جانا شاید ہماری گھٹی میں ہوتا ہے۔ کب تک کوئی بھی انسان اپنی فطرت سے فرار چاہ سکتا ہے؟ کبھی بھی تو نہیں..... ناممکن سی

www.pakistanipoint.com

بات نظر آتی ہے۔"

میں یہی سب کچھ سوچتی ہوئی سیڑھیوں پر بیٹھی تھی۔ آج کل میرا سب سے محبوب مشغلہ نت نئی باتیں سوچنا ہی تو رہ گیا تھا۔ سوچوں کے بھی تو آوارہ طوفان ہوتے ہیں، جھکڑ چلتے ہیں، اک ہی پل میں انسان کو کہیں سے اٹھا کر کہیں لے جاتے ہیں..... اور مجھے تو اس نگر میں لے جاتے ہیں کہ جہاں مجھے "میری" ہی خبر نہیں ملتی۔ خیر یہ بھی اک فضول سی بحث رہی..... بے مطلب، بے سر پیر کی۔

عینی آج کل کلاسز لینے نہیں آ رہی تھی اسے نمونیا ہو چکا تھا۔ عینی کے بغیر تو میرا بھی کہیں دل نہیں لگتا تھا مگر پھر بھی اردگرد اور رشتوں کے شور مجھے اتنا ڈپریس کر دیتے تھے کہ میں لائبریری آ جاتی تھی۔

اردگرد کی سرخ ٹائلوں والی جھکی جھکی سی چھوٹی دیواریں۔ گھنی چھایا والے درختوں کی شاخوں سے لٹکتے پنجرے، لوگوں کی آمد و رفت..... مختلف قسم کی ہلکی، بھینی اور تیز خوشبوؤں کے اٹھ..... یہاں زندگی کتنی سکون میں تھی، فکروں سے پرے سکون سے قریب تر۔

ان ہی دنوں — میری ملاقات فاران درانی سے ہوئی تھی..... وہ جانے کس شوق میں ادھر آ جا رہا تھا۔ میرا نہیں خیال تھا کہ اسے کسی بھی قسم کی کتابوں میں دلچسپی تھی۔ میرے سوال پر وہ مسکرایا تھا۔

"زندگی کے شور سے تھکتا ہوں تو ادھر آ جاتا ہوں۔"

"آپ بھی شور سے، ہجوم سے اکتا جاتے ہیں کیا؟"

میرے ہر سوال پر وہ دھیرے سے مسکراتا دیتا تھا..... یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب عینی نمونیا کا شکار ہوئی تھی اور ڈاکٹر نے اسے مکمل بیڈ ریسٹ تجویز کیا ہوا تھا۔

"مجھے فطرت سے محبت ہے..... میں چیزوں سے زیادہ فطرت کے نظاروں میں دلچسپی رکھتا ہوں۔"

مجھے وہ بہت شفیق، ڈیسنٹ اور میچور لگا تھا۔ ایسے لوگ ہمیشہ سے میری کمزوری رہے ہیں کہ جن سے آپ دنیا کے کسی بھی معاملے پر بغیر ہچکچائے آسانی سے بات کر سکیں۔ آہستہ آہستہ ہم دونوں میں اچھی خاصی دوستی ہو گئی تھی۔ کلاسز کے علاوہ بھی ہم دنیا جہاں کی باتیں کرتے تھے۔

مجھے ذرا بھی اندازہ نہیں تھا کہ ہم دونوں میں ایک غیر محسوس سی بانڈنگ پروسیس پا رہی ہے..... ہم ہر فیسٹیول سے آگاہ ہوتے تھے کبھی کبھار اٹینڈ بھی کر لیتے تھے..... ہر نئی آنے والی سیاسی صورتحال پر بحث کرنا ہمیں اچھا لگتا تھا۔ اس کے علاوہ کوئی بھی آنے والی نئی کتاب ہمارا موضوع گفتگو لازماً ہوتی تھی۔

جب میں نے سرما کے ان بے زار اور عجیب دنوں میں گھر سے چائے کا تھرماس بھر کر لانا شروع کیا تو وہ بھی کبھی کبھی میکرونی اور پاستا لے کر آنے لگا تھا۔ یوں ہی سیڑھیوں پر بیٹھے بیٹھے ایک دن اس نے مجھے بتایا کہ وہ کوکنگ کا شوقین ہے اور یہ ساری چیزیں خود بنایا کرتا تھا۔

اس چیز نے مجھے بہت حیران کیا تھا۔ اس بار بھی وہ مسکرایا تھا۔

"فریحہ جی..... آپ نہیں سمجھیں گی۔"

میں خفا ہوئی تھی۔ میں بھلا کیوں نہیں سمجھوں گی۔ میں اتنی بھی کند ذہن اور کم عقل نہیں ہوں۔

"آپ کو یہ سب کہنے کی جرات بھلا کون کر سکتا ہے۔ ایسا سوچیے گا بھی مت۔"

"تو پھر بتائیں کہ کیا وجہ ہے؟" میں مصر ہوئی تھی۔

میرے لائے ہوئے چائے کے تھرماس سے کپ بھرتا ہوا وہ مجھے بتا رہا تھا۔

"یہ زندگی ہے اور اس کا سفر ہر موڑ ہر گھڑی کچھ نہ کچھ نیا چاہتا ہے۔ ورنہ انسان بہت جلدی زندگی سے اکتانا شروع کر دیتے ہیں۔ زندگی بھی کوئی اکتانے والی چیز ہوتی ہے بھلا... میں ایک آئیڈیلزم کا شکار انسان ہرگز بھی نہیں ہوں۔ پریکٹیکل ہوں مگر پھر

www.pakistanipoint.com
Nur Azeem

بھی میں اپنی زندگی کے اس سفر کو ہر قدم، ہر لمحہ نیا اور پرجوش بنانے کے لیے ایسی عادات اور شوق اپناتا رہتا ہوں جو کہ مجھے فطرت کے قریب رکھیں..... کہ جن کو کر کے میری زندگی ـــ میری اپنی ذات پرسکون اور خوش ہو..... اگر میں یہ نہ کروں تو زندگی کا ہر اسٹیشن، ہر اسٹاپ بے کار اور حزن میں ڈوبا ہوا گزر جائے..... میں اپنے گھر کے باغیچے کے ہر ہر پھول سے واقف ہوں۔ در و دیوار کی آرائشی چیزوں کو بھی خود جھاڑتا پونچھتا ہوں۔ ایسا نہ کروں تو گرد پڑ جائے۔ گرد پڑ جائے تو چیزیں اور رشتے آدھے بھی نہیں رہ جاتے..... میں نے بہت شوق اور چاہ سے کوکنگ سیکھ لی ہے..... ہر روز کا ناشتہ اور ویک اینڈ کا ڈنر میں اپنے ہاتھوں سے ہی بنا کر کرتا ہوں۔ دیکھنے میں یہ چیزیں بہت چھوٹی نظر آتی ہیں۔ ایک پل کو اس سب پر ہنسی بھی آجاتی ہے مگر پھر بھی میں مطمئن اور پرسکون رہتا ہوں۔ دولت، اسٹیٹس یہ بہت عجیب چیزیں ہیں انسانوں کو تن آسان اور کاہل کر دیتی ہیں اور میں ان سے سخت نفرت کرتا ہوں۔ میری دنیا میں میرے علاوہ ایسا دوسرا کوئی نہیں۔ اسی وجہ سے میں پرسکون رہنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہوں۔"

وہ ہمیشہ سے ہی ایسی خوب صورت اور پرمعنی باتیں کیا کرتا تھا..... اور میں اسے بولنے پر اکساتی ہوئی سنے جاتی تھی۔ کچھ لوگوں سے مل کر کتنی مثبت شعاعیں ملتی ہیں ناں کہ انسان کو اپنی زندگی کے سارے غم دکھڑے ہر گزرتے دن کے ساتھ ہلکے نظر آنے لگتے ہیں۔

فاران درانی سے مل کر مجھے لگا تھا کہ جیسے میری زندگی کی بے چینیاں اضطراب بھی اب آہستہ آہستہ ہلکے پڑنے لگے ہیں..... اب پتا چلا تھا کہ زندگی کا سفر کیسے طے کرتے ہیں..... کیسے منزلوں کو جیتا جاتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی چیزیں اور کچھ لمحے..... جو اپنی ذات کے لیے وقف کر دیے جائیں تو یہ سفر آسان ہو سکتا ہے۔

عینی جب ٹھیک ہو کر آئی تو اسے مجھے اور فاران درانی کو دیکھ کر عجیب سا صدمہ پہنچا تھا۔

"فری..... تم نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے..... کم از کم مجھے تم سے ہرگز بھی یہ امید نہیں تھی۔"

کچھ دنوں بعد لوگوں کی نظروں نے ہم "تینوں" کی محفلوں کو لائبریری کی سیڑھیوں پر لگتے دیکھا تھا.....!

☆☆☆

اب بھی سوچتا ہوں تو ہنس دیتا ہوں کہ زندگی میں پہلی بار میری کوئی پیش گوئی سچ ثابت ہوئی تھی۔ فریحہ کی ذات کے باہر جتنا شور اور کھلنڈرا پن نظر آتا تھا ویسا اصل میں ہرگز بھی نہیں تھا۔ وہ ٹھہرے پانیوں کی شفاف ندی تھی۔ کتنے چھوٹے چھوٹے مسئلے تھے اس لڑکی کے..... وہ خود بھی تو کتنی چھوٹی سی تھی۔ گڑیا سی۔

موسم سرما کی ٹھنڈی بارشوں میں اسے میری کتنی فکر لگی رہتی تھی کہ اس ٹھنڈ میں مجھے بخار یا نزلہ زکام نہ ہو جائے..... اور اپنے ساتھ لایا ہوا چائے کا سارا تھرماس مجھے پلانے پر مصر نظر آتی تھی۔ وقفے وقفے سے کپ بھر کر میری طرف بڑھایا جاتا تھا۔ عینی خوب خوب ہنستی تھی۔

"فری! تم کیوں اس معصوم شخص کی جان لینے پر تلی ہوئی ہو۔"

"چائے سے تھوڑی ناں کوئی مرتا ہے۔"

"اللہ پوچھے تم سے اس کے جسم میں خون کی جگہ اب چائے ہی دوڑے گی۔"

وہ ایسی باتوں کو چٹکیوں میں اڑا دیتی تھی۔

بہرحال آنے والے دنوں میں اتنا ہوا تھا کہ مینیو بدل گیا تھا اور اب ایک تھیلی میں کاجو، بادام آنے لگے تھے..... زندگی کی وہی روٹین تھی..... جامی بھی ناراض ہوا نظر آتا تھا۔

"بدل گیا ہے تُو..... بے وفا نکلا ہے تُو....."

میں بس ہنس دیتا تھا۔

مجھ میں اور فریحہ میں ایک مشترک قدر یہ تھی کہ ہم دونوں رشتوں کے ہاتھوں خوشی خوشی ایکسپلائیٹ

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

ہو رہے تھے۔ یہ آسان نہیں ہوتا ہمارے لیے بھی نہیں تھا۔ ذات کے کتھارسس کے لیے ہم دونوں نے ایک دوسرے کا کندھا تلاش کر لیا تھا..... وہ رشتوں کو لے کر ہمیشہ ہی حساس رہی تھی۔

"میں کبھی کبھی پہلے سوچتی تھی کہ چیزوں اور رشتوں کے رخ اکثر اوندھے ہوتے ہیں..... الٹے ہوتے ہیں..... لگتا تھا کہ ابو، نتاشا امی، سارہ اور جلیس مجھ سے ذرا بھی پیار نہیں کرتے..... توجہ نہیں دیتے..... میں تو ایک خودرو جھاڑی کی طرح دن بدن بس خود بخود پرورش پا رہی تھی۔ اب سوچتی ہوں تو ہنستی ہوں کہ مجھے نہیں بلکہ انہیں میری ضرورت ہے۔"

ہم دونوں نے ایک دوسرے سے کچھ نہ کچھ سیکھا تھا مگر اب یونیورسٹی میں نے فریحہ ہی سے سیکھا تھا..... کون آج کل کے دور میں زندگی کے ہر مسئلہ، ہر تعلق کو بار بار فیور دے سکتا ہے "لیٹ اٹ گو" کہہ سکتا ہے؟ شاید کوئی بھی تو نہیں۔ مگر وہ کہہ دیتی تھی۔

"پتا ہے درانی! ابو نے سارہ کو اس کا حصہ دے دیا ہے اور مسکراتے ہوئے دیا ہے..... ابو بہت بدل گئے ہیں۔ جلیس بگڑ رہا تھا..... طیش میں آ رہا تھا، مگر ابو نے اسے سمجھایا ہے..... کبھی کبھی جب گھر کا ایک فرد یا سربراہ بدلتا ہے تو سارے گھر میں کیسا عجیب سا سکون اور لذت آ جاتی ہے..... پھر سمجھ میں آتا ہے ذرے کیسے پہاڑ ہو جاتے ہیں..... نتاشا امی نے میرے ساتھ مل کر کچن سنبھال لیا ہے..... سلاد کاٹتے کاٹتے، نئے موسم کے لباس پر بات کرتے کرتے آہستہ آہستہ ہم دونوں قریب آ چکے ہیں..... پرائم ٹائم ڈرامہ ہم دونوں مل کر ٹی وی لاؤنج میں قہوے کے ساتھ انجوائے کرتے ہیں..... کبھی کبھار جلیس کا موڈ بہتر ہو تو وہ بھی پاپ کارن بنا کر ساتھ والے صوفے پر بیٹھ جاتا ہے۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ اچانک بیٹھے بیٹھے کس طرح اچانک سب کچھ بدل جاتا ہے۔ انسانوں کے دل بدل جاتے ہیں۔ رشتوں میں برکت پڑ جاتی ہے۔ برکت کے آنے کے راستے نہیں نظر آتے..... مگر برکت کے جانے کے راستے ہمیشہ نظر آ رہے ہوتے ہیں۔"

چھوٹی سرخ ٹائلوں والی دیواروں سے نارنجی شعاعیں اس کے چہرے پر پڑ رہی ہیں..... کچھ لوگ کتنے سیدھے اور سچے ہوتے ہیں ناں..... کیا خبر یہی کلیہ۔ ان کی زندگی کے معاملات کو سیدھا رکھنے میں کام آتا ہو..... ان دنوں وہ بہت خوش نظر آ رہی تھی کہ جیسے سب کچھ ٹھیک ہو گیا ہو.....!

دن اور رات ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ یہی زندگی کا راز ہے۔

اور ایک دن میں نے اسے بہت پریشان اور سسکیاں بھرتے ہوئے دیکھا تھا۔

"سارہ واپس آ گئی ہے درانی..... اور جس برکت کا میں ذکر کرتی تھی لگتا ہے خواب ہو جائے گی..... سارہ کو طلاق ہو گئی ہے۔ اس کے افعال اور چہرے سے کسی قسم کے بھی گلٹ کا احساس نہیں ہو رہا..... مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔

اب ابو مجھے گرین ٹی کے لیے آوازیں نہیں لگاتے۔ میں گھنٹوں ان کی آواز کی منتظر رہتی ہوں۔ کوئی بھی صدا نہیں آتی..... نتاشا امی نے کچن میں قدم رکھنا چھوڑ دیا ہے۔ میں اب کس سے نئے ڈرامہ کی ڈسکشن اور نئے موسم کے ملبوسات پر گفتگو کروں۔ ٹی وی لاؤنج میں جیسے پاپ کارن کا پیالہ لے کر بیٹھتی ہوں ویسے ہی لے کر اٹھتی ہوں۔ شاید اب جلیس نے بھی پاپ کارن کھانا چھوڑ دیے ہیں تو میں کیا سمجھوں کہ رشتوں نے موسموں کی طرح بدلنا شروع کر دیا ہے۔ یہ میری زندگی میں کون سا پانچواں موسم در آیا ہے کہ میں جس کی چاہ کر بھی عادی نہیں ہو پا رہی..... سب کچھ دن پہلے جیسا ٹھیک کیوں نہیں ہو جاتا۔"

☆☆☆

وہ شخص جانے کس مٹی سے بنا ہے، میری طرح وہ بھی رشتوں کے ہاتھوں استعمال ہوا ہے مگر جب اس پر بات آتی ہے تو ہنس کر اڑا دیتا ہے۔ جیسے کہ کوئی بات ہی نہ ہو۔ بھلا ایسے کیسے..... بے شک کچھ

www.Azeem.pk
www.pakistanipoint.com

عرصے سے میری ذات میں ٹھہراؤ آیا تھا اور چیزیں ویسی تکلیف نہیں دے رہی تھیں جیسے کہ وہ پہلے تھیں مگر پھر بھی میری زندگی متاثر ہو رہی تھی۔

میں چائے کے علاوہ کاجو، پستے بادام کی تھیلیاں لانا بھول گئی تھی۔ مگر وہ فروٹ ٹرائفل لانا نہیں بھولتا تھا۔ عجب شخص تھا خوش فہمیوں میں جیتا تھا۔

عینی نے اب باقاعدہ ہم دونوں کے آگے ہاتھ جوڑ کر ہمارے لتے لینے شروع کر دیے تھے۔

''قسم سے اب تم دونوں مجھ معصوم کی جان بخش دو..... دونوں کی ان فلسفیانہ باتوں اور مباحثوں نے میرے دماغ کے دہی کو باسی کرنا شروع کر دیا ہے۔''

الحمرا کی راہداریوں میں اب بھی ہم دونوں کی گرما گرم بحثیں ہوتی تھیں۔ لوگ پلٹ پلٹ کر اس صحت مندانہ مباحثے کے ماحول کو منہ بنا کر دیکھا کرتے تھے اور گزر جاتے تھے مگر ہم دونوں کے منہ پر جوں تک نہ رینگتی تھی۔

''تم نے ایسے کیوں کیا جب تمہیں پتا تھا؟''

میں حیران ہوتی تھی..... وہ مسکرانا پھر بھی نہیں بھولتا تھا۔ مجھے پہلے پہل لگتا تھا کہ شاید بات بات پر مسکرانا اس کی عادت رہی ہو گی مگر میری غلط فہمی تھی یہ..... بلکہ وہ تو صرف میرے لیے اور میرے ہی سوالوں پر مسکراتا تھا اور یہ بات مجھے عینی کے ذرائع سے ہی پتا لگی تھی اور اس کی دی گئی بریکنگ نیوز پر مجھے خال خال ہی حقیقتوں کا گمان ہوتا تھا.....!!!

''فریحہ! میں جانتا ہوں کہ ہر دو مہینے بعد میری بہنوں کے شوہروں کا بزنس ڈوب جاتا ہے اور انہیں مالی مدد بھی چاہیے ہوتی ہے اور میں دے کر بھول بھی جاتا ہوں، میری بھابیاں ہر مہینے میری بھتیجی اور بھتیجوں کی ـــــ برتھ ڈے سیلیبریٹ کرتی ہیں اور مجھے بطور خاص مہمان خصوصی دعوت نامہ بھیج کر مہنگے مہنگے تحفوں کی توقعات کی جاتی ہیں..... زندگی میں، میں نے کبھی انہیں مایوس نہیں کیا۔ میں کر ہی نہیں سکتا فریحہ..... یہ چیز میرے خمیر میں ہی نہیں ہے۔ وہ نہیں جانتے وہ کیا کر رہے ہیں مگر میں اس سب سے واقف ہوں جو وہ کر رہے ہیں، یہی ہنر ہوتا ہے زندگی میں رشتوں کو بچانے، اور سلامت رکھنے کا..... اسپیس دی جاتی ہے..... فیور دے دی جاتی ہے..... یہی میں کرتا آ رہا ہوں ہمیشہ سے.....''

میں حیران رہ گئی تھی بھلا یہ کیسا نظریہ تھا..... کیسی آئیڈیالوجی تھی رشتوں کو ساتھ ساتھ لے کر چلنے کی.....!!!''

میرے رشتوں نے تو کبھی بھی، کہیں بھی مجھے اسپیس نہیں دی تھی۔ وہ جاتے سرما کے بادلوں بھرے دن تھے اور زندگی خط مستقیم پر سپاٹ سی گزر رہی تھی۔ اس شام مجھے گھر چھوڑنے فاران آیا تھا اور باہر ہی سے واپس چلا گیا تھا۔ وہ شام مجھ پر بہت بھاری رہی تھی۔ جلیس نے ایک طوفان کھڑا کر دیا تھا۔

''کون تھا یہ شخص، کتنے دنوں سے تم اس شخص سے مل رہی ہو..... کیوں اس گھر کی عزت کا جنازہ نکالنے پر تلی ہوئی ہو۔''

وہ لفظ، وہ لہجہ کہیں میرے اندر کو گھائل کرنا شروع کر چکا تھا۔ میں بمشکل گلاس ڈور تھامے سسکیوں پر قابو پائے کھڑی تھی۔ کردار کی بات تھی ہواؤں نے میرے سارے لفظ کھا لیے تھے..... میں

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

گم سم سی لاؤنج میں کھڑی تھی۔
فائل سے سر اٹھا کر مسلسل میری طرف دیکھتے ابو.....فیشن میگزین کے صفحے الٹتی سارہ.....گلدانوں کے پھول بدلتی نتاشا امی.....ساری نظریں مجھ پر تھیں.....میری آنکھیں ڈبڈبا رہی تھیں۔
لاؤنج میں تھپڑ کی آواز گونجی تھی۔ اور ساتھ ہی نتاشا امی کی زوردار آواز.....جلیس گالوں پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔
''وہ بیٹی ہے میری.....اور مجھے اس پر پورا اعتماد ہے سمجھے.....''
ابو نے دوبارہ فائل پر سر جھکا لیا تھا.....سارہ میگزین کی ورق گردانی کرنے لگی تھی۔ نتاشا امی نے آگے بڑھ کر مجھے خود سے لپٹا لیا تھا..... مجھے لگا تھا کہ وہ موسم واپس آ گیا ہے۔
رشتوں میں برکت کس رستے سے داخل ہو گئی تھی۔
میں نے جلد بازی میں کیا کچھ سوچ لیا تھا۔
سارہ کی صورت جو طوفان آیا تھا اس نے سب ہی کی زندگی کو متاثر کیا تھا.....زندگی معمول پر آنے میں وقت لگا تھا مگر دیر نہیں ہوئی تھی.....!!!

☆☆☆

لائبریری کی سیڑھیوں پر بیٹھی وہ بار بار خفا ہو رہی ہے۔ ''آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ.....''
میں ہنس دیا تھا۔ ''پہلے کہہ دیتا کہ تم سے محبت کرتا ہوں تو تم نے میری جان ہی لے لینی تھی۔''
آج میں اس کی پسند کے کوفتے کباب لے آیا ہوں اور وہ سیڑھیوں پر بیٹھی مزے سے کھاتی ہوئی شادی کے ملبوسات ڈسکس کر رہی ہے۔ میں محبت پاش نظروں سے اس سنہری شام سی لڑکی کو ٹکٹکی باندھے دیکھتا ہوں۔ ''میں اناری سرخ لہنگا پہنوں گی اور آپ تھری پیس سوٹ۔''
وہ ہماری شادی سے ہفتہ بھر پہلے کی پلاننگ ہے۔

☆☆☆

''کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ ہم سب کا ''میچ میکر'' اوپر بیٹھا ہوا ہے.....جو ہم سب کی جوڑیاں بناتا ہے اور اس کی بنائی گئی جوڑیاں زندگی کے سفر میں ہمیشہ ہی کامیاب رہتی ہیں۔''
عینی ابھی سامنے سے سیلفی لیتے ہوئے منہ بناتے ہوئے گزری ہے.....جامی اور عینی کو ہم دونوں سے کئی ہزار شکوے ہیں.....جو کہ غور طلب ہیں.....!!!

☆☆☆

سارہ نے میرا سر اوپر اٹھا کر ڈبڈبائی آنکھوں سے کہا تھا۔
''مجھے رشک آ رہا ہے تم دونوں کی جوڑی پر.....اس سے پہلے میں نے زندگی میں کبھی اتنے خوب صورت دولہا، دلہن نہیں دیکھے.....مجھے خوشی ہے کہ تم نے ٹھوکر نہیں کھائی فری.....ٹھوکر کھا کر سنبھلتے سنبھلتے اکثر انسان اپنی عزت نفس کھو بیٹھتا ہے۔''
نتاشا امی گلے سے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر روئی تھیں۔
''فری پچھلے ایک ہفتے سے آنکھوں کا پانی خشک ہونے میں ہی نہیں آ رہا۔ تم سے جدائی کا دکھ مجھے نڈھال کر رہا ہے۔ میں ماں نہیں ہوں تمہاری.....مگر تمہاری رخصتی مجھے ماؤں سے بڑھ کر درد میں مبتلا کر رہی ہے۔''
شرمندہ سا جلیس بھی گلے آن لگا تھا اور ابو سر تھپکتے روتے ہوئے بس اتنا کہتے جاتے تھے۔
''معاف کر دینا مجھے۔''
زندگی کے اس نئے سفر میں کوئی گلٹ، کوئی پچھتاوا نہیں ہے.....آج میرے وجود میں سکون اور اطمینان کی ایک کونپل سر اٹھا رہی ہے.....!!!
میں آسمان کو دیکھ کر مسکرا دیتی ہوں۔
''شکر میرے مالک.....تو واقعی حکمت والا ہے۔''
مجھے یقین ہے اب زندگی کو اک نئے سلیقے اور ڈھنگ سے جینے کا وقت آ گیا ہے.....!!!

☆☆

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

سنیعہ عمیر

یہ کیسی محبت

ہیرا تھی وہ بالکل ہیرا..... چمک دار تیز، آنکھوں کو خیرہ کرنے والی مگر پتھر۔ ہیرا بھی تو ایسا ہی ہوتا ہے جس میں کاٹ کر رکھ دینے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ انمول مگر بے کار، نہ کسی کے زخم کا مرہم بن سکتا ہے نہ کسی کے درد کی دوا۔

عورتیں تو نہری نظام کی طرح مختلف سمتوں میں بہتی، اپنے اردگرد سب کو سرشار کر دیتی ہیں۔ لیکن وہ تو چکا چوند کی ماری تھی۔ اسی چکا چوند نے اس کا نصیب کھولا تو اسے لگا۔ عمر بھر ایسی چکا چوند اور دکھاوے ہی اس کو پار لگاتے رہیں گے۔

سترہ برس کا ابھرتا حسن تھا جب ایک شادی کی تقریب میں اسے لڑکے کی ماں بہنوں نے پسند کیا تھا۔ نازنین اپنے نام کی طرح ناز و ادا والی تھی۔ لیکن اس کا انداز دقیانوسی چھوئی موئی جیسا نہیں تھا بلکہ بے وقوفی اور بے تکلفی کی بناوٹ پر تھا۔ سب کو صاف دل کی کھلنے ملنے والی سادہ لڑکی لگتی تھی۔ لیکن وہ کتنے پانی میں تھی اس کی خبر تو شادی کے بعد ہی منظر پر آئی۔ بے وقوف نظر آنے والے، بے وقوف بنانے کے ماہر ہوتے ہیں۔

چھوٹے شہر کے بڑے خاندان والی نازنین نے زندگی کے درس بھی روایتی سے سیکھے تھے۔ دو فریقین کی لڑائی ہو رہی ہو تو ادھر کی بھی سگے بن کر سنو اور اُدھر کی بھی۔ پھر کسی تیسرے کے سامنے جا کر خوب چسکے لے لے کر بتاؤ، جو کام کرنا نہیں آتا ہو، کسی سہیلی یا بہن سے کروا کر اپنا لیبل لگا دو۔

کسی سے ناچاقی ہو تو اس کی چند برائیاں ان ملنے والوں سے کر دو جن کو ایک کی چار لگانے کی عادت ہو۔ تاثر جمانے کے لیے نئے فیشن کے کپڑے اور سامان ضرور لیتے رہو۔ چاہے گھر کے خرچ میں ہیرا پھیری ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔ ان ہی اصولوں پر نازنین بیگم خود بھی بہت عرصے چلتی رہیں اور بچوں کو بھی اسی ڈگر پر چلنا بلکہ گھسٹنا سکھایا۔

☆☆☆

"آپ تو بہت بے مروت نکلے۔ حال احوال تو دور کی بات آپ نے تو نام بھی نہیں پوچھا۔ چلیں، میں خود ہی تعارف کروا دیتی ہوں، لیکن اپنا نہیں آپ کا۔"

اسے صبح سے ایک انجان نمبر سے پیغام موصول ہو رہے تھے۔ جنہیں نظر انداز کر کے وہ اپنے کام میں لگا ہوا تھا لیکن میسج کرنے والی تواتر سے میسج کر رہی تھی۔

"آپ کا نام شارق ہے۔ آپ کی دو بہنیں اور ایک بھائی ہے۔ آپ کے والد کا نام ساجد اور ماں کا نام علیشبا ہے۔ آپ کو کھانے میں بھنڈی پیاز بہت پسند ہے اور آپ ایک موبائل شاپ میں کام کرتے ہیں۔"

اس نئے پیغام پر شارق کا چونکنا فطری تھا۔ جذبات سے بھرپور نوجوان ہونے کے باوجود ماں باپ کی تربیت اس پر حاوی رہتی تھی۔ اس لیے وہ لڑکیوں سے مناسب فاصلہ رکھتا تھا مگر اب یہاں انجان نمبر سے آنے والے پیغام میں اپنی ہی معلومات پڑھ کر وہ متجسس ہوا تھا۔

"آپ کے مخبر نے ایک خبر غلط دی ہے۔ میں موبائل شاپ میں نہیں، موبائل نیٹ ورک میں کام کرتا ہوں۔"

شارق نے بیسیوں میسج کے جواب میں پہلا میسج کیا تھا۔

جواب دے کر وہ سانپ سیڑھی کے کھیل میں کود پڑا تھا۔ جہاں آگے اس کے لیے پوری بساط تیار تھی۔ وہ اندازے لگاتا غلط ثابت ہوتا اس گتھی میں پھنستا جا رہا تھا۔

☆☆☆

"ثناء! کیا تم نے اپنی کسی سہیلی سے کہا ہے کہ میں موبائل شاپ میں کام کرتا ہوں؟"

شارق کو لگا، یہ گتھی اکیلے نہیں سلجھنی۔ اس لیے اس نے اپنی چھوٹی بہن کو اپنی الجھن میں شریک کیا اور نامعلوم لڑکی سے ہوئی ساری گفتگو کہہ سنائی۔

"بھائی! آپ اس کو کال کر لیں شاید آواز سے آپ پہچان لیں۔" ثناء کو یہی حل سجھائی دیا۔

شارق نے کچھ دیر پس و پیش کرنے کے بعد کال ملا ہی لی تھی۔

"اگر آپ کو یہ معلوم ہو کہ کوئی آپ سے بچپن سے دل کی گہرائیوں سے محبت کرتا ہے، تو آپ کا کیا ردعمل ہوگا؟"

اجنبی لڑکی جلد ہی کام کی بات پر آ گئی تھی۔

"تعریف کس کو بری لگتی ہے۔"

شارق نے گول مول کہا۔

اظہار محبت سن کر اظہار کرنے والے سے محبت ہو نہ ہو، خود سے محبت ضرور بڑھ جاتی ہے۔ وہ بھی زعم میں آیا تھا۔

"میری سہیلی حوریہ ہر وقت آپ کے نام کا دم بھرتی ہے۔ میں اس سے چھپ کر آپ کو فون کر رہی ہوں۔ وہ بہت معصوم ہے، اس میں اتنی ہمت نہیں کہ خود آپ سے اقرار کر سکے لیکن میں جانتی ہوں وہ صرف آپ کے بارے میں سوچتی ہے اور دل سے آپ کی محبت میں گرفتار ہے۔ آج کل سے نہیں سالوں سے، ہمیشہ سے۔ اتنی خالص محبت میں نے کبھی کسی کی نہیں دیکھی جو آپ کو بن مانگے مل رہی ہے۔ لیکن پلیز..... آپ کسی کو مت بتانا کہ میں نے یہ سب آپ کو بتایا ہے۔ مجھ سے تو بس اس کی حالت نہیں دیکھی گئی اس لیے آپ کو سب بتا دیا۔"

وہ شارق کو اس کی کزن حوریہ کے متعلق بتاتے بتاتے رونے لگی تھی۔

"دیکھیں۔ آپ جن کا نام لے رہی ہیں، ان کی عزت مجھے آپ سے کہیں زیادہ عزیز ہے۔ بے فکر رہیں آپ کا نام نہیں آئے گا۔ نہ ہی میں کسی سے ذکر کروں گا۔"

شارق نے صنف نازک کے آنسوؤں کا مان رکھا۔ حوریہ اس کے ماموں کی بیٹی تھی۔ وہ اس کی

Waqar Azeem Pakistanipoint
www.pakistanipoint.com

بدنامی ہرگز نہیں چاہتا تھا۔

''پھر آپ اس کو کیا جواب دیں گے؟''

پیغام رساں سہیلی کو اتنی محبت کے بعد اپنی سہیلی حوریہ اور شارق کی چٹ منگنی پٹ بیاہ کی امید تھی۔ شارق خاموش ہوگیا۔ دل نرم ہونے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ حوریہ اپنی ماں نازنین کی کاپی نہیں تھی، پر پھل پیڑ سے زیادہ دور نہیں گرتا۔ حوریہ شارق کی پسند نہیں تھی پھر بھی وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔

☆☆☆

''آنٹی ہم نے صحیح کیا؟'' گل نے فون بند کرکے نازنین کو واپس تھمایا اور ٹشو سے چہرہ صاف کرنے لگی۔ پلان کے مطابق اسے جھوٹ میں ڈرامائی رونا تھا مگر وہ گھبراہٹ میں سچ مچ کا رونے لگی تھی۔

''بالکل صحیح کیا ہے بیٹا! حوریہ اپنے کزن شارق سے بچپن سے جو محبت کرتی ہے، وہ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے۔ اس طرح دو محبت کرنے والے مل جائیں گے، یہ تو بہت نیک کام ہے۔''

اور نازنین بیگم نے کبھی سیدھے کام کی برکت کو پہچانا ہی نہیں تھا۔ اس لیے سیدھی انگلی سے نکلنے والا گھی بھی انگلی ٹیڑھی کرکے نکالتی تھیں۔

شارق، نازنین کی نند کا بیٹا تھا۔ وہ نند جو اس کی موہنی صورت دیکھ کر جھٹ پٹ اسے بیاہ کر لائی تھی پر جلد ہی سمجھ گئی تھی کہ نازنین بھولی لگتی ہے مگر بہت ہوشیار ہے۔ مہمان داری میں اس کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ لیکن جس طرح وہ مرد اور عورتوں کے ساتھ یکساں ٹھٹھے لگاتی اس سے اس کے خلوص نیت پر شک گزرتا۔

ساس کی وفات کے بعد برتنوں سے لدی الماریاں، قیمتی کپڑوں سے بھرے ٹرنک اندر ہی اندر خالی ہونے لگے۔ خدا جانے وہ کسی کو تحفے دیتی تھی یا بیچ دیتی تھی۔ امی کی یادگاروں کی گمشدگی پر علیشبا کا دل بہت دکھتا تھا مگر بھائی کے احترام میں وہ اور اس کی بہن خاموش رہیں۔

نازنین کی قسمت واقعی اچھی تھی۔ شادی کے فوراً بعد ایک بیٹی اور پھر ایک بیٹا ہوگیا۔ شادی کے چند سال بعد ہی علیشبا اور ساجد بھی بمع فیملی دوسرے صوبے جا بسے۔ ایک چھوٹی نند نفیسہ اسی شہر میں تھی لیکن اس کے سسرالی بکھیڑے اتنے تھے کہ نازنین کی نقل و حرکت پر اس کا دھیان کم ہی جاتا تھا۔

علیشبا اور ساجد جب آتے تو مہمان بن کر آتے۔ خوب دیتے دلاتے۔ بدلے میں نازنین بھی خوب آؤ بھگت کرتی۔ بڑی نند کا یہ ووٹ اس کا حق میں ڈلتا تھا اور اسے یقین تھا ہمیشہ اس کے ہی حق میں رہے گا۔

قدرت نے کئی سال نازنین کے پردے ڈھکے رکھے۔ بچے بڑے ہوگئے۔ علیشبا کو بوڑھے ساس سسر کی خاطر واپس اپنے شہر لوٹنا پڑا۔ فیصلہ یہ ہوا کہ علیشبا اور بچے تعلیمی سال ختم ہوتے ہی چلے جائیں گے جبکہ ساجد آہستہ آہستہ اپنی کاروباری مصروفیات کا دائرہ بدل لے گا۔ وہی شہر جس میں اس کا بچپن اور جوانی گزرا تھا۔ اب سالوں بعد علیشبا کے لیے بے حد اجنبی ہو چکا تھا۔

اکلوتا بھائی، عزیز بھابھی سے زندگی میں پہلی بار حقیقی معنوں میں اجنبیت ختم ہونے لگی تو واقفیت کے ڈنک پے در پے لگے تھے۔ نازنین کی پردہ پوشی آخر کتنی دیر چلنی تھی۔

☆☆☆

''بھائی! یہ طارق کا ایڈمیشن فارم منگوایا تھا۔ راستہ سمجھا دیں تو میں کل جمع کروا آتی ہوں۔''

علیشبا نے مروت سے کام لیا تھا۔ اصل میں وہ چاہتی تھی کہ بھائی کہیں میں ہی جمع کروا دوں گا۔ مگر جان چھڑکنے والے بھائی کو پڑھانے والے نے کیسی پٹی پڑھائی تھی۔ اسے لگ رہا تھا، بہن شہر میں لوٹی ہے تو اس کا ہی مانگ کر کھانے لگے گی۔

''یہ کالج کینٹ کے قریب ہے۔'' بھائی نے

waqar azeem www.pakistanipoint.com

سرسری سا کہا۔

''اچھا، جیل روڈ کے پاس؟'' علیشبا نے پھر پوچھا۔

''نہیں، اس سے آگے۔'' بٹوہ کھول کر کسی دوسرے کو کوئی نہیں تھما تا مگر یہاں تو زبانوں کو بھی خزانوں کی طرح تالے لگ گئے تھے۔

''رکشہ لے لوں یا بس؟'' علیشبا بھائی سے زیادہ رئیس تھی مگر ڈرائیونگ سے نابلد تھی۔ جبکہ بچوں میں صرف شارق قانونی طور پر ڈرائیونگ کرسکتا تھا اور وہ پرچے دینے کے غرض سے باپ کے پاس رکا ہوا تھا۔

''ٹیکسی منگوالینا۔'' بھائی نے ٹی وی کے چینل بدلتے ہوئے کہا۔

علیشبا بھائی کے سرد رویے سے سخت دلبرداشتہ ہوئی تھی جبکہ نازنین کو لبوں سے شہد ٹپکانے کے علاوہ کوئی کام نہیں آتا تھا۔

''تمہارے بچے تو میرے بچے ہیں۔ میرا بہت دل کرتا ہے، سب کو ڈے اسپینڈ کرنے گھر بلواؤں۔ لیکن نفیسہ کی عادت کا معلوم ہے تمہیں۔ وہ برا مان جاتی ہے۔'' نازنین نے دوسری نند کا ذکر کیا۔

علیشبا کو اس سے پہلا اختلاف اس ہی بات پر ہوا تھا۔ نازنین جب فارغ ہوتی کسی رشتہ دار خاص طور پر اس کی چھوٹی بہن نفیسہ کی برائیاں کرنے لگتی۔ جبکہ بظاہر اس کا نفیسہ سے بہت پیار تھا۔

یہ دوغلا پن علیشبا کو کھٹکنے لگا۔ علیشبا کے سامنے وہ نفیسہ کی برائی کرتی تو ٹھیک ویسے ہی اپنے شوہر کی سامنے وہ علیشبا کا ذکر کرتی۔ علیشبا کے سلجھے ہوئے، پڑھے لکھے بچوں کے آگے اپنے خوش شکل، خوش لباس بچے بھی انگوٹھا چھاپ لگتے تھے۔ یہی ذکر کر کر کے اس نے شوہر کو بھانجے، بھانجیوں سے متنفر کردیا تھا۔

دوسرا پردہ جو بہت جلد چاک ہوگیا، وہ نازنین کی انگریزی کا تھا۔ اس نے ڈے اسپینڈ، امریکن کچن، ٹائم ویسٹ جیسے چند الفاظ سیکھ رکھے تھے جن کو وہ بے موقع محل ہی دہرا کر انگریزی بولنے کا شوق پورا کرتی۔

علیشبا کے خاندان میں بھی عورتوں کی پڑھائی کا کوئی بہت زیادہ رواج نہیں تھا لیکن جتنی پڑھائی کی جاتی، اچھے طریقے سے مستند کی جاتی۔ ان کے خاندان کی آٹھویں پاس لڑکیاں بھی اپنے بچوں کو ایف اے، بی اے تک انگریزی اردو پڑھاتی تھیں۔

ان سب باتوں کے سمجھ میں آنے کے بعد علیشبا کے دل سے نازنین اتر گئی تھی۔ مگر اگلے انکشاف نے نازنین کو اس کی نظروں میں اس قدر گرادیا کہ اس پستی سے کوئی واپسی نہیں تھی۔ بچوں کی تمام چکا چوند بھی ظاہری تھی۔

نازنین نے ان کی پڑھائی لکھائی پر توجہ ہی نہیں تھی۔ حوریہ اور اس کا بھائی نالائقوں میں شمار ہوتے تھے۔ کتابوں سے ان کا دور دور تک واسطہ نہیں تھا۔ اس سب کے باوجود نازنین کو یقین تھا کہ شارق کی شادی ہوگی تو حوریہ سے ہی ہوگی۔

مصروف دور تھا۔ بھائی، بھابھی سے وقت کے ساتھ ساتھ تہواروں پر ہی ملاقات ہونے لگی۔ کسی بھی لڑائی جھگڑے کے بغیر ان کا تعلق کئی سال سلوک سے چلتا رہا۔ پھر نازنین نے گل سے فون کروا کر ٹھہرے پانی میں پتھر پھینک دیا۔

☆☆☆

''شارق نہیں آیا؟'' حوریہ صبح سے تیاری میں مگن تھی۔ کئی ہیئر اسٹائل کئی جوڑے بدل کر وہ نک سک سے تیار تھی۔ جب علیشبا پھوپھو کے ساتھ صرف ثناء کو آتے دیکھا۔

''نہیں بیٹا! اسے کوئی کام تھا۔'' علیشبا، گل کی طرف سے موصول ہوئی فون کالز سے انجان تھی۔ اس لیے پیار سے حوریہ کا گال تھپک کر آگے بڑھ گئی۔

قریب کھڑی نازنین بھی سلگ کر راکھ ہوگئی۔ اس نے اتنی بڑی دعوت کا اہتمام شارق کی خاطر ہی تو

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

کیا تھا۔ گل بھی مدعو تھی، جیسے ہدایت تھی کہ حوریہ اور شارق کی مخفی ملاقات ممکن بنائے۔

ابھی چند دن پہلے ہی حوریہ کی والہانہ محبت کو پار لگانے کے غرض سے نازنین نے گل سے شارق کو فون کروائے تھے۔ نتائج ماں بیٹی کی سوچ سے الٹ نکل رہے تھے۔ پہلے ہنس کر بات کر لیتا تھا پر اب تو شارق انہیں سلام کرنے سے بھی گیا تھا۔

جب علیشبا نئی نئی اس شہر میں آئی تھی، ان سب کا بہت ملنا جلنا تھا۔ نازنین کو علیشبا کے دو بچے شارق اور ثناء جتنے پسند تھے۔ باقی دو بچے طارق اور شہرین اتنے ہی ناپسند تھے۔ طارق اور شہرین کے سامنے انہیں اپنی غلط انگریزی اور حالات حاضرہ کی لاعلمی کا شدت سے احساس ہوتا تھا۔ جبکہ شارق اور ثناء میں لچک تھی۔ اسٹار پلس سے لے کر کرکٹ تک سب موضوعات پر بات کر لیتے تھے۔

پھر نازنین نے تقسیم کرو اور راج کرو کی وہ پالیسی اپنائی جو اکثر شادی کے بعد بھی الٹی پڑتی ہے۔ نازنین، طارق اور شہرین کبھی بھولے سے ان کے گھر بھی آ جاتے تو پانی تک نہ پوچھتی۔ نتیجتاً سب بہن بھائیوں نے ہی مامی کے گھر آنا جانا بہت کم کر دیا۔

چند سال مناسب فاصلے سے گزر گئے، جب شارق برسر روزگار ہوا نازنین نے ان فاصلوں کو سمیٹنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارے۔ سالوں کی محنت سے اس نے جو اسٹینڈرڈ قائم کیا تھا۔ اس کا کھلی پن دور سے نظر آتا تھا۔ حوریہ کو نہ گھر داری آتی تھی نہ پڑھائی لکھائی۔ باقی کسر اس کے بائیو ڈیٹا میں ماں کی شخصیت نے پوری کر دی تھی۔ بیٹی کے جو گن تھے۔ وہ بھی اس فلسفے کے آگے فلاپ ہو جاتے تھے کہ بیٹی ماں پر ہی جاتی ہے۔

باقی تمام دعوت نازنین خرچا ہی گنتی رہ گئی۔ بے کار میں اتنا پیسا لگایا۔ شارق آیا ہی نہیں۔

☆☆☆

''تمہاری ملازمہ کی بیٹی کی جو شادی ہوئی تھی، اس کا کیا بنا؟'' علیشبا کے پاس سوالات ختم ہو گئے تھے۔

دعوت کے اگلے ویک اینڈ پر ہی نازنین حوریہ کے ساتھ نند کے گھر آ گئی تھی اور تین گھنٹے سے ہلنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ اکتا کر میزبان اور مہمان دونوں ٹی وی پر کسی ڈرامے کی دہرائی جانے والی قسط دیکھنے لگیں۔

''السلام علیکم دکھی عوام!'' شارق نے آتے ہی سیریل کے دکھی بیک گراؤنڈ میوزک سننے والیوں پر جملہ اچھالا۔ وہ اپنے ٹائم پر گھر پہنچا تھا، آگے بڑھا تو اس کی نظر نازنین اور حوریہ پر پڑی۔

''آ جاؤ بیٹا! کیسے ہو؟ مامی کو شکل ہی نہیں دکھائی۔''

وہ اسی مقصد کے لیے تین گھنٹوں سے بیٹھی تھیں۔

''مامی! آپ کو کیوں ایسی چیزیں دیکھنے کا شوق ہے، جن سے آپ ڈر جائیں۔'' شارق نے مذاق میں کہا۔

وہ اب بھی ہنس مکھ تھا مگر اب حوریہ کی موجودگی اس کو کھٹکنے لگی تھی۔

''کیسے ہیں شارق؟'' حوریہ نے کزن سے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا جو پورے خاندان میں صرف حوریہ کا ہی طریقہ تھا۔

''بالکل ٹھیک۔ آپ بیٹھیں میں کپڑے تبدیل کر آتا ہوں۔'' وہ اس کے بڑھے ہاتھ کو یکسر نظر انداز کر کے چلا گیا۔

جب کئی بار دستک دینے پر بھی دل کا دروازہ نہ کھلے تو راستہ بدل لینا چاہیے۔ حوریہ منتظر تھی تو شارق نے ہی راستہ بدل لیا۔

''بھابھی! کھانا لگواؤں؟'' علیشبا کو لگا شاید وہ ڈنر کے انتظار میں بیٹھی ہیں۔

''بھوک ہی نہیں۔ ابھی تو چائے پی ہے۔ میں تو شارق کا انتظار کر رہی تھی۔'' نازنین نے لگاوٹ سے کہا۔

www.paksociety.com

''بھائی تو کچن کے دروازے سے کسی دوست سے ملنے چلے گئے۔'' ثناء نے حوریہ کی سماعتوں پر بم پھوڑا۔

تو کیا وہ اتنی ناقابل قبول تھی کہ شارق اس کی صورت سے بھاگنے لگا تھا۔ حوریہ کو یقین نہیں آ رہا تھا، اس نے دنیا کو اپنی ماں کی نظر سے دیکھا تھا اور ویسے ہی جعل سازی سے ہتھیانا چاہا تھا۔

مور اپنی مورنی کو رجھانے کے لیے رقص کرتا ہے جبکہ مورنی نخرے دکھا کر منہ پھیر لیتی ہے۔ یہاں تو قدرت کے خلاف جا کر وہ تھرک رہی تھی اور منہ شارق نے پھیر لیا تھا۔

☆☆☆

رات کی بارش کے باعث سبز پتے زیادہ ہی سبز اور نیلا آسمان نکھرا ہوا لگ رہا تھا۔ دھوپ کا راستہ روکنے کبھی کبھی بادل کا ٹکڑا اڑتا ہوا آ جاتا لیکن جب اندر کا موسم اچھا نہ ہو تو کچھ خوب صورت نہیں دکھائی دیتا۔

جب سے شارق کی منگنی کی خبر ملی تھی، حوریہ تکیے میں منہ دیے روئے جا رہی تھی۔ علیشبا کو جب معلوم ہوا کہ حوریہ کی سہیلی نے شارق کو فون کیے ہیں، اسے لمحہ نہیں لگا یہ جاننے میں کہ یہ سب نازنین کی منصوبہ بندی پر ہو رہا ہے۔ بات مزید نہ بڑھے، اس لیے علیشبا نے شارق کی منگنی کر دی تھی۔

حوریہ نے رو رو کر آنکھیں سجالی تھیں۔ ہر دلاسا، ہر تسلی بے کار گیا تھا۔ حوریہ ماں کو ہی بڑے دعوے اور خوابوں کو بڑھاوا دینے کا قصوروار مان رہی تھی۔

''یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا۔ آپ نے گل سے فون کروائے تھے۔ میں تو مفت کا مال نظر آ رہی تھی، اس کی نظر میں میری قدر کہاں رہی تھی۔ دیکھیں میری طرف..... آپ تو کہتی تھیں جو نگاہ بھر کر میرے حسن کو دیکھ لیتا ہے۔ وہ نظریں پھیرنے کے قابل نہیں رہتا۔ پھر اس نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟'' وہ ہر وقت ماں کے لیے نفرت سے زہر اگلتی رہتی۔

حالانکہ ماں کے ہر پلان میں وہ برابر کی شریک تھی۔

''وہ کسی اور کا ہو گیا تو میں زندہ کیوں ہوں؟ اس کی شادی کسی اور سے ہوئی تو میں زہر کھالوں گی؟''

حوریہ جنونی ہوتی جا رہی تھی اور نازنین کا بس نہیں چل رہا تھا، علیشبا کو چھرا ہی گھونپ دے۔

وہ ذہنی الجھنوں سے تنگ آ کر برآمدے میں آ بیٹھی۔ ساتھ والی دیوار کے پار سے کھڑ پٹر کی آوازیں سن کر اسے یاد آیا کہ نئے ہمسائیوں کے گھر ہاؤس وارمنگ پارٹی تھی۔ اس نے حوریہ کو بہت منتیں، واسطے دے کر تیار کیا اور گل کے ساتھ دعوت میں بھیج دیا تاکہ وہ بہل جائے اور خود ایک اہم کام نبٹانے چلی گئی۔

اپنی بچی کی خوشی کی راہ میں علیشبا کیا اس کی سگی بہن بھی آتی تو وہ لحاظ نہ کرتی۔

☆☆☆

''بس یہ سفوف اس کے کھانے میں ملا دو۔ تمہارا کام ہو جائے گا۔'' پیر صاحب کی بات یاد کرتے ہوئے نازنین کی مٹھی میں موجود پڑیا پھڑکی تھی۔

وہ کسی رشتہ دار کے جنازے پر آئے تھے مگر اپنی آخرت بھولی ہو تو میت دیکھ کر بھی یاد نہیں آتی اور اس وقت تو سب تدفین کے لیے جا چکے تھے۔ کیٹرنگ والے کھانا لگا رہے تھے۔ نازنین نے اچک کر ایک پلیٹ پکڑی اور دوپٹے کی اوٹ میں ہی اس پر سفوف لگا دیا۔

''کھانا لو۔'' اس نے پلیٹ علیشبا کی طرف بڑھائی۔

''نہیں بھابھی! میت کے گھر کیا نوالے توڑنا۔'' علیشبا نے بھی نمایاں نہ ہونے کے غرض سے پلیٹ پکڑی اور چند نوالے حلق میں اتار ہی لیے۔

نازنین کو لگا بابا جی حقیقت میں ہی بہت پہنچے

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

ہوئے ہیں۔ علیشبا رات ہی بستر سے لگ گئی اور ماتھے سے ٹخنوں تک انجان تکالیف میں گھر گئی۔ نازنین پھلوں کے ٹوکرے لے لے کر کئی بار اس کی خیریت دریافت کرنے گئی۔

شوہر اور اولاد علیشبا کی پٹی سے لگے بیٹھے تھے۔ ہر طرف علیشبا علیشبا ہو رہی تھی اور نازنین کا کام سننے کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ علیشبا کو اپنا ہوش نہیں تھا، وہ بیٹے کا مستقبل کیسے سوچتی۔

☆☆☆

جو آس بیچنے کے ماہر ہوتے ہیں، انہیں خریداروں کو روشنی کے ہیولوں کے پیچھے لگانے کا تجربہ ہوتا ہے۔ ہر مسئلے پر کہتے ہیں وہ سامنے دیا روشن ہے، بس یہ چند عمل کر لو تو روشنی مل جائے گی مگر وہ روشنی ٹرک کی بتی کی مانند اپنے ہی سفر پر آگے آگے چلی جاتی ہے اور ہاتھ نہیں آتی۔

نازنین کے پرس میں ایک نئی تازہ تازہ مہنگی والی پڑیا تھی۔ سودے سلف اور میاں کی جیب سے ہیرا پھیری تو وہ سالوں سے کر رہی تھی۔ اب یکمشت ہزاروں کی ضرورت پڑی تھی تو اسے انگلی ضرورت سے زیادہ ٹیڑھی کرنی پڑی۔ اپنے ہی ایک کزن کو شامل کر کے اس نے سگنل پر شوہر کی موجودگی میں اپنا پرس چھنوایا تھا۔ پھر پرس میں موجود موبائل اور سونے کی چوڑیاں بیچ کر پیر صاحب کی رقم چکائی تھی۔ پھر کہیں جا کر یہ پڑیا ملی تھی جس سے اسے اپنی بیٹی کا نصیب جاگنے کی امید تھی۔

چوڑیاں بیچنے پر اس کا دل تو دکھا تھا مگر بیٹی کا دل جوڑنے کی قیمت اسے ادا کرنی ہی تھی۔ اسے ڈر تھا کہ حوریہ، شارق کے غم میں سچ مچ خود کو نقصان نہ پہنچائے۔ اپنی ہم عمر لڑکیوں کی شادی منگنیوں پر بیٹی کو آٹھ آٹھ آنسو بہاتے دیکھ کر اس کا دل بھی ٹوٹتا تھا۔

''چلو حوریہ پھوپھو کا حال پوچھنے چلیں۔'' یہ نئی پڑیا اسے جلد سے جلد علیشبا کے پانی میں ملانی تھی۔

''مجھے نہیں جانا۔ ہر بار آپ مجھے سوالی بنا کر لے جاتی ہیں اور وہ مجھے دھتکار کر نکال دیتے ہیں۔''

حوریہ نے لمحہ بھر کے لیے موبائل سے نظر اٹھا کر ٹکا سا جواب دیا۔ ماں سے وہ اب بھی خائف تھی۔

''بہت حالت خراب ہے، تمہاری پھوپھو کو موت نظر آ رہی ہے۔ ہو سکتا ہے تمہیں دیکھ کر فوراً تمہیں مانگ لیں۔''

نازنین کی ان ہی باتوں نے پہلے بھی حوریہ کے دماغ میں فتور ڈالا تھا۔ وہ شادی کے ذکر پر ہیجانی ہو جاتی تھی۔

''ہونے کو تو وہ حملہ آور بھی ہو سکتی ہیں۔ اس لیے جو میرا بچا کھچا ذہنی سکون ہے کہ شارق میرا ہے۔ اتنی حسین اور پڑھی لکھی منگیتر ملی ہے اسے۔ میرا ذکر تک اس کا دن برباد کر دیتا ہوگا۔ مجھے اتنے خواب دکھائے ہی کیوں۔ شارق کے بجائے مجھے خود اپنے وجود سے محبت کرنا سکھائی ہوتی۔ اپنا آپ کیسے سنوارتے ہیں، اپنی عقل کو کیسے وسعت دیتے ہیں یہ بتایا ہوتا۔''

وہ زبان سے چھریاں چلاتے ہوئے رونے لگی اور اپنا موبائل قالین پر دے مارا۔ اس کا پاگل پن دیکھتے ہوئے نازنین نے ملازمہ کو اس کے دروازے کے باہر پہرہ داری پر بٹھایا تاکہ خود کو نقصان نہ پہنچائے اور اکیلی ہی نند کے گھر جا کر پیر صاحب کا دیا سفوف علیشبا کے پانی میں ملا آئی۔

خدا کے علاوہ دوسرے سہارے ڈھونڈنے والوں کو منہ کی کھانی پڑتی ہے۔ وہ بے وقوف تھی جو سمجھ رہی تھی کہ کسی ڈھونگی پیر کے توسط سے اس کی مراد پوری ہو جائے گی۔ یہ آنکھوں کے دھوکے جیسی اولین کامیابیاں تو بھٹکے ہوئے کو مزید بھٹکانے کے لیے ہی ملتی ہیں۔

علیشبا صحت یاب ہونے لگی اور بالکل بھلی چنگی ہو گئی۔ نازنین جو بیٹی کے جہیز کے لیے رضائیاں کمبل تک لے کر بیٹھی تھی، منہ دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

''تم نے ہی عمل صحیح سے نہیں کیا۔ دیکھو اثر زائل ہو گیا۔''

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

وہ آدھی رات کو بے چینی سے ٹہل کر پیر صاحب کی بات یاد کر رہی تھی۔ جنہوں نے اس کی ہی کھنچائی کی تھی۔ اب ان کے اگلے حربے کے لیے جو رقم درکار تھی اس کا تصور ہی نازنین کی نیند اڑا رہا تھا۔

وہ ننگے پاؤں باورچی خانے میں آئی تھی۔ اتنی رقم کہاں سے آئے گی، وہ سوچ سوچ کر پسینہ صاف کر رہی تھی۔ اس وقت کسی نے اوپر چھت کے دروازے کی کنڈلی کھولی، جس کی آواز سنسان گھر میں نیچے تک آئی تھی۔ نازنین کا خون خشک ہو گیا۔ وہی ہوا جس کا ڈر تھا، وہ ننگے پاؤں سیڑھیوں کی طرف دوڑی، بال کھولے، دوپٹہ گلے میں لٹکائے دبے پاؤں چھت پر جانے والی حوریہ ہی تھی۔

''میری بچی..... چھت سے نہ کودنا۔'' نازنین نے چیخنا چاہا مگر آواز ہی نہیں نکلی۔ نازنین سیڑھیاں پھلانگ کر اوپر جانے لگی۔ وہ تو اس کی قیمتی بچی تھی، اس قدر انتہائی قدم اٹھانے کی ہمت اس میں کہاں سے آ گئی۔ وہ خود کو ناکام ماں سمجھ کر ملامت کرنے لگی کہ وہ اپنی بچی کو اس کی خوشیاں نہیں دلوا سکی۔ وہ سوچ بیٹھی تھی کہ اگر حوریہ چھت سے کودی تو وہ بھی کود کر اپنی جان دے دے گی۔

وہ آخری سیڑھی پر پہنچی تو حوریہ کا شرمیلا قہقہہ اس کے کانوں میں پڑا۔

''میرے حوصلے مت آزمائیے گا جناب! مجھے ہر بازی اپنے نام لکھنی آتی ہے۔'' حوریہ نے اس ہی وثوق سے کہا جس وثوق سے کبھی شارق کو پانے کی باتیں ہوتی تھیں۔

نازنین نے چھپ کر جھانکا۔ حوریہ کی کھلی زلفیں چھت کی ہوا میں اڑ اڑ کر ساتھ والے نئے ہمسائیوں کے بیٹے جگنو کے کندھے سے ٹکرا رہی تھیں۔

''میں آزمانے کا نہیں اپنانے کا قائل ہوں۔ صبح ہی امی کو بھیج دوں گا۔''

نازنین نئے ہمسائیوں کی، نئے گھر کی تقریب پر نہیں جا سکی تھی۔ اسی دن شارق کی یاد میں رویا رویا حوریہ کا اداس حسن جگنو کے دل میں بس گیا تھا۔ پھر اس نے اپنی ہمت سے ہی حوریہ کے دل میں راستہ بنایا تھا۔

پیروں فقیروں کے چکر میں پڑی نازنین کو بیٹی کی بدلی دلچسپیوں کی خبر بھی نہیں ہوئی۔

''اگر صبح دروازہ کھلنے والا ہے تو اس چور دروازے کو بند ہو جانا چاہیے۔''

حوریہ کو ماں نے مکمل سبق دے رکھی تھی۔ جہاں قدر ہوتی تھی وہاں اسے نخرہ اٹھوانا آتا تھا۔

وہ ادائیں دکھاتی ہوئی کسی مورنی کی طرح واپس پلٹی اور چھت کا دروازہ بند کر لیا تھا۔

نازنین تب تک اپنا من من بھاری وجود لیے نیچے جا چکی تھی۔

یہ کیسی محبت تھی، جس کے لیے اس نے اپنے دن رات کا چین برباد کر لیا تھا۔ اپنا زیور بکوایا۔ حوریہ کو تو شاید صرف تو صیفی جملے سننے کا شوق تھا۔ شارق نے یہ سیری نہیں بخشی تو اس نے کوئی اور چشمہ ڈھونڈ لیا۔ محبت تو وہ بھی مشکوک تھی جو نازنین نے اپنے بچوں سے نبھائی تھی۔ تربیت میں اتنے بڑے بڑے جھول چھوڑے تھے کہ ان کو چھپانے کے لیے اس کے بچوں کو قدم قدم پر جھوٹ کا سہارا لینا پڑتا تھا۔ اپنی خامیاں انسان کو خود سے محبت کرنے کے لائق نہیں چھوڑتیں۔ یہ تو باپ کی حلال کمائی کا نتیجہ تھا کہ بچوں کے بگڑے کام پھنس پھنسا کر راستے بدل کر نکل ہی جاتے تھے۔

نازنین اتنی سمجھ دار نہیں تھی کہ جان سکے کہ دہرے اطوار زندگی نہیں سنوارتے۔ وہ تو اس پہلی سے ہی نہیں نکل سکی تھی کہ یہ کیسی محبت تھی جو حوریہ کے ذہن سے موسمی بخار کی طرح اتر گئی تھی۔

پھر اسے خیال آیا۔ اپنے بچوں کا سیکھنے کا عمل اس نے خود ہی اتنا کمزور بنایا تھا۔ شارق بھی تو اس کا پڑھایا ہوا ایک سبق ہی تھا۔ جو حوریہ کے ذہن سے محو ہو چکا تھا۔ اس کا من بدل گیا تو من کی مراد بھی پوری ہو گئی۔

☆☆

www.paksociety.com

ماہنامہ کرن

اپریل/ مئی 2020ء کے شمارے کی ایک جھلک

- عید کے موقع پر ''شاہین رشید'' کا سروے،
- اداکار ''نعمان سمیع'' کہتے ہیں ''میری بھی سنیے''،
- اداکار ''عرفان کھوسٹ'' سے شاہین رشید کی ملاقات،
- اس ماہ ''انیلا طالب'' کے ''مقابل ہے آئینہ''،
- کیا ارسلہ کا نکاح آبص سے ہو جائے گا؟ یہ جاننے کے لیے پڑھیے۔ ''میرے ہم نفس میرے ہم نوا'' آسیہ مرزا کا سلسلہ وار ناول،
- ربیکا واقعی میں حمزہ سے طلاق لینا چاہتی ہے؟ خزینہ تیمور کو معاف کر دے گی؟ ''ہوائیں رخ بدل گئیں'' نگہت عبداللہ کا سلسلے وار ناول،
- ''جفت ساز'' نگہت سیما کا مکمل ناول،
- ''کنار خواب جو'' فرح بخاری کا مکمل ناول،
- ''پھول کھلنے لگے ہیں راہوں میں'' نوشین فیاض کا ناولٹ،
- ''اے دل بے خبر'' صدف ریحان گیلانی کے ناولٹ کی دوسری اور آخری قسط،
- نفیسہ سعید، ماہ نور بنت نعیم، ثمارہ امداد اور فہمیدہ فرید کے افسانے اور مستقل سلسلے،
- **''کرن کتاب''**

دلچسپ معلوماتی مضامین اور مزے دار ریسپیز کے ساتھ،

اپریل/ مئی 2020ء کا شمارہ شائع ہو گیا

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

مکمل ناول

تلخہت سیما

سوالیہ

موضع دارا کلاں

کھڑکی کا شیشہ تھوڑا سا نیچے کیے وہ باہر دیکھ رہی تھی کہ اس کی نظر سڑک کے کنارے لگے بورڈ پر پڑی۔ بورڈ پر تیر کا نشان تھا جو دائیں طرف اشارہ کر رہا تھا۔ آج سے پندرہ سال پہلے جب وہ یہاں سے گئی تھی تو یہاں ایسا کوئی نشان یا بورڈ نہیں تھا لیکن آج.....

"کس طرف جانا ہے؟" شیر زماں کے سوال پر وہ چونکی۔

www.pklibrary.com

"دائیں طرف موڑلو۔"

دائیں طرف مڑنے کے کچھ دیر بعد ہی اسے بڑی حویلی کی اونچی برجی نظر آنے لگی تھی۔ ڈوبتے سورج کی روشنی اس کے سنہرے کلس پر پڑ رہی تھی۔ آج پندرہ سال بعد بھی اونچی برجی پر پیتل کا کلس ایسے ہی چمک رہا تھا۔ جیسے آج سے پندرہ سال پہلے چمکتا تھا۔

آج پندرہ سال بعد بھی اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی تھی اور وہ آج بھی خوشی کے اسی احساس کے ساتھ حویلی کی اونچی برجی اور سنہرے کلس کو دیکھ رہی تھی جیسے پندرہ سال پہلے جب چھٹیوں میں ہوسٹل سے گھر آتی تھی تو جوں ہی گاڑی پکی سڑک سے اتر کر اس کچے راستے پر اترتی تھی جو "دارا کلاں" کی طرف جاتا تھا تو وہ گاڑی کا شیشہ نیچے کر کے باہر جھانکنے لگتی تھی۔

"چھوٹی بی بی! شیشہ نیچے نہ کریں۔ مٹی حلق میں جائے گی۔" خانو چاچا (ڈرائیور) کو پتا تھا کہ اسے مٹی سے الرجی ہے۔

لیکن وہ سنی ان سنی کرتی اس وقت تک شیشہ نیچے کیے دیکھتی رہتی تھی جب تک حویلی کی اونچی برجی کا کلس نظر نہیں آنے لگتا تھا اور جوں ہی اونچی برجی کا سنہرا کلس نظر آتا، اس کا دل خوشی سے کھل اٹھتا تھا۔ اور وہ خانو چاچا کا سر کھانے لگتی تھی۔ حویلی کی ایک بڑی اور دو چھوٹی برجیوں کے اوپر سنہرے کلس تھے۔

"چاچا! جلدی کریں، بابا گیٹ پر کھڑے کھڑے تھک گئے ہوں گے۔"

پندرہ سال پہلے سیل فون کا استعمال آج کی طرح تو نہیں تھا کہ ہر خواص و عام کے پاس ہو لیکن خوش حال طبقے میں عام ہو چکا تھا۔ اس کے پاس بھی سیل فون تھا۔ لیکن اس علاقے میں سگنل نہیں آتے تھے۔ البتہ ہوسٹل سے چلتے ہوئے وہ فون کر دیتی تھی اور بابا اسے حویلی کے گیٹ پر ہی منتظر ملتے تھے۔

"میری بیٹی! میری شہزادی آگئی۔" وہ بانہیں وا کیے آگے بڑھتے تو وہ بھی ان کی بانہوں میں سما جاتی۔

"بابا! مجھے آپ کے بغیر بالکل بھی اچھا نہیں لگتا۔ میں ہر روز، ہر رات، ہر گھنٹے، ہر لمحے آپ کو یاد کرتی ہوں۔ یہ اماں نے مجھے کس مصیبت میں ڈال دیا ہے میں نے بھلا اتنا پڑھ کر منسٹر لگنا تھا کیا؟"

اور بابا اس کے گرد دو بازو حمائل کیے کیے اندر آتے۔

"منسٹر تو بھلے نہیں لگنا لیکن اپنی اماں کا خواب تو پورا کرنا ہے۔ بہت زیادہ پڑھنا۔ اور ماسٹرز کی ڈگری لینا تمہاری اماں کا خواب تھا۔ وہ اپنا خواب پورا نہ کر سکیں اور۔"

"تو یہ اماں کا خواب تھا نا۔ میرا تو نہیں..... میرا خواب تو بس ہمیشہ یہاں اپنی اس حویلی میں اپنے بابا اور اپنی اماں کے ساتھ رہنا تھا۔ پتا نہیں یہ مائیں اپنے ادھورے خوابوں کی تعبیر بیٹیوں سے کیوں مانگتی ہیں۔" وہ ان کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی گلے شکوے کیے جاتی۔

"بیٹیاں سدا ماں باپ کے ساتھ کہاں رہتی ہیں۔" بابا افسردہ ہو جاتے۔ "انہیں ایک دن بابل کا انگنا چھوڑنا ہی ہوتا ہے۔"

"اور اماں نے اس ایک دن سے پہلے ہی مجھے جدا کر دیا۔" وہ ٹھنکتی تو وہ اس کا بازو تھپتھپاتے۔

"یہ دو سال تو یوں چٹکی بجاتے گزر جائیں گے۔ اب دیکھو نا، آٹھ ماہ تو گزر بھی گئے۔"

"اور کیسے گزرے، ذرا میرے دل سے پوچھیں نا اپنے بابا اور اماں کے بغیر اور ہاں شاہو بھی تو اتنا یاد آتا ہے وہاں۔"

وہ منہ بسورتی رہتی اور بابا اسے تسلی دیتے رہتے۔

اماں اندر اس کی منتظر ہوتیں، وہ بابا کے بازوؤں سے نکل کر ان کی بانہوں میں سما جاتی لیکن اماں نے کبھی اس طرح والہانہ استقبال نہیں کیا تھا اس کا جس طرح بابا کرتے تھے۔ اس سے گلے مل کر وہ فوراً ہی الگ ہو کر بیٹھ جاتی تھیں۔ البتہ شاہو کا تو بس نہیں چلتا تھا کہ اس کی گود میں گھس جائے۔ اس کا بازو پکڑے

Qaisar Nadeem
www.pakistanipoint.com

اس کے ساتھ چپک کر بیٹھ جاتا اس کی خوب صورت آنکھوں میں اشتیاق شوق محبت سب کچھ ہوتا۔

شہروز جو اس سے پورے تیرہ سال چھوٹا تھا، وہ تیرہ سال کی تھی جب وہ پیدا ہوا تھا۔ اتنا پیارا سرخ سفید چینی کے گڈے جیسا اس کا لاڈلا بھائی جسے وہ شاہو کہتی تھی۔ وہ سارا دن اسے گود میں اٹھائے اٹھائے پھرتی تھی۔ کتنا شوق تھا۔ اسے کہ اس کا کوئی چھوٹا بہن بھائی ہوتا۔ اور جب وہ سات سال کی تھی اور بابا نے شہر جاتے ہوئے پوچھا تھا کہ وہ اس کے لیے شہر سے کیا لائیں تو اس نے فوراً کہا تھا کہ اسے تو بس بھائی چاہیے۔ جیسا چھوٹا گپلو سا مانو کا بھائی ہے۔"

مانو چوہدری جلیل کی بیٹی اور اس کی سہیلی تھی جس کا نام تو مہر فاطمہ تھا۔ لیکن سب اسے مانو کہتے تھے۔ اور اس کا ایک چھوٹا سا چھ سات ماہ کا بھائی تھا جسے وہ گود میں اٹھا کر بہت اتراتی تھی۔

"لیکن بھائی بازاروں سے تو نہیں ملتے میری جان۔"

بابا اماں کو دیکھ رہے تھے۔

"تو کہاں سے ملتے ہیں؟" اس نے بابا کا بازو ہلایا تھا۔

"اللہ میاں کے پاس سے۔ جب ان کی مرضی ہو تو وہ اپنے بندوں کو نوازتے ہیں۔" بابا بدستور اماں کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"تو ہمیں اللہ میاں نے بھائی کیوں نہیں دیا۔ ہمارا تو گھر بھی مانو کے گھر سے اچھا ہے۔" اس نے بابا کا بازو زور سے ہلایا تھا، وہ اس کی طرف دیکھ جو نہیں رہے تھے۔

"اللہ میاں جن سے خوش ہوتا ہے، انہیں تحفے میں ایسی نعمت دیتا ہے۔" اب بابا اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"تو کیا اللہ میاں ہم سے خوش نہیں ہیں..... کیا وہ ہم سے ناراض ہیں؟" وہ پریشان ہو گئی تھی۔

"ہاں شاید مجھ سے۔" اسے بابا کی آواز سرگوشی کی طرح لگی تھی اور آنکھیں نم سی۔

"تو اللہ میاں کیسے راضی ہوں گے؟"

اسے تو ہر صورت اللہ میاں کو راضی کرنا تھا اسے مانو کا اترانا اور اپنے بھائی کو اسے گود میں نہ لینے دینا بہت برا لگا تھا۔

"تم اسے گرا دو گی تمہیں پتا نہیں ہے نا، بچوں کو کیسے اٹھاتے ہیں۔" مانو مدبر بنی اسے سمجھا رہی تھی کہ مانو سے چھوٹی ایک بہن تھی اور اب یہ بھائی۔

"اللہ میاں سے دعا کرتے ہیں۔ معافی مانگتے ہیں تو اللہ راضی ہو جاتا ہے۔" بابا نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا تھا۔

"اچھا۔ میں اب اللہ میاں سے دعا کروں گی روز پھر ضرور اللہ میاں راضی ہو جائیں گے۔ کیا آپ بھی دعا کرتے ہیں بابا؟" اس نے پوچھا تھا۔

"ہاں، دعا بھی کرتا ہوں اور ہر روز اپنے گناہوں کی معافی بھی مانگتا ہوں۔" اب وہ پھر کن اکھیوں سے اماں کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"تم جب اللہ میاں سے اپنے لیے بھائی مانگو تو اپنے بابا کے لیے معافی بھی مانگنا۔" اور بابا تیزی سے باہر نکل گئے تھے۔

"اللہ بھی اس وقت تک معاف نہیں کرتا ضوئی! جب تک اللہ کے بندے معاف نہ کریں۔"

اماں کی آواز اتنی بلند ضرور تھی کہ بابا برآمدے میں لمحہ بھر کے لیے رک گئے تھے اور پھر تیزی سے صحن کی طرف بڑھ گئے تھے وہ اماں کی بات تب نہیں سمجھ سکی تھی لیکن رات سونے سے پہلے اور صبح اٹھنے کے بعد وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا ضرور مانگتی تھی۔

اور پھر پورے چھ سال بعد اللہ نے اس کی دعا سن لی تھی اور شاہو دے دیا تھا۔ شاہو تو مانو کے بھائی سے بھی پیارا تھا۔ وہ تو اماں اور بابا سے بھی زیادہ خوش تھی۔

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

اور جب وہ اسکول سے گھر آئی تھی تو خالہ بتول نے بتایا تھا کہ اللہ میاں نے اس کے گھر بھائی بھیجا ہے تو وہ دوڑتی ہوئی بابا کے کمرے میں گئی تھی۔

"بابا..... بابا! اللہ میاں نے ہمیں معاف کر دیا ہے ہماری دعا سن لی ہے۔"

چھ سال پہلے کی بات وہ بھولی نہیں تھی۔ بابا نے اسے پیار کیا تھا۔

"بھائی کو دیکھا۔"

"نہیں تو....." اسے تو اب بھی ہر بات پہلے بابا کو بتانا ہوتی تھی۔

"بیگم صاحبہ! سیدھا ہی جانا ہے یا یہ ادھر بائیں طرف مڑنا ہے؟"

شیر زمان نے پوچھا تو وہ ماضی سے لوٹی۔ ایک سرد آہ اس کے لبوں سے نکلی۔

"شیر زمان! گاڑی یہاں ہی روک دو۔"

شیر زمان نے گاڑی روک دی تو وہ دروازہ کھول کر باہر نکلی۔ پندرہ سال پہلے کا کچا راستہ اب پکا ہو گیا تھا۔ دور سامنے ٹیلوں کے پیچھے سورج ڈوب رہا تھا۔ سورج کے سرخ گولے سے نظر ہٹا کر اس نے دور بڑی حویلی کی طرف دیکھا۔ جس پیتل کے کپلوں جڑے دروازے والا سا گوان کی لکڑی کا گیٹ اتنی دور سے صاف دکھائی نہیں دیتا تھا لیکن اس کی تینوں برجیاں نظر آتی تھیں اور ان کے سنہری کلس میں اب ہلکی سرخی کی آمیزش تھی۔

یہ حویلی، یہ گھر اسے کتنا پیارا تھا۔ وہ تو اس سے جدا ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔

جب وہ اتنی باشعور ہو گئی تھی کہ اس نے یہ حقیقت جان لی تھی کہ لڑکیوں کو ایک روز رخصت ہو کر جانا ہوتا ہے، تب سے وہ سوچتی تھی کہ وہ بابا سے کہے گی کہ وہ اسے اور اس کے میاں کو بھی اسی حویلی میں کوئی کمرہ دے دیں۔ آخر اتنی بڑی حویلی کے اتنے بہت سارے کمرے خالی ہی تو پڑے تھے۔

اور ایک بار تو اس نے اماں سے کہا بھی تھا کہ اول تو اسے شادی ہی نہیں کرنی اور اگر شادی کرنا بہت ضروری ہوتا ہے تو پھر اس کی شادی یہاں ہی اسی گاؤں میں کر دیجیے گا تاکہ وہ ہر روز اپنے گھر آ سکے اور اپنے بابا، اماں اور شاہو سے مل سکے۔

اور تب اماں نے اسے بہت عجیب نظروں سے دیکھا تھا۔

"اور اگر تمہیں یہاں سے بہت دور جانا پڑے تو..... اتنی دور کے تم پھر کبھی پلٹ کر نہ آ سکو تو۔"

"تو میں مر جاؤں گی اماں!"

"مر جانا آسان کہاں ہوتا ہے ضوئی؟"

اماں کے لہجے میں جانے کیا تھا کہ وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

"لیکن اماں! میں بھلا اتنی دور جاؤں گی ہی کیوں؟ بہت ہوا تو دوسرے گاؤں یا دوسرے شہر میں بابا بیاہ دیں گے تو میں ہر روز نہ سہی تو تین چار روز بعد چکر لگا لیا کروں گی۔ ہاں تو۔"

اماں نے شاید اس کی پوری بات نہیں سنی تھی۔ تب ہی تو کہا تھا۔

"کیا خبر ضوئی! تمہیں کسی ایسے شخص سے پیار ہو جائے جو بہت دور رہتا ہو اور پھر کبھی یہاں نہ آ سکے۔"

"واہ! مجھے کیوں کسی ایسے شخص سے پیار ہو گا جو مجھے یہاں سے دور کر دے۔ مجھے تو بس اپنی ماں ابا اور شاہو سے پیار ہے۔"

کیا اماں کوئی نجومی تھیں جو جانتی تھیں کہ اسے کسی دن ایسے شخص سے پیار ہو جائے گا جو اسے اس گھر سے، اماں بابا اور شاہو سے دور کر دے گا۔ وہ ایک بار پھر سوچوں میں ڈوبی تھی "کیا آپ کو راستہ بھول گیا ہے؟"

شیر زمان گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا تھا۔

وہ تو کچھ بھی نہیں بھولی تھی نہ راستہ، نہ گھر نہ گھر کے لوگ۔ پندرہ سال پہلے کی گزری زندگی کا ایک ایک پل ایک ایک لمحہ اسے ازبر تھا۔ بابا کی کہی ہر بات اماں اور شاہو کی ہر بات۔ حتیٰ کہ اسے تو یہ بھی یاد

Waqar Azeem Pakistani Point www.pakistanipoint.com

تھا کہ شاہو کے پاس کون کون سے کھلونے تھے۔ اس کے پاس کتنے اور کس رنگ کے شلوار قمیص کے سوٹ تھے۔ کتنی جینز اور شرٹس تھیں۔ کتنے جوتے تھے۔ براؤن کھیڑیاں، بلیک شوز بلو اور وائٹ جاگرز۔

''اس راستے پر جو بورڈ لگا تھا۔ اس پر دارا کلاں لکھا ہوا تھا اور یہ ادھر بائیں طرف اب جو راستہ نکل رہا ہے۔ یہاں دارا فورد لکھا ہے۔''

شیر زمان نے اسے خاموش دیکھ کر کہا تو وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''مجھے تو دارا کلاں ہی جانا تھا شیر زمان!''

''تو پھر تو ہم صحیح راستے پر جا رہے ہیں۔ یہ سامنے جو حویلی نظر آ رہی ہے۔ اس کے ساتھ ہی میرے خیال میں آبادی شروع ہو جاتی ہے۔ آپ کو اسی گاؤں میں جانا ہے یا آگے۔''

''جانا تو اسی گاؤں میں ہے لیکن اس وقت جائیں گے تو واپسی میں دیر ہو جائے گی۔ کل پھر آ جائیں گے۔''

وہ کھوئی کھوئی سی تھی۔

''یہاں کسی سے ملنا تھا آپ کو؟''

شیر زمان نے پوچھا لیکن اس نے شیر زمان کی بات کا جواب نہیں دیا تھا بلکہ وہ سامنے حویلی کی طرف دیکھ رہی تھی جس کے سنہری کلس اب مٹیالے سے ہو گئے تھے کہ سورج ٹیلوں کے پیچھے چھپ گیا تھا اب بس ہلکی سی سرخی کی لکیر سی تھی جو ٹیلوں کے پیچھے سے جھانکتی تھی۔ بچپن میں مانو اسے کتنا ڈراتی تھی کہ ان ٹیلوں کے پیچھے جن اور چڑیلیں رہتی ہیں۔ مانو ہمیشہ سے ہی بہت ہوشیار اور چالاک تھی جبکہ وہ بھولی بھالی اور معصوم سی تھی۔

''یہ حویلی!'' شیر زمان بھی اب حویلی کی طرف دیکھ رہا تھا ''شاید کسی راجے مہاراجے کی ہو گی ادھر ہمارے گجرات میں بھی ایسی حویلیاں اور محل ہیں۔''

شیر زمان گجرات کا تھا۔

''ہاں نہیں تو۔'' وہ پھر چونکی تھی۔

''میرے بابا کہتے تھے جب برصغیر پر مغلوں کی حکومت تھی تو اس وقت اپنے چند مصاحبوں کے ساتھ ایک شہزادہ ایران سے بھاگ کر آیا تھا۔ کہتے ہیں، اس کے پاس بہت دولت تھی اسے یہ علاقہ اچھا لگا تو اس نے اس علاقے میں یہ حویلی بنائی اور آس پاس کی ساری زمین خرید کر اسے آباد کرایا۔ اس کے آنے سے پہلے یہاں آبادی نہ ہونے کے برابر تھی۔ اس کے نام کے ساتھ شاید دارا لگتا تھا، سو علاقہ اسی نام سے مشہور ہو گیا۔ بابا کہتے تھے۔ ان کے بزرگوں میں سے کسی نے انگریزوں کے دور میں یہ حویلی خریدی تھی۔ تب شہزادے کے خانوادے کے کسی ایک فرد نے یہ حویلی فروخت کی تھی اور خود واپس ایران چلا گیا تھا۔''

''کیا یہ حویلی آپ کے بابا کی ہے اور کیا آپ اسی گاؤں کی ہیں؟''

شیر زمان حیران ہوا تھا۔ لیکن اس نے شیر زمان کی بات کا جواب نہیں دیا تھا اور گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی تھی۔

''تھوڑا سا آگے چل کر ایک چوک سا ہے وہاں سے گاڑی آسانی سے مڑ جائے گی۔''

''جی بہتر!'' شیر زمان نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے مڑ کر ایک نظر اسے دیکھا۔

''واپس فروا بی بی کی طرف جائیں گی یا؟''

''مجھے ہوٹل چھوڑ کر آپ فروا بی بی کی طرف واپس چلے جانا۔''

''اور کل کب آؤں جی.....؟'' شیر زمان کو غالباً بولنے کی بیماری تھی۔ وہ جھنجھلائی۔

''اگر ضرورت ہوئی تو میں فروا کو بتا دوں گی۔''

اس نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائی۔ ایک دم ہی جیسے بہت ساری تھکان اس کے اندر اتر آئی تھیں۔

جب گاڑی چوک سے مڑی تو دور گاؤں کی مسجد سے مغرب کی اذان کی آواز آ رہی تھی۔ ہوا کے دوش پر تیرتی کبھی مدھم اور کبھی ایک دم غائب سی ہو جاتی۔

''اگر گاؤں تک چلے جاتے تو مغرب کی نماز پڑھ لیتے۔''

شیر زمان نے پھر مڑ کر پیچھے دیکھا تھا۔ لیکن اس

www.pakistanipoint.com

نے شاید شیر زمان کی بات نہیں سنی تھی۔ وہ تو جیسے کسی آواز کے سحر میں کھوئی ہوئی تھی۔ قاری خوشی احمد جب اذان دیتے تو لگتا تھا۔ جیسے درختوں کے پتے بھی ساکت ہوگئے ہوں۔ مسجد حویلی کے دائیں طرف تھی اور اذان کی آواز سنائی دیتی تھی۔

قاری خوشی احمد ہمیشہ اذان نہیں دیتے تھے۔ کبھی کبھار جب مؤذن ولی شاہ نہ ہوتے تو قاری خوشی احمد اذان دیتے تھے عموماً فجر یا مغرب کی اذان اور اس کے کمرے کی کھڑکیاں مسجد کی طرف کھلتی تھیں اور اگر کوئی کھڑکی کھلی ہوتی تو وہ قاری خوشی احمد کی آواز صاف پہچان لیتی تھی۔

اور پتا نہیں پندرہ سالوں بعد اب کون اذان دیتا ہوگا۔ کیا ولی شاہ صاحب یا پھر قاری خوشی احمد تب وہ سترہ اٹھارہ سال کے ہی تو تھے اور شاہو کو قرآن پڑھانے گھر آتے تھے کہ انہوں نے گیارہ سال کی عمر میں قرآن حفظ کیا تھا۔ اور شاہو کہتا تھا قاری صاحب کو کراچی جانا ہے، بنوری ٹاؤن کے کسی مدرسے میں پڑھنے کے لیے اور کیا خبر وہ چلے گئے ہوں اور ان پندرہ سالوں میں بڑے عالم اور مفتی بن گئے ہوں۔

پتا نہیں اور کون کون گاؤں سے چلا گیا ہوگا اور کون ابھی اسی دارا کلاں میں رہتا ہوگا بابا کہتے تھے جب مٹی سے رشتہ مضبوط ہو تو پھر اپنے دیس کی مٹی سے دور نہیں جایا جاسکتا۔

''اور کیا میرا رشتہ اپنی مٹی سے مضبوط نہیں تھا؟''

اس نے خود سے پوچھا اور اس کی آنکھیں جلنے لگی تھیں۔

اسے تو دارا کلاں کے چپے چپے سے عشق تھا۔ اس کے سرسبز کھیتوں سے، پیپل اور دھریکوں سے۔ حتیٰ کہ کیکروں کے درختوں کے اس جھنڈ سے بھی جو مانو کے گھر کے پچھواڑے تھا۔ سبز کائی والے تالاب سے جس میں جانور نہاتے تھے۔ کنوؤں سے جہاں سے مزارعوں کی عورتیں پانی بھر کر لاتی تھیں۔ ٹیوب ویل سے۔ کھیتوں میں نظر آنے والی بیر بہوٹیوں سے جو برسات میں جانے کہاں سے آجاتی تھیں، جگنوؤں سے جو رات کو سامنے باغ میں دمکتے نظر آتے تھے اور وہ چھت سے انہیں شاہو کو دکھاتی تھی۔ ماسی فاطاں کے تندور سے اور فروزاں کی بھٹی سے بھنے چنوں اور مکئی کے دانوں سے۔ زیبو کمہارن اور مہدی کمہار کے مٹی کے برتنوں سے۔

زیبو کمہارن جب کبھی حویلی میں مٹی کی ہانڈیاں اور گھڑے دینے آتی تو اس کی فرمائش پر مٹی کی چھوٹی چھوٹی ہانڈیاں گھڑے، صراحیاں پلیٹیں بھی لاتی تھی۔ اور اسے مٹی کے یہ چھوٹے چھوٹے برتن کتنے اچھے لگتے تھے۔ جن میں جھوٹ موٹ کے کھانے بنا کر گڑ پاؤں دیے جاتے تھے۔ اس نے اور مانو نے کتنے ہی ایسے برتن اکٹھے کر رکھے تھے۔ اور وہ تو ہمیشہ یہی سمجھتی رہی تھی کہ اپنی مٹی سے اس کا رشتہ بڑا مضبوط ہے پھر؟ پھر وہ کیوں اس سے دور کردی گئی تھی۔ پندرہ سالوں میں وہ جان نہ پائی تھی۔

''بیگم صاحبہ! اگر اجازت ہو تو ادھر گاڑی روک کر یہاں نماز ادا کرلوں۔'' پکی سڑک پر آنے سے پہلے شیر زمان نے گاڑی کی رفتار کم کی تھی۔

''ہاں!'' اس نے اثبات میں سر ہلایا تو شیر زمان نے گاڑی ایک طرف کھڑی کی اور اتر کر ایک درخت کے قریب صاف جگہ پر کندھے پر ڈالا ہوا رومال نیچے بچھا کر نماز شروع کردی۔

وہ کھڑکی کا شیشہ نیچے کرکے پھر باہر دیکھنے لگی۔ ٹن ٹن بیلوں کے گلے میں بجتی گھنٹیوں کی آواز کہیں دور سے قریب آتی محسوس ہو رہی تھی۔

یہ آواز کتنے سالوں بعد اس نے سنی تھی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے یہ کوئی مدھر موسیقی ہو جو اس کی روح میں اتری جارہی ہو۔ پندرہ سال پہلے جب وہ اسکول جاتی تھی اور پھر کالج جانے لگی تھی تو آتے جاتے صبح و شام یہ آوازیں اس کے کانوں میں پڑتی تھیں اور وہ خانو چاچا سے یا جو بھی کوئی اس کے ساتھ ہوتا اس سے ضرور پوچھتی تھی کہ بھلا گلے میں یہ گھنٹیاں ڈالنے کی کیا ضرورت ہے۔ کبھی کسی نے اسے تسلی بخش جواب نہ دیا تھا۔

تب وہ اس آواز سے جھنجلا جاتی تھی لیکن آج یہ آواز کانوں کو کتنی بھلی لگ رہی تھی۔ اس نے تھوڑا سا

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

بائیں طرف کھسک کر دوسری طرف کا شیشہ نیچے کیا۔ دارا خورد کی طرف سے ایک بیل گاڑی آرہی تھی جس پر جانوروں کا چارا لدا ہوا تھا۔ گاڑی پکی سڑک سے پہلے ہی دارا کلاں کی طرف مڑ گئی۔

دارا کلاں کے بہت سارے زمین داروں کی زمینیں دارا خورد میں بھی تھیں۔ اصل میں تو یہ سارا علاقہ ایک ہی تھا لیکن جب انگریزوں کے دور میں درمیان سے سڑک نکالی گئی تھی۔ تو یہ علاقہ دو حصوں میں بٹ گیا تھا۔

ایک طرف زمین کا رقبہ زیادہ تھا دوسری طرف کم سو لوگ اسے دارا کلاں اور دارا خورد کہنے لگے تھے پہلے سارا علاقہ دارا شاہ کہلاتا تھا۔ گھنٹیوں کی آواز مدھم ہوتے ہوتے ختم ہوگئی تھی۔ شیر زمان بھی فرض ادا کر کے آگیا تو اس نے کھڑکی کا شیشہ اوپر کر دیا۔ کھڑکی تو بند ہوگئی تھی لیکن اندر یادوں کے در کھل گئے تھے اور یادوں کے یہ در بند ہی کب ہوئے تھے۔

ان پندرہ سالوں میں کوئی ایک دن بھی ایسا نہ تھا جب یادوں نے دل پر دستک نہ دی ہو اور جب اس کی روتی روتی آنکھیں دیکھ کر ایاز نے اپنے دل پر بھاری بوجھ نہ محسوس کیا ہو اور اس کے ہاتھ تھام کر اس سے معذرت نہ کی ہو۔

''سوری ضوفشاں!''

لیکن اس میں بھلا ایاز کا بھی کیا قصور تھا کہ وہ اپنے سنہرے محل سے بے دخل کر دی گئی تھی' وہ اس اونچی برجیوں اور سنہرے کلس والی حویلی کی شہزادی ہی تو تھی۔ اپنے بابا اور اماں کی شہزادی۔

دارا کلاں میں اور بھی چھوٹی بڑی حویلیاں تھیں۔ لیکن اس کی حویلی سب سے بڑی اور خوب صورت تھی۔ اس بستی کو آباد کرنے والے شہزادے کی حویلی کسی محل سے کم تو نہ تھی۔ اور تین چار اور حویلیاں شاید اس کے مصاحبوں کی ہوں گی۔ اور وہ سارا دن اپنی حویلی کے دالانوں برآمدوں، کمروں اور بالکونیوں میں گھومتی پھرتی تھی۔ اماں، خالہ بتولاں سے اکثر کہتی تھیں یہ لڑکی تو دیوانی ہے۔

اور وہ تو شاید دیوانی ہی تھی اسے اپنے اس گھر، اس حویلی سے عشق تھا۔

اور وہ اپنے بابا، اماں اور شاہو کی بھی عاشق تھی۔ اس کی زندگی کا محور تو یہ تینوں ہی تھے اور وہ تینوں بھی تو اس پر جان چھڑکتے تھے لیکن اسے لگتا تھا جیسے اماں اس سے اتنی محبت نہیں کرتیں جتنی بابا اس سے کرتے ہیں۔ بابا کی تو جان تھی اس میں اسے ذرا سا کانٹا بھی چبھتا تو وہ تڑپ اٹھتے تھے۔ لیکن اماں شاید بابا سے زیادہ حوصلے والی تھیں یا پھر واقعی وہ اس سے اتنی محبت نہیں کرتی تھیں جتنی بابا کرتے تھے۔ شاید اماں کو ایک بیٹے کی تمنا ہوگی۔ جیسی تمنا خالہ بتولاں کی چھوٹی بہو کو تھی۔ وہ جب کبھی حویلی آتی تو ضرور کہتی تھی۔

''کیا تھا بی بی جی! اگر اللہ مجھے اس کلموہی پینو کے بجائے ایک بیٹا دے دیتا۔ کتنی آس تھی مجھے کہ شمی کی طرح میرا بھی بیٹا ہوگا لیکن قسمت۔''

وہ ٹھنڈی آہ بھرتی تو وہ سوچتی ضرور اماں کا بھی دل بیٹے کی خواہش کرتا ہوگا اور جب بیٹے کے بجائے میں آگئی تو وہ مایوس ہوئی ہوں گی۔ اسی لیے وہ مجھ سے اتنی محبت نہیں کر سکیں جتنی بابا کرتے ہیں اور اس نے ایک بار اماں سے پوچھا بھی تھا جب شاہو صرف ایک ماہ کا تھا اور وہ تیرہ سال کی۔

''اماں! جب میں پیدا ہوئی تھی تو آپ کو بہت مایوسی ہوئی ہوگی کہ میرے بجائے بیٹا پیدا ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا۔ اور آپ نے بھی خالہ بتولاں کی بہو بلقیس آپا کی طرح اللہ سے شکوہ کیا ہوگا۔ لیکن اب تو آپ کے پاس شاہو آگیا ہے اب تو آپ خوش ہیں نا؟''

''نہیں بھلا میں کیوں شکوہ کرتی!'' انہوں نے حیرانی سے کہا تھا۔ ''میں نے تو پورے نو ماہ دن رات اللہ سے دعا کی تھی کہ یا اللہ مجھے بیٹی دینا اور جب تم ہوئی تھیں تو مین بہت خوش ہوئی تھی، اب سے بھی زیادہ اور میں نے اللہ کا شکر ادا کیا تھا کہ اس نے میری دعائیں سن لی تھیں۔''

اور اس نے حیرانی سے اماں کی طرف دیکھا تھا۔ ان کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی اور وہ کتنی ہی دیر

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

تک ان کی طرف دیکھتی رہی تھی جیسے ان آنکھوں کے سحر میں جکڑی گئی ہو اور اماں کی آنکھیں تھیں بھی کتنی خوب صورت، لانبی لانبی گھنی پلکوں والی۔ مانو کہتی تھی تمہاری اماں کی آنکھیں بادامی ہیں۔ بالکل کابلی باداموں جیسی اور ان آنکھوں کا رنگ بھی تو ایسا ہی تھا جیسا بادام کی گری کے چھلکے کا ہوتا ہے۔ براؤن براؤن، سا، شاید ایسی ہی آنکھوں کو بادامی آنکھیں کہتے ہیں۔

''بابا تو یقیناً ان آنکھوں کے سحر میں ڈوب گئے ہوں گے۔'' یہ بات اس نے بہت بعد میں ایک بار اماں سے پوچھی تھی۔ اس وقت تو اس نے ان کے چہرے سے نظریں ہٹا کر گلہ سا کیا تھا۔

''اللہ میاں نے مجھے اتنی دعاؤں کے بعد آپ کو دیا تھا پھر بھی آپ مجھ سے اتنی محبت نہیں کرتیں جتنی آپ شاہو سے کرتی ہیں۔ ہیں نا؟''

''بیٹیوں سے اتنی محبت نہیں کرنی چاہیے ضوئی! کہ ایک دن وہ بابل کا آنگن ویران کر کے چلی جاتی ہیں تو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ خالی گھر ویرانے بن جاتے ہیں۔''

وہ کھوئی کھوئی سی گود میں لیٹے شاہو کو تھپک رہی تھی۔

اسے اماں کی بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ بھلا آنگن کیسے ویران ہوتے ہیں۔ مانو کی بھی تو بڑی دونوں بہنیں گھر سے بیاہ کر چلی گئی تھیں لیکن ان کا گھر تو ویرانہ نہیں بنا تھا۔ بلکہ جب وہ آئی تھیں تو ان کے بچوں سے اور بھی رونق ہو جاتی تھی۔

پتا نہیں اماں نے ایسا کیوں کہا تھا وہ پوچھنا چاہتی تھی لیکن وہ ان سے بے تکلف نہ تھی اور وہ تھیں بھی تو بہت کم گو، کم کم بولتی تھیں۔ بس ضرورتاً، اور وہ تو اتنی کم گو تھیں کہ مانو کی اماں کی طرح بابا سے نہ بحث کرتیں نہ لڑتی جھگڑتی تھیں اور مانو کی اماں کبھی کبھی کتنا بولتی تھیں۔ اس کے ابا سے خوب بحث کرتیں اور پھر اس کے ابا تن فن کرتے گھر سے باہر نکل جاتے اور ان کے جانے کے بعد وہ مانو یا اس کی چھوٹی بہن کو ایک آدھ تھپڑ لگا کر غصہ نکالتیں اور بولتی رہتیں۔ اونچا اونچا لیکن اماں تو ایسی بالکل بھی نہ تھیں اور اس کے بابا بھی تو مانو کے ابا کی طرح اونچا نہیں بولتے تھے اور نہ ہی کسی بات پر غصہ کرتے تھے۔

بابا کو اماں سے بہت محبت تھی یہ بات اس نے بہت کم عمری میں ہی جان لی تھی۔ بابا نے اماں کی کبھی کوئی بات رد نہیں کی تھی۔ ہمیشہ ان سے بے حد نرمی سے بات کرتے تھے۔

اور اماں تھیں بھی تو بہت خوب صورت، گھنے لمبے چمکیلے بال، متناسب قد اور نقوش اتنے دل آویز کہ بس دیکھتے رہو اور رنگت ایسی سنہری سنہری سی کہ کئی بار اسے گمان گزرتا تھا کہ جیسے اماں نے سونے کے ذرات چہرے پر مل رکھے ہوں۔ اور کئی بار تو اس نے بہت بچپن میں ان کے رخساروں پر اس خیال سے ہاتھ پھیرے تھے کہ شاید یہ سنہرے ذرّے اس کے ہاتھوں پر چپک جائیں۔

ایک بار جب سردیوں کی ایک دھوپ بھری صبح میں بابا اور وہ برآمدے میں سرخ پائیوں والے پیڑھوں پر بیٹھے تھے اور ان کے سامنے لکڑی کی میز پر جو بہت اونچی نہیں تھی۔ ظفری ناشتہ لگا رہی تھی۔ آلو قیمہ اور گرم گرم پراٹھے اس نے میز پر رکھے تھے اور وہ صحن میں کھڑی اماں کو دیکھ رہی تھی جو ماسی بتولاں کے پاس کھڑی تھیں جو لسی بلو رہی تھیں اور سورج کی کرنیں اماں کے چہرے پر پڑ رہی تھیں۔ اور ان کا چہرہ سونے کی طرح چمک رہا تھا۔

وہ مکھن کا پیالہ لے کر اور ظفری کو لسی کا جگ لانے کا کہہ کر برآمدے میں آئی تھیں تو اس نے بے اختیار پوچھا تھا۔

''بابا! اماں کیا سونے سے بنی ہوئی ہیں؟''

اور بابا پہلے تو کھلکھلا کر ہنسے تھے اور پھر یکدم سنجیدہ ہو گئے تھے اور اماں جو مکھن کا پیالہ رکھ کر خود بھی پیڑھے پر بیٹھ گئی تھیں ان کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

''ہاں ضوئی! تمہاری اماں سونے سے ہی بنی ہیں۔ ٹھوس اور سخت۔''

''لیکن بابا سونے سے جب زیورات بناتے ہیں تو تب وہ سخت تو نہیں رہتا ہوگا نا۔ اسے تو صراف اپنی

www.Azeem.pk
www.pakistanipoint.com

مرضی سے جس شکل میں چاہیں ڈھال لیتے ہیں۔"

اسے بات سے بات نکال کر حجت کرنے کی عادت تھی اور بابا اس پر بہت خوش ہوتے تھے۔ لیکن اس روز بابا اداس ہو گئے تھے۔

"لیکن مجھے تو سونے کو اپنی مرضی کی شکل میں ڈھالنے کا ہنر ہی نہیں آتا میری ضوئی!"

اور تب اس نے ناسمجھی سے اماں کی طرف دیکھا تھا لیکن اماں خموشی سے ڈونگے سے قیمہ نکال کر اپنی پلیٹ میں ڈال رہی تھیں۔

"تو آپ یہ ہنر سیکھ لیں نا بابا!"

اس سے اسے بابا کا اداس ہونا اچھا نہیں لگا تھا۔

"ضوئی! دھیان سے ناشتہ کرو، سارا مکھن پگھل کر پلیٹ میں جا رہا ہے۔" اماں نے اسے اس کے پراٹھے کی طرف متوجہ کیا تھا جس پر اماں نے مکھن کا ٹکڑا رکھا تھا جو گرم پراٹھے کی حدت سے پگھل رہا تھا۔ اور پگھلتے مکھن کو دیکھ کر اسے نئی بات سوجھی تھی۔

"بابا! گرم کرنے سے چیزیں پگھل جاتی ہیں نا، جیسے یہ مکھن اور سونے کو بھی تو صراف گرم کر کے ہی پگھلاتے ہیں نا!"

"لیکن میری گڑیا کسی بھی شے کو پگھلانے کے لیے جس حدت کی ضرورت ہوتی ہے، شاید تمہارے بابا کے جذبوں میں وہ حدت، وہ گرمی نہیں ہے۔"

بابا نے یکدم ہی کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔ اور اماں نے ناگواری سے انہیں دیکھا تھا۔

"یہ کیا فضول باتیں کرنے لگے آپ۔"

بابا اٹھ کر چلے گئے تھے تب وہ بابا کی بات نہیں سمجھ سکی تھی لیکن اماں کی ناگواری اس نے محسوس کر لی تھی۔

"سوری اماں!" اور اس سے اماں کی سنہری رنگت میں زردی سی گھل گئی تھی یوں جیسے کسی نے زعفرانی رنگ مل دیا ہو۔

اسے اماں کا سنہری رنگ کس قدر پسند تھا اور اس کا کتنا جی چاہتا تھا کہ اس کی رنگت بھی اماں جیسی ہوتی سونے جیسی یا پھر گندم کی پکی ہوئی سنہری بالیوں جیسی۔ اس نے نقوش تو سارے اماں کے لیے تھے لیکن رنگت بابا کی چرائی تھی ویسا ہی سرخ سفید رنگ، گھور سیاہ خمار آلود سی کالی آنکھیں۔

بابا بھی کچھ کم خوب صورت تو نہ تھے۔ اونچا لمبا قد، گورا چٹا رنگ، کشادہ پیشانی اور جب وہ کچھ بڑی ہو گئی تھی اتنی کہ اماں کی کم گوئی کے باوجود ان سے بے تکلفی سے باتیں کرنے لگی تھی تو کبھی کبھار اماں کو چھیڑتی۔

"اماں! بابا جب ہفتہ ہفتہ بھر کے لیے کراچی یا لاہور جاتے ہیں تو آپ کو ڈر نہیں لگتا کہ میرے اتنے خوب صورت بابا کو کوئی لے اڑے تو۔"

"تمہارے بابا کو کوئی نہیں اڑا سکتا ضوئی!" اماں کو بابا پر جو اتنا پختہ یقین تھا کچھ غلط بھی تو نہ تھا۔ بابا تو اماں کے دیوانے تھے۔ ان کی نظریں ہر لمحہ اماں کے تعاقب میں رہتی تھیں اور وہ منتظر رہتے تھے کہ کب اماں کے منہ سے کوئی بات نکلے اور وہ اسے پورا کریں۔

اس کے اتنے زیادہ اس سے محبت کرنے والے بابا اس کے معاملے میں بھی اماں کی خواہش کو ترجیح دیتے تھے۔ گاؤں میں لڑکیوں کا اسکول صرف مڈل تک تھا لیکن بابا نے بھاگ دوڑ کر کے اس کے مڈل کرنے تک اسے ہائی کروا لیا تھا۔ اور جو لڑکیاں مزید تعلیم حاصل کرنا چاہتی تھیں۔ انہیں شہر جانا پڑتا تھا لیکن اس نے سوچ رکھا تھا کہ وہ بس دس جماعتیں ہی پڑھے گی۔

اسے اپنے گھر اور اماں بابا سے اتنی دیر تک دور نہیں رہنا تھا۔ اس کے نمبر مانو اور شہزادہ سے زیادہ تھے وہ دونوں کالج میں داخلہ لے رہی تھیں لیکن وہ نہیں۔ اس نے اماں سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اس نے جتنا پڑھنا تھا پڑھ لیا ہے اب نہیں لیکن بابا نے کہا۔

"تمہاری اماں چاہتی ہیں کہ تم بھی مانو کے ساتھ کالج میں داخل ہو جاؤ۔ کیا تم اپنی ماں کی خواہش پوری نہیں کرو گی۔ ضوئی۔"

بابا کے لہجے میں التجا سی تھی۔

"کیا آپ کی بھی یہی خواہش ہے بابا؟"

"میری خواہش تمہاری اماں کی خواہش سے الگ کیسے ہو سکتی ہے بچے۔"

اور وہ بابا کے ساتھ شہر جا کر لڑکیوں کے کالج

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

میں فارم جمع کروا آئی تھی..... وہ تب پندرہ سال کی تھی اور شاہو دو سال کا اور اس نے بابا سے کہا تھا۔

''اماں کو چاہیے، اپنی خواہشیں شاہو کے لیے سنبھال کر رکھ لیں۔ میں تو اپنے بابا کی بیٹی ہوں۔''

''اور تمہارے بابا کی بھی یہی خواہش ہے کہ ان کی شہزادی بہت سارا پڑھے۔''

اور یوں وہ کالج جانے لگی تھی۔ صبح سویرے جب کسان اپنے بیلوں کے ساتھ کھیتوں کی طرف جا رہے ہوتے وہ خانو چاچا کے ساتھ شہر جا رہی ہوتی تھی۔ مانو بھی اس کے ساتھ ان کی گاڑی میں جاتی تھی۔ اور گاڑی سے شہر جانے میں تقریباً ایک گھنٹہ لگ جاتا تھا۔ مانو بہت خوش تھی کالج جا کر۔ اسے بچپن سے ہی — شوق تھا بہت زیادہ پڑھنے کا حالانکہ اس کی بڑی دونوں بہنوں نے صرف آٹھویں جماعت تک پڑھا لیکن وہ تو پورے چار سال روز اول کی سی بیزاری اور بے دلی کے ساتھ کالج جاتی رہی تھی۔ اور واپسی کے لیے ایک ایک لمحہ گن کر گزارتی تھی۔

یہ الگ بات تھی کہ ہمیشہ کی طرح بی اے میں بھی اس کے نمبر مانو سے بہت زیادہ تھے بلکہ وہ اپنے کالج میں فرسٹ آئی تھی۔ اماں اور بابا تو اس کی شان دار کامیابی پر خوش تھے لیکن وہ بھی بے حد خوش تھی کہ اب سارا وقت گھر میں رہے گی۔ اپنے بابا اور اماں کے پاس اور شاہو جو اب تقریباً سات سال کا ہو گیا تھا اس کے ساتھ خوب کھیلے گی۔ لیکن اس کی خوشیوں پر اس وقت اوس پڑ گئی جب اماں نے اس سے کہا۔

''مانو کو کہنا جب وہ یونیورسٹی میں داخلے کے لیے اپنا ایڈمیشن فارم منگوائے تو تمہارے لیے بھی منگوا لے۔''

مانو کی بڑی بہن اور بہنوئی لاہور میں رہتے تھے اور ایک دن پہلے ہی مانو نے اسے آ کر بتایا تھا کہ اس نے لالہ حیدر کو فون کر دیا ہے کہ اس کے لیے ایڈمیشن فارم بھجوا دیں۔

مانو کو تو لیکچرار بننا تھا اور مس نور کی طرح کالج میں پڑھانا تھا لیکن اسے تو ایسا کوئی شوق نہیں تھا اسی لیے اس نے اماں سے کہہ دیا تھا کہ ''اسے اب اور نہیں پڑھنا۔ پڑھ لیا جتنا پڑھنا تھا۔ نہیں ہے کوئی شوق اسے پڑھنے کا۔''

''لیکن مجھے تو شوق ہے نا کہ تم پڑھو۔ یہ میرا خواب ہے ضوئی! جو میں نے تمہارے پیدا ہوتے ہی دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ میں نے بیس سال اس خواب کی آبیاری کی ہے۔ کیا تم مجھے اس کی تعبیر نہ دو گی؟''

''لیکن لاہور بہت دور ہے اماں۔''

اس نے پھر بھی احتجاج کیا تھا۔

''میں ہر روز تو گھر نہیں آ سکوں گی نا۔ ہفتوں مہینوں بعد چھٹیوں میں اور پھر ہوسٹل میں رہنا پڑے گا۔ مانو تو اپنی بہن کے گھر رہے گی نا اور میں۔''

اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

''اچھا تو کیا ہوا۔ ہم آ جایا کریں گے نا تم سے ملنے۔''

اس بار بھی بابا نے اسے تسلی دی تھی۔ بابا کی خاطر وہ چپ کر گئی تھی کہ بابا کی آنکھوں کی التجا وہ رد نہیں کر سکتی تھی۔

''اور ہاں تمہیں اکنامکس میں ہی ماسٹر کرنا ہے۔''

اماں نے ایک اور فیصلہ سنایا تھا۔

ایف اے اور بی اے میں بھی اماں نے اپنی مرضی کے مضمون رکھوائے تھے۔ لڑکیاں بھلا کہاں اتنے مشکل مضمون رکھتی تھیں اور اس چھوٹے سے شہر کے کالج میں تو کتنے ماہ تک میتھس کی ٹیچر نہیں ملی تھیں اور بوائز کالج سے کوئی سر میتھس اور اکنامکس پڑھانے آتے تھے۔ خدا خدا کر کے تو ان بور مضامین سے جان چھوٹی تھی اور اب پھر۔

''مجھے کون سا بینک میں نوکری کرنا ہے اماں! بس اسلامیات یا اردو میں ایم اے کر لیتی ہوں۔ مانو بھی تو اردو میں ایم اے کرے گی۔''

اس نے کہا تھا لیکن اماں کی بات تو پتھر پر لکیر ہوتی تھی اور اس بار بھی بابا نے اسے منا لیا تھا۔

☆☆☆

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

اور پھر بابا اور اماں شاہو کے ساتھ اسے خود چھوڑنے آئے تھے۔ اس کا دل چاہتا تھا۔ وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ اماں کے پاؤں پڑ جائے اور منتیں کرے کہ اسے واپس لے جائیں۔ اسے اتنے بہت سارے دن ان کے بغیر یہاں نہیں رہنا۔ اس نے آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ بابا کو دیکھا تھا لیکن بابا نے نظریں چرالی تھیں لیکن ان کی آنکھوں کا نم اس سے چھپ نہ سکا تھا۔ وہ بڑے تھے اور ضبط کیے کھڑے تھے لیکن شاہو تو بچہ تھا وہ، اس کی ٹانگوں سے لپٹ گیا تھا اور اونچا اونچا رونے لگا تھا۔ بابا نے بمشکل اسے علیحدہ کیا تھا اور تھپکنے لگے تھے۔

''نہ..... نہ رو میرے شہزادے! آپو کوئی ہمیشہ کے لیے تو نہیں آئی ہے۔ آجائے گی بہت سارا پڑھ کر اور پھر جب میرے بیٹے کا دل چاہے گا اپنی آپو سے ملنے کو تو ہم آجائیں گے۔''

''میرا تو روز ہی جی چاہے گا آپو سے ملنے کا تو کیا آپ روز مجھے لے کر آئیں گے۔''

وہ اپنے منے منے ہاتھوں کی پشت اور ہتھیلیوں سے آنسو پونچھتے ہوئے بابا کی طرف آس بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا اور اس کا دل سینے کی دیوار میں کسی زخمی پرندے کی طرح تڑپا تھا۔ اس نے شاہو کی نظروں سے اماں کی طرف دیکھا تھا جو ساکت کھڑی تھیں۔

''شاہو!'' اس نے آگے بڑھ کر اسے اپنی بانہوں میں لے لیا تھا اور پھر اس کی پیشانی اس کے رخساروں اور اس کے ہاتھوں کو بے تحاشا چومنے لگی تھی اور شاہو ایک دم بڑا اور مدبر بن کر اسے سمجھانے لگا تھا۔

''ہم ہر روز آپ سے ملنے آئیں گے۔''

''ہر روز نہیں میری جان..... اتنی دور ہر روز تو نہیں آسکتے نا، ہر سنڈے کو آیا کریں گے۔''

''اس کے کچھ دیر پہلے کیے گئے سوال کا جواب بابا نے شاید اب دیا تھا۔

''ہر سنڈے!'' شاہو نے جیسے دل ہی دل میں حساب لگایا تھا۔ ''سات دن تو بہت ہوتے ہیں بابا! تین دن بعد آجایا کریں گے۔''

''اچھا ضوئی! اللہ حافظ۔'' اماں نے بابا کے جواب دینے سے پہلے ہی آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا تھا اور بابا نے پوچھا تھا۔

''آپ نے سب کاغذات اور رسیدیں وغیرہ سنبھال کر رکھ لی تھیں۔''

''جی!''

''وارڈن کو رسید دکھا کر اپنے روم میں چلی جانا۔''

بابا اسے سمجھا رہے تھے لیکن وہ تو جیسے کچھ سن ہی نہیں رہی تھی۔ وہ تو بس ان کی صورتیں آنکھوں میں سمو رہی تھی۔ پھر وہ چلے گئے اور وہ سامان کے پاس اکیلی کھڑی اس وقت تک انہیں دیکھتی رہی جب تک وہ گیٹ سے باہر نہ نکل گئے اور ان کے جاتے ہی کچھ لڑکیاں جو کتابیں ہاتھوں میں لیے ٹہل ٹہل کر پڑھ رہی تھیں اور شاہو کے رونے کی آواز پر ان کی طرف متوجہ ہوئی تھیں بابا اور اماں کے جانے کے بعد اس کے قریب آئی تھیں۔ ہنستی کھلکھلاتی، خوش مزاج سی لڑکیاں۔

''بھائی ہے تمہارا یا بھتیجا؟ ایک لڑکی نے پوچھا تھا۔

''بھائی!''

''سچی بہت کیوٹ ہے۔ لگتا ہے تم دونوں میں بہت پیار ہے۔''

اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''کون سا روم ملا ہے۔''

ایک لڑکی نے پوچھا تھا۔

''فورٹی ون

''اوے..... ہوئے۔'' ایک لڑکی نے دوسرے کی کندھے پر ہاتھ مارا۔ ''تیری ایک روم میٹ تو آگئی دیکھو دوسری کب آتی ہے۔''

وارڈن نے اسے اور بابا کو بتایا تھا کہ اسے کیو بیکل روم الاٹ کیا جا رہا ہے جس میں اس کے علاوہ دو لڑکیاں اور بھی ہوں گی۔

''کیا الگ روم نہیں مل سکتا؟'' سارے سوال جواب بابا ہی کر رہے تھے۔ وہ تو بیزار سی کھڑی تھی۔

''نہیں ملک صاحب! یہاں تو بڑے کمروں میں آٹھ آٹھ لڑکیاں بھی رہ رہی ہیں۔''

Waqar Azeem
www.pdfkutabpoint.com

اور یہ صرف چھ دن پہلے کی بات تھی۔ وہ بابا کے ساتھ آئی تھی۔ ایڈمیشن فیس وغیرہ جمع کروانے اور ہاسٹل دیکھنے۔

"میں آمنہ ہوں۔ آمنہ صدیقی، تمہاری روم میٹ۔ چلو کمرے میں چلتے ہیں۔" اس نے جھک کر اس کا چھوٹا بیگ اٹھالیا تھا۔

"کیا نام ہے؟ کہاں سے آئی ہو..... کس مضمون میں داخلہ لیا ہے؟"

لڑکیاں پوچھ رہی تھیں۔

"دارا کلاں!"

اس کی آواز جیسے حلق میں گھٹ رہی تھی۔

"یہ..... یہ کیا نام ہے؟ کس جگہ ہے۔ ہم نے تو پہلے کبھی نہیں سنا۔" مختلف آوازیں اس کے کانوں میں پڑی تھیں۔

"میں گئی تھی ایک بار دارا کلاں اپنے کسی عزیز کی بارات کے ساتھ۔ یہ وہی گاؤں ہے نا جہاں مغلوں کے زمانے کی حویلیاں ہیں۔" یہ نور فاطمہ تھی۔

"ہاں..... ہاں وہی ہے۔"

وہ جیسے یک دم خوش ہوگئی تھی۔ کوئی تو ہے ان اجنبی لڑکیوں میں جسے اس کے دارا کلاں کا پتا ہے۔ اور اگلے دو سالوں میں اپنی روم میٹس کے علاوہ جس سے اس کا گہرا تعلق رہا، وہ نور فاطمہ تھی۔ نور فاطمہ جس نے اس کا دارا کلاں دیکھ رکھا تھا اور جسے دارا کلاں کی حویلیاں بہت فینسی نیٹ کرتی تھیں اور جس کی آرزو تھی کہ وہ سنہری کلس اور اونچی برجوں والی حویلی کو اندر سے دیکھے اور اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے یہ حویلی اندر سے ضرور دکھائے گی اور وہ چھٹیوں میں اس کے دارا کلاں میں آئے تو وہ سب بہت خوش ہوں گے۔

"سامان کمرے میں رکھ کر پہلے وارڈن کو تمہارے آنے کا بتا دیتے ہیں۔"

اس کی روم میٹ آمنہ نے اس کا ٹرالی بیگ گھسیٹتے ہوئے اسے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا تھا اور ایک لڑکی نے چوکیدار کو بلایا تھا۔

"گل عابد! یہ سامان روم نمبر 41 میں لے جاؤ۔"

لڑکیاں ادھر اُدھر ہوگئی تھیں اور وہ آمنہ کے ساتھ اپنے کمرے میں آگئی تھی۔ اس روز آمنہ کے اصرار کے باوجود نہ وہ رات کے کھانے کے لیے ڈائننگ ہال میں گئی تھی نہ آمنہ کی بنائی ہوئی چائے پی تھی۔ بس چپ چاپ بیڈ پر لیٹی حساب کتاب کرتی رہی تھی۔

موسم گرما کی چھٹیاں، دسمبر کی چھٹیاں اور باقی سب ملا کر اگر ان دو سالوں سے نکال دوں تو پھر بھی ڈیڑھ سال، ہاں پورے ڈیڑھ سال اسے گھر والوں سے دور رہنا تھا۔

آج اس نے ہجر کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تھا۔ اور ابھی ڈیڑھ سال مزید..... وہ جو ڈیڑھ سال کی جدائی کے تصور سے ہولے جا رہی تھی، نہیں جانتی تھی کہ یہ ہجر تو اس کی ساری زندگی پر محیط ہو جائے گا۔

یہ ہجر کی پہلی سیڑھی تو نہ تھی یہ تو ایک ختم نہ ہونے ہجر کی ابتدا تھی اگر وہ جانتی ہوتی کہ یہ ہجر اتنا طویل ہو جائے گا تو وہ اماں کے قدموں سے لپٹ جاتی۔ ان کی منتیں کرتی، کسی نہ کسی طرح انہیں منا لیتی اور کبھی یہاں نہ آتی۔

اسے بابا سے، اماں سے، شاہو سے اور دارا کلاں سے عشق تھا۔ وہ ان سب کے متعلق اتنی باتیں کرتی تھی کہ لڑکیاں ہنستی تھیں۔

"اس عمر میں جب ہم لوگ دور دیس سے آنے والے شہزادے کے خواب دیکھتی ہیں۔ تم دارا کلاں جیسے ایک پسماندہ گاؤں کے خواب دیکھتی ہو۔"

☆☆☆

اس روز وہ لان میں بیٹھی خواب سنا رہی تھی کہ رات اس نے خواب میں اپنی حویلی دیکھی ہے اور اس کے ساتھ آمنہ اور نور فاطمہ بھی ہیں تو اس کی دوسری روم میٹ سارا عظیم نے کہا تھا۔

"میں تو دور دیسوں سے آنے والے شہزادے کے خواب دیکھتی ہوں جو اپنی سفید گھوڑوں والی بگھی پر بیٹھ کر آتا ہے اور مجھے اپنی دلہن بنا کر لے جاتا ہے۔"

"اوے ہوئے!" لڑکیوں نے سیٹیاں بجائی تھیں اور مانو نے ہاتھ نچا کر کہا تھا۔

www.pakistanipoint.com

"بس اب اپنی اس بگھی سے نیچے اتر آؤ اور خبردار جو ہمارے دارا کلاں کو پسماندہ کہا۔ ہمارے دارا کلاں کے تو کمہار بھی پڑھے لکھے ہیں۔ چاک پر بیٹھا مٹی کے گھڑے بنانے والا رتا کمہار بھی دس جماعتیں پاس ہے۔ اور اس کا بیٹا ڈاکٹر بن رہا ہے۔"

اور اس نے خوش ہو کر مانو کی تائید کی تھی۔

"بالکل صحیح..... مانو ٹھیک کہہ رہی ہے۔ ہمارے ہاں تعلیم کا رجحان بہت ہے۔ دس جماعتوں تک تو سب ہی پڑھتے ہیں۔ اور پھر کچھ لوگ مزید تعلیم بھی حاصل کرتے ہیں۔"

"لو جی، یک نہ شد دو شد۔"

لڑکیاں ہنس رہی تھیں۔ سب کتنی خوش اور مطمئن تھیں مانو بھی لیکن وہ ان ہنسی کھلکھلاتی لڑکیوں کے درمیان بیٹھی بھی اداس ہو جاتی تھی۔ شاید اس کے اندر کہیں اس جدائی کا ادراک موجود تھا جو اس کا مقدر بننے والی تھی۔

☆☆☆

بابا، اماں اور شاہو ہر سنڈے تو نہیں لیکن پندرہ سولہ دن بعد ضرور چکر لگاتے تھے۔ اور وہ خود بھی ہر ماہ کے آخر میں دو دن کے لیے دارا کلاں جاتی تھی۔ مانو اس روز ہوسٹل میں ہی رہ جاتی تھی اور صبح خانو چاچا کے ساتھ دونوں گھر جاتیں اور پھر خانو چاچا کے ساتھ ہی واپس آجاتی تھیں۔

وہ جب بھی گھر جاتی، اس کی کوشش ہوتی کہ وہ بابا، اماں اور شاہو کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارے۔ بابا جب گھر پر نہ ہوتے تو اماں اس سے کرید کرید کر پوچھا کرتی تھیں کہ اس کے ساتھ پڑھنے والے اس کے ہم جماعت کیسے ہیں۔

"سب لڑکیاں اچھی ہیں اماں! ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں صرف تیرہ لڑکیاں ہیں۔ باقی سب لڑکے ہیں۔"

وہ شاہو کے ساتھ لڈو کھیلتے ہوئے اماں کی باتوں کے جواب دیے جاتی۔

"اور لڑکے کیسے ہیں؟"

"اچھے ہی ہوں گے اماں! ہم لڑکیوں کا الگ گروپ ہے۔ میری لڑکوں سے بات نہیں ہوتی اماں! مجھے اپنی حدود کا پتا ہے۔ آپ بے فکر رہیں۔ میں آپ کا بابا کا مان کبھی نہیں توڑوں گی۔"

وہ سوچتی شاید اماں ڈرتی کہ کہیں وہ اپنا برخود ہی پسند نہ کرلے اور اماں گہری سوچ میں کھو جاتی تھیں۔

"کیا آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں ہے۔ اماں؟"

وہ تاسف سے اپنی گوٹی کی طرف دیکھتی۔ ننانوے کے ہندسے پر بیٹھا ہوا سانپ ہمیشہ ہی اس کی گوٹی کو نیچے لے آتا تھا۔

"ہاں۔ نہیں تو۔" اماں چونک جاتیں۔" میں نے تو بس یوں ہی پوچھا تھا۔ بڑے شہروں میں..... میرا مطلب ہے یونیورسٹی میں تو بچے اتنے میچور ہوتے ہیں کہ ایک دوسرے سے بات کرنے میں کوئی حرج نہیں ہوتا۔ کبھی کسی لیکچر وغیرہ کے بارے میں مدد لینی پڑتی ہے تو۔"

اماں نگاہیں جھکائے ہولے ہولے کہتیں تو وہ ہنس پڑتی۔

"ارے نہیں اماں! مجھے نہیں ضرورت کسی مدد کی۔ وہ جو آمنہ ہے نا، میری روم میٹ پوری ماسٹر ہے۔"

اسے کبھی کبھی اماں کی باتوں پر بڑی حیرت ہوتی تھی۔ اماں پہلے تو اس طرح اس سے اپنی باتیں نہیں کرتی تھیں۔ شاید وہ میرے لیے اداس ہو جاتی ہوں گی۔

وہ سوچتی اور اسے اماں پر بہت پیار آتا۔ لیکن اماں اس کے یونیورسٹی میں داخلے کے بعد کچھ عجیب سی ہو گئی تھیں۔ کبھی کبھی وہ گھنٹوں اسے تکتی رہتیں۔ اور نہ جانے کیا سوچتی رہتیں۔ اور کبھی جب وہ چھٹیاں گزار کر واپس جا رہی ہوتی تو خود بھی ساتھ چل پڑتیں۔

"ارے اماں! آپ کیوں خوامخواہ اتنا لمبا سفر کرتی ہیں۔ ہم ہمیشہ خانو چاچا کے ساتھ چلے تو جاتے ہیں۔"

"یوں ہی میرا دل چاہ رہا ہے ضوئی! کہ تمہیں چھوڑ کر آؤں۔"

بابا بھی حیران ہوتے اور وہ دل ہی دل میں

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

خوش ہوتی کہ اماں کچھ وقت اور اس کے ساتھ گزارنا چاہتی ہیں۔

☆☆☆

اس روز بھی اماں اسے چھوڑنے لاہور آئی تھیں۔ بابا بہت مصروف تھے۔ گندم کی کٹائی ہو چکی تھی اور تھریشر لگنا تھا۔ شاہو کو بخار تھا اسے ماسی بتولاں کے حوالے کر کے اماں ان کے ساتھ آئی تھیں یوں بھی وہ لمبے سفر سے گھبراتا تھا۔

وہ منہ اندھیرے وہاں سے نکلتے تھے اور تقریباً چھ گھنٹوں کا سفر کر کے صبح سات بجے کے قریب وہ ہوسٹل پہنچتی تھیں۔ اور پھر ناشتہ وغیرہ کر کے آٹھ بجے یونیورسٹی کے لیے نکلتی تھیں۔ اور اگر کبھی دیر ہو جاتی تو وہ پھر یونیورسٹی میں ہی کچھ کھا پی لیتی تھیں۔ آج بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ انہوں نے یونیورسٹی میں ہی سموسے کھائے تھے اور مانو کا موڈ کلاسز اٹینڈ کرنے کا نہیں ہو رہا تھا، سو اس نے اپنی آپا کو فون کر دیا کہ وہ گاڑی بھیج دیں، وہ جب سر عزیز الرحمٰن صاحب کا پریڈ اٹینڈ کر کے باہر آئی تو مانو نے جب اسے بتایا تھا کہ وہ گھر جا رہی ہے تو وہ بھی اس کے ساتھ ہی چل پڑی تھی۔

''مجھے بھی ہوسٹل چھوڑتی جانا، میرے سر میں درد ہے اور مجھے مزید سر درد نہیں کروانا سر خدا بخش صاحب کا لیکچر سن کر۔''

''پتا نہیں تمہاری اماں کو یہ اتنا بور سا مضمون کیوں پسند ہے۔ چلو جی میری طرح اردو نہ سہی انگلش میں ایم اے کر لیتیں اور مزے سے دونوں ایک ہی کالج میں پڑھاتے۔''

وہ دونوں باتیں کرتی ہوئی پارکنگ تک آئیں اور اماں کو اپنی گاڑی کے پاس کھڑا دیکھ کر وہ حیران رہ گئی تھی۔ وہ کسی لڑکے سے باتیں کر رہی تھیں۔

''یا اللہ خیر..... اماں یہاں کیوں؟ کیا مجھے لینے آئی ہیں۔'' وہ تیزی سے ان کی طرف بڑھی تھی۔

''اماں سب خیریت ہے نا۔۔۔ بابا شاہو سب.....''

''ہاں سب خیریت ہے۔ موسم بدل گیا ہے نا تو میں نے سوچا، لان کے کچھ سوٹ لے لوں۔ تمہارے، مانو اور تمہاری روم میٹس کے لیے بھی دو دو سوٹ لے لیے۔ سوچا تم اس وقت یونیورسٹی میں ہو گی دیتی جاؤں۔''

''لیکن اماں میں لائی تو تھی وہاں سے اس موسم کے کپڑے۔'' اس نے ایک اطمینان بھری سانس لی تھی۔

''اتنی دیر ہو گئی ہے ایک بج رہا ہے۔ واپس پہنچتے پہنچتے رات ہو جائے گی۔ بابا پریشان ہو رہے ہوں گے۔''

''ان سے بات کر لی تھی فون پر۔ زیادہ دیر ہو گئی تو ہم شہر ہی رک جائیں گے آپا زہراں کے ہاں۔'' انہوں نے اسے تسلی دی۔

آپا زہراں بابا کی کوئی دور پار کی رشتہ دار تھیں کبھی کبھار دارا کلاں آتی تھیں۔

''اور ہاں یہ منور ہے بتولاں کی بہو بلقیس کا بھائی۔'' انہوں نے اس لڑکے کی طرف دیکھا جس سے کچھ دیر پہلے وہ باتیں کر رہی تھیں۔

''اچانک نظر آ گیا تو میں اس سے تمہارے متعلق ہی پوچھ رہی تھی۔ دو تین بار یہ بلقیس سے ملنے آیا تو حویلی بھی آیا تھا سلام کرنے لیکن تب اس نے نہیں بتایا تھا کہ یہ یہاں یونیورسٹی میں پڑھتا ہے۔''

''لیکن تب میں یونیورسٹی میں نہیں پڑھتا تھا اسی سال ایڈمیشن لیا ہے۔'' وہ مسکرایا۔

''تو ہماری ضوفشاں نے بھی تو اسی سال ایڈمیشن لیا ہے اکنامکس میں۔''

اماں کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

''لیکن مجھے اکنامکس میں ایڈمیشن نہیں ملا تھا میں نے فلسفے میں لے لیا۔''

وہ ادھر ادھر متلاشی نظروں سے دیکھتا ہوا شکل سے ہی کچھ ہونق اور فلسفی سا لگ رہا تھا۔ سانولا سا دبلا پتلا منور بلقیس آپا کا بھائی۔ اس نے مانو کی طرف دیکھا جو بے چین سی لگ رہی تھی۔

''مانو! تمہیں جانا ہے تو چلی جاؤ، اب اماں نے

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

ہوسٹل ڈراپ کرتے ہوئے چلی جائیں گی۔"

"اوہ ہاں مانو! یہ اپنے کپڑے تو لیتی جاؤ۔"

اماں نے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر سیٹ پر پڑے شاپنگ بیگ اٹھائے اور ایک بیگ اس کی طرف بڑھایا۔

"تھینک یو..... تھینک یو خالہ۔"

مانو کھل اٹھی تھی اور اسے اس کی بے چینی کی وجہ اب سمجھ میں آئی تھی وہ بہت اشتیاق سے سوٹ نکال کر دیکھ رہی تھی۔

"بہت خوب صورت ہیں خالہ! ایک ہماری اماں ہیں، انہیں اس طرح کی باتوں کا کبھی خیال نہیں آتا۔"

اماں مسکرا کر منور کی طرف متوجہ ہوگئی تھیں اور وہ حیران ہو کر اماں کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ اس نے اماں کو کبھی مسکراتے نہیں دیکھا تھا۔ شاید کبھی دیکھا ہو لیکن اتنا کم کہ اسے یاد نہیں تھا کہ اماں اس سے پہلے کبھی اس طرح مسکرائی ہوں۔

اب وہ منور سے اس کے اماں ابا کے متعلق پوچھ رہی تھیں اور دوسرے بہن بھائیوں کے متعلق۔ اور پھر اسے بلقیس اور پپو کے متعلق بتانے لگی تھیں کہ بلقیس کتنی اداس رہتی ہے۔ ظاہر ہے، میکہ اتنی دور ہے کہ مہینوں بعد بھی اتنی دور جانا مشکل ہے۔

وہ ایک بار پھر حیران ہوئی تھی۔ اماں نے آج تک کسی سے بھی اتنی باتیں نہیں کی تھیں۔

"تمہیں یہاں دیکھ کر دل کو بڑی تسلی ہوئی ہے منور! ہماری ضوفشاں کا خیال رکھنا۔ کبھی کوئی مسئلہ ہو اسے تو۔"

اور اسے اماں کی بات پر ہنسی آئی تھی کہ وہ کوئی ننھی بچی ہے کہ یہ فلسفی سا لڑکا اس کا خیال رکھے گا۔ اور اس وقت پہلی بار اماں اسے روایتی ماں لگی تھیں۔

اماں منور کو دیکھ رہی تھیں جو گردن موڑے کسی لڑکے کو قریب آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ لڑکا تیز تیز چلتا ہوا قریب آیا تھا۔

"حد کرتے ہو منور! آخر ایسی کیا آفت آگئی تھی کہ تم وہاں میرا انتظار نہیں کر سکتے تھے۔ پارکنگ میں پہنچنے کا میسج حبیب کو دے کر غائب ہوگئے۔"

"سوری یار! یہ آپا بلقیس کے سسرالی گاؤں سے ہیں اچانک مل گئیں تو....."

منور نے معذرت کی اور اماں کی طرف دیکھا۔

"یہ ایاز ہیں، ہمارے گاؤں کے چوہدری فیاض کے صاحبزادے..... یہ بھی یہاں اکنامکس ڈپارٹمنٹ میں ہیں۔"

اس نے دیکھا کہ اماں بے اختیار ایک قدم آگے بڑھی تھیں اور ان کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی لیکن پھر وہ رک گئیں۔ اسے لگا تھا جیسے وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر دعا دینا چاہتی ہوں۔ لیکن اماں نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"یہ ضوفشاں ہے میری بیٹی اور یہ بھی اکنامکس پڑھ رہی ہے۔"

ایاز نامی لڑکے نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی نظروں میں اجنبیت نہیں تھی۔

"جی دیکھا ہے میں نے انہیں کلاس میں۔"

اس نے سرسری سی نظر اس پر ڈالی۔ کلاس میں کئی بار اس نے بھی اسے دیکھا تھا۔ گندمی رنگ اور پرکشش آنکھوں والا ایاز احمد کلاس میں کافی مقبول تھا اور پروفیسرز بھی اسے پسند کرتے تھے۔

"بیٹا! یہ آپ کے ڈپارٹمنٹ میں ہے تو اس کا خیال رکھنا۔ دراصل یہ یہاں لاہور آتے ہوئے بہت گھبرا رہی تھی نا تو۔"

اور اب کے اسے اماں کی اس بات پر بہت کوفت ہوئی تھی۔ یہ مائیں بھی.....

"آپ کو دیر ہو رہی ہے اماں۔" اس نے ایک بار پھر کہا تو وہ دونوں لڑکوں کو خدا حافظ کہہ کر گاڑی میں بیٹھ گئیں۔

"یہ دوسرا لڑکا کیا نام بتایا تھا اس نے۔ ہاں ایاز یہ بھی اچھا ہے۔" اماں نے اس کی طرف دیکھے بغیر تبصرہ کیا تھا۔

ہوتا رہے اچھا۔ اسے کیا۔

وہ جھنجلائی تھی۔ ان کو دیر ہو جائے گی اس خیال

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

نے اسے پریشان کر رکھا تھا۔

"اماں! بہتر ہے کہ آپ شہر میں خالہ زہراں کے پاس ہی رک جائیں۔ بابا کو فون کر دیجیے گا۔ اور ابھی زہراں خالہ کو بھی فون کر دیں۔"

☆☆☆

گاڑی ایک جھٹکے سے رکی تو وہ ماضی سے نکل کر حال میں آئی تھی۔

"کیا ہوا شیر زمان؟"

"ایک بلی آگے آگئی تھی بمشکل بریک لگائی ویسے آپ کا ہوٹل بھی آگیا ہے۔"

اس نے شیشے سے باہر دیکھا۔ ہوٹل کی پارکنگ میں چند گاڑیاں تھیں۔ گیٹ کے اوپر نیو سائن جل بجھ رہا تھا۔ آس پاس لائٹیں جل اٹھی تھیں۔

گزری یادوں کے سفر نے اسے تھکا دیا تھا۔ وہ تھکی تھکی سی اندر داخل ہوئی۔ اور ریسپشن سے اپنے کمرے کی چابی طلب کی۔

"روم نمبر اٹھارہ کی چابی تو صاحب لے گئے ہیں۔" کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھے ینگ سے لڑکے نے بتایا۔

"اس کا مطلب ہے ایاز واپس آگیا ہے۔ ایاز کو نزدیکی قصبے میں کام تھا۔ وہ اسے فروا کے پاس چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ اگر تم جلدی واپس آگئیں تو فروا کی طرف ہی رک جانا مجھے شاید دیر ہو جائے تو میں ہوٹل آجاؤں گا۔"

فروا سے اس کی دوستی شارجہ میں ہوئی تھی۔ فروا کے شوہر انجینئر تھے اور تقریباً سات سال وہ ایک ہی بلڈنگ میں آمنے سامنے کے فلیٹوں میں رہی تھیں۔ ایک سال پہلے فروا کے میاں واپس پاکستان آگئے تھے۔ لیکن اس کا فروا سے رابطہ تھا جب فروا کو پتا چلا کہ وہ اس کے شہر میں ہی آرہے ہیں تو اس نے اصرار کیا تھا کہ وہ اس کے پاس ہی ٹھہریں لیکن انہوں نے ہوٹل میں ٹھہرنا مناسب سمجھا تھا۔

ایک دن پہلے وہ یہاں پہنچے تھے۔ فروا اور سعید بھائی بے حد ناراض بھی ہوئے تھے۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ یہاں تک آگئی ہے تو بس اڑ کر داراکلاں پہنچ جائے۔ لیکن ایاز کو ضروری کام سے جانا تھا اور فروا کا ڈرائیور شیر زمان دیر سے آیا تھا۔ طے یہ ہی ہوا تھا کہ وہ شیر زمان کے ساتھ چلی جائے۔ اسے لگا تھا جیسے ایاز جان بوجھ کر اس کے ساتھ جانے سے کترا رہا ہے۔ پھر کھانا کھاتے، فروا کے ساتھ باتیں کرتے وقت گزر گیا تھا اور وہ عصر کے بعد ہی وہاں سے نکل سکے تھے۔

"شہر سے داراکلاں تک ایک گھنٹے کا ہی تو رستہ ہے۔" فروا نے کہا تھا۔ "مغرب سے پہلے پہنچ جاؤ گی۔ اور پھر کسی سے ملاقات ہی تو کرنی ہے۔ گھنٹہ بھر بعد واپس آجانا۔"

لیکن وہ تو ملے بنا ہی دور سے حویلی کی اونچی برجی کا کلس دیکھ کر واپس آگئی تھی۔

"میرا تو خیال تھا، شاید تم وہاں ہی رک جاؤ آج۔"

ایاز اسے دیکھ کر حیران ہوا تھا۔ وہ بیڈ پر نیم دراز اخبار پڑھ رہا تھا۔

"کیا ہوا، وہاں سب خیریت تو تھی نا۔ تمہارے بابا، اماں سب۔" اسے خاموش دیکھ کر وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا اور اب تشویش سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں تو دور سے ہی اونچی برجی کا کلس دیکھ کر واپس آگئی ہوں۔" وہ تھکی تھکی سی بیڈ پر گر گئی۔

"کیوں..... کیوں ضوفشاں؟" ایاز بے چین سا اسے دیکھ رہا تھا۔ "اتنے قریب جا کر تم ان سے ملے بنا ہی واپس آگئیں۔"

"میں..... مجھے ڈر لگ گیا تھا آجی۔"

اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں اور اس نے سر جھکا لیا۔

وہ ہمیشہ ایاز سے اپنے آنسو چھپاتی آئی تھی۔ پر آج جیسے خود پر اختیار ہی نہیں رہا تھا۔ آنسو جیسے آنکھوں کے کناروں سے باہر آنے کو بے تاب ہو رہے تھے۔

ایاز مضطرب سا ہو کر بیڈ سے اتر کر اس کے قریب آیا۔

"ادھر..... ادھر دیکھو ضوفشاں، میری طرف۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

کس بات سے ڈر لگا تھا تمہیں؟''

''مجھے ڈر لگا آجی کہ کہیں بابا مجھے مار نہ دیں۔ اور مجھے اپنے بچے یاد آئے تھے۔ مبشر تو ابھی بہت چھوٹا ہے نا صرف چھ سال کا اور پھر سمیرا اور اشعر بھی کون سا اتنے بڑے ہیں۔ اس عمر میں ماں باپ دونوں کی ضرورت ہوتی ہے آجی!''

آنسو آنکھوں کی حدیں توڑ کر رخساروں پر پھسل آئے تھے۔

''اور مجھے یہ بھی ڈر لگا تھا آجی! کہ اگر بابا اور اماں نے مجھے گیٹ سے واپس کر دیا..... مجھے ملنے سے انکار کر دیا تو وہ امید جو پندرہ برسوں سے میرے جینے کا آسرا بنی ہوئی ہے کہ شاید کبھی بابا مجھے معاف کر دیں اور دارا کلاں کے دروازے میرے لیے کھل جائیں۔ وہ امید مر گئی تو میں کیسے۔ میں کیسے جی پاؤں گی آجی!'' آنسو اور تیزی سے بہنے لگے تھے، مانو سیلاب آ گیا ہو۔

''ضوفی میری جان!'' ایاز اس کے سامنے کارپٹ پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور اس کے آنسو اپنے ہاتھوں سے پونچھے۔

''وہ تمہارے بابا ہیں۔ تم پر جان چھڑکنے والے۔ تم نے خود ہی تو سینکڑوں بار مجھے بتایا تھا کہ تمہارے بابا دنیا کے تمام باپوں سے زیادہ اچھے تھے۔ شاید اتنا پیار کسی باپ نے اپنی بیٹی سے نہیں کیا ہوگا جتنا تمہارے بابا تم سے کرتے تھے۔ تو پھر بھلا وہ کیوں تمہیں ماریں گے۔ کیوں تمہیں گھر میں نہیں گھسنے دیں گے۔''

''اس لیے کہ میں نے ان کا مان توڑا۔ ان کا اونچا شملہ مٹی میں رول دیا۔ میں نے۔'' اس کی آواز حلق میں گھٹ گئی۔ لیکن آنسو اب بھی آنکھوں کے کناروں پر اٹکے تھے۔

''نہیں ضوفی! تمہیں کیا خبر، تمہاری اماں تم سے ملنے کو تڑپتی ہیں۔ دن رات تمہیں یاد کرتی ہیں۔ ایک بار، ایک بار سارے واہمے دل سے نکال کر ان سے مل لو ضوفی پلیز۔'' ایاز نے گود میں رکھے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔

''کیا آپ..... کیا آپ کا رابطہ ہے اماں سے؟'' وہ کلاس کی ذہین لڑکیوں میں شمار ہوتی تھی۔

''نہیں.....'' ایاز نے نظریں چرا لیں۔ ''وہ منور ملا تھا ہفتہ بھر پہلے برج خلیفہ میں جب میں شیری کے ساتھ وہاں شاپنگ کرنے گیا تھا، وہ..... اس نے بتایا تھا مجھے کہ اماں تمہیں بہت یاد کرتی ہیں اور تمہارے بابا بہت بیمار رہنے لگے ہیں۔''

''اور تب ہی..... تب ہی آپ نے واپس شارجہ آ کر اچانک یہاں آنے کا پروگرام بنا لیا تھا۔ اور مجھ سے کہا کہ میں دارا کلاں ضرور جاؤں۔''

اس نے اپنے ہاتھ ایاز کے ہاتھوں سے چھڑائے۔

''ہاں..... پندرہ سال سے میں تمہیں اذیت میں دیکھ رہا ہوں۔ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا ضوفی! میں تمہارا دکھ جھیل نہیں پا رہا۔ کیا میں جانتا نہیں تمہیں اپنے بابا، ماما، شاہو اور اپنے دارا کلاں کے چپے چپے سے عشق تھا۔ آئی ایم سوری، ام ریئلی ویری سوری۔ کہ میری وجہ سے تمہیں سب سے جدا ہونا پڑا۔ کاش ہم نہ ملے ہوتے ضوفی! اور اگر ملے بھی تھے تو محبت نہ کی ہوتی اور اگر محبت ہو بھی گئی تھی تو۔''

اس نے ایک گہری سانس لے کر ضوفشاں کی گود میں سر رکھتے ہوئے سوچا۔

''تو میں نے ان کی بات نہ مانی ہوتی یا تم ہی ان کی بات نہ مانتیں تو یہ جدائیاں تمہارا مقدر نہ بنتیں۔ تم تو اپنے عشق میں بہت مضبوط تھیں ضوفی! پھر کیوں کمزور پڑ گئیں؟'' اس کی گود میں چہرہ چھپائے وہ اپنی آنکھوں میں پھیلتے پانیوں کو اپنے اندر اتارتا گیا۔

ان پندرہ سالوں میں سینکڑوں بار ایاز نے اس سے سوری کیا تھا لیکن اس طرح اتنی لمبی بات تو کبھی نہیں کی تھی۔ کیا وہ بھی اس کی طرح بکھر رہا ہے۔ کیا اس کے دکھ نے اسے بھی توڑ دیا ہے۔ کیا وہ اس پیارے شخص کو اپنی ذات سے کوئی خوشی نہیں دے سکی۔ یہ شخص جو اسے اتنا ہی عزیز تھا جتنا اماں، بابا اور شاہو جس نے ان پندرہ سالوں میں اسے کانچ کے کسی

www.Paksociety.com

نازک برتن کی طرح سنبھال کر رکھا۔ جس نے جدائی کا دکھ اس کے ساتھ سہا۔ وہ ایک شفیق باپ اور محبت کرنے والا ساتھی تھا۔ اور پتا نہیں کون قصوروار ہے اور کون بے قصور، زندگی تو ان دونوں سے ہی اپنا خراج وصول کر رہی تھی۔

''سوری تو مجھے بھی کرنا چاہیے آجی۔ میری وجہ سے آپ بھی تو اپنی مٹی سے جدا دیارِ غیر میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ آپ کو بھی تو اپنے گاؤں سے، اس کے کھیتوں سے، اس کے تالابوں سے محبت تھی لیکن میں نے کبھی سوری نہیں کیا کبھی خیال ہی نہیں آیا مجھے۔'' وہ جسے ہولے ہولے اپنے آپ سے بات کر رہی تھی۔ ''سوری آجی..... میں شاید آپ کو خوشی نہیں دے سکی۔''

''ضوفی.....!'' ایاز نے تڑپ کر سر اٹھایا۔ ''ایسا نہیں ہے۔ تمہاری رفاقت میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہے۔ اور تم سوری کیوں کرتیں تمہیں سوری کرنا بھی نہیں چاہیے تھا۔ تم تو ایک لڑکی تھیں۔ کمزور چھوٹے سے دل والی۔ میں مرد تھا مضبوط حوصلہ والا۔ میں کیوں کمزور پڑا۔ کیوں میں انہیں قائل نہ کر سکا۔'' ایاز کی آنکھوں میں بھی نمی سی پھیلی تھی۔

''شاید ہم دونوں ہی قصوروار ہیں یا شاید ہم دونوں ہی بے قصور ہیں۔ مقدر میں یہ ہی لکھا تھا شاید۔''

''سب سے کمزور دلیل جو ہم اپنی غلطیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے دیتے ہیں۔'' اس نے سوچا پتا نہیں غلطی کہاں اور کس سے ہوئی تھی پر ہوئی تو تھی۔

''وہ تمہارے ماں باپ ہیں ضوفی!'' اسے خاموش دیکھ کر ایاز نے کہا۔ ''وہ بھی تمہارے لیے ایسے ہی تڑپتے ہوں گے جیسے تم تڑپتی ہو۔ صبح تم دارا کلاں چلی جاؤ اگر تمہارے دل میں کوئی خوف ہے تو تم فروا کو ساتھ لے جاؤ۔''

''آپ کیوں نہیں ساتھ چلتے؟'' اس نے ملتجی نظروں سے اسے دیکھا۔

''میں.....!'' ایاز نے اپنی طرف اشارہ کیا۔ ''میں بھلا کیسے۔ شاید تمہارے بابا اور اماں اور تمہارے درمیان بے تکلفی کی فضا پیدا نہ ہو سکے۔ تم فروا کو ہی ساتھ لے جاؤ پلیز، بعد میں پھر ہم دونوں کبھی اکٹھے چلے جائیں گے۔ مجھے یقین ہے اور پھر بچوں کو لائیں گے ان شاء اللہ۔ فروا کو ابھی کال کر کے پوچھ لو۔''

''فروا کو..... نہیں بھلا وہ فروا کو کیسے ساتھ لے جا سکتی ہے۔ اسے تو اماں سے سوال کرنا تھا، وہ سوال جو پچھلے پندرہ سالوں سے اس کے رہن سے کسی کن کھجورے کی طرح چمٹا ہوا تھا۔

اس ایک سوال کا جواب وہ پندرہ سالوں سے خود سے پوچھ پوچھ کر تھک گئی تھی لیکن اسے جواب نہیں ملا تھا۔ اور اب اسے لگنے لگا تھا جیسے اگر اسے اس سوال کا جواب نہ ملا تو وہ پاگل ہو جائے گی۔

تب ہی تو جب ایاز نے اسے یہاں آ کر دارا کلاں چلنے کو کہا تو اس نے پندرہ سال بعد وہ عہد توڑ دیا جو اماں سے کیا تھا۔ ایک بار، صرف ایک بار وہ اماں سے پوچھنا چاہتی تھی کہ.....

اور بھلا فروا کے سامنے وہ کیسے اماں سے پوچھ سکتی تھی۔ فروا کو کیا خبر تھی کہ کیسے اور کن حالات میں وہ گھر سے رخصت ہوئی تھی۔ اور پھر وہ کیسے فروا کے سامنے وہ راز کھول سکتی تھی جس کی خبر کسی کو نہ تھی۔ نہیں، اسے اکیلے ہی جانا تھا۔

ایک بار تو اسے جانا ہی تھا، بھلے پھر ساری زندگی اس گھر کے دروازے اس پر نہ کھلیں۔ تھوڑا سا حوصلہ۔ تھوڑی سی ہمت اب جب وہ یہاں تک آ گئی تھی تو۔ وہ اٹھی اور بیڈ پر لیٹ کر آنکھیں موند لیں۔

''کھانا منگواؤں ضوفی؟''

''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ اور بائیں ہاتھ کی انگلیوں سے اپنی پیشانی کو دبایا۔

''سر میں درد ہو رہا ہے؟'' ایاز اس کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گیا۔ ''اپنے ذہن پر اتنا بوجھ مت ڈالو ضوفی! سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ۔''

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

"پتا نہیں سب ٹھیک ہو جائے گا یا سب غلط ہو جائے گا۔ بابا اور شاہو کی آنکھوں میں وہ اپنے لیے نفرت کیسے دیکھ پائے گی۔ وہ آنکھیں جو اس پر محبتیں لٹاتی تھیں جن میں اس کے لیے محبت، شفقت کے انمول خزانے تھے۔ ان آنکھوں میں اگر اس کے لیے نفرت ہوتی..... نفرت نہ سہی اجنبیت ہی ہوتی تو وہ کیسے برداشت کر پائے گی۔ اس کا دل پھٹ نہ جائے گا۔"

"آج آپا اور بچوں سے بات ہوئی تھی۔ سب ٹھیک ہے۔ آپا اور بھائی جان انہیں دبئی گھمانے لے کر گئے ہوئے تھے۔ بچوں نے تمہیں بھی کال کی تھی۔ شاید لیکن تم نے اٹینڈ نہیں کی۔" وہ ہولے ہولے اس کی پیشانی کو دو انگلیوں سے دبا رہا تھا۔

یہ لمس..... یہ مہربان سا لمس اس کے تھکے ہوئے ذہن کو پرسکون کر رہا تھا۔ اس شخص نے ہمیشہ ہی اسے ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھا تھا۔ یہ شخص اسے کتنا عزیز تھا۔ اماں، بابا اور شاہو کے بعد دنیا میں سب سے زیادہ عزیز اور سب سے زیادہ اس کا اپنا لیکن یہ بات وہ کبھی اسے بتا نہیں سکی تھی۔

پندرہ سال پہلے جب وہ اس کا کلاس فیلو تھا تب بھی نہیں اور ان پندرہ سالوں میں جب وہ اس کا شوہر اور اس کی زندگی کا ساتھی تھا۔ اس کے بچوں کا باپ۔ ایک بار بھی وہ اس سے نہیں کہہ پائی تھی کہ وہ اسے کتنا عزیز ہے اور وہ کتنی محبت کرتی ہے اس سے۔

اور یہ ایاز احمد اسے کب اتنا عزیز ہو گیا تھا۔ اسے خبر بھی نہیں ہوئی تھی اس پہلی ملاقات کے بعد اکثر کلاس میں آتے جاتے۔ مسکراہٹوں کا تبادلہ ہو جاتا۔ کبھی ایک دوسرے سے خیر خیریت بھی پوچھ لی جاتی تھی۔ پھر کبھی کبھار کسی مشکل ٹاپک پر وہ بات بھی کر لیتے تھے۔ وہ اس کی ذہانت سے متاثر تھی۔ کسی ٹاپک پر بحث کرتے ہوئے آمنہ اس کے ساتھ ہی ہوتی تھی اور ہمیشہ تعریف کرتی۔

"کمال کا ذہین ہے۔ میں کل سے الجھ رہی تھی اور سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ سر خورشید تو ہمیں افلاطون سمجھتے ہیں جیسے وہ فر فر لیکچر دے کر چلے جائیں گے اور سب کچھ ہمارے دماغوں میں بیٹھ جائے گا۔"

وہ ہنس دیتی۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ ایاز کلاس کا سب سے ذہین لڑکا تھا۔ یہ ہی نہیں اس میں اور بھی بہت سی خوبیاں تھیں۔ وہ سب لڑکیوں کی عزت کرتا تھا۔ سب سے نرمی اور حلیمی سے بات کرتا تھا۔

اسے ایاز سے بات کرتے ہوئے ایک مانوس سی اپنائیت محسوس ہوتی تھی اور وہ دل میں اس کی بے حد عزت کرتی تھی اور شاید بات یہاں تک ہی رہتی۔ آگے نہ بڑھتی۔ اگر جو اتفاقات انہیں قریب نہ لاتے اور یہ اتفاقات بھی بس کیا اس کے ساتھ ہونے تھے۔

☆☆☆

اس پہلی ملاقات کے بعد گرمیوں کی چھٹیوں سے پہلے جب خانو چاچا اسے لینے آئے تھے تو ساتھ اماں اور شاہو بھی تھے۔ شاہو یوں تو لمبے سفر سے گھبراتا تھا لیکن لاہور آ کر خوش بھی ہوتا تھا۔ اماں اسے ہوسٹل سے لے کر کے ایف سی آئی تھیں۔ شاہو کو کے ایف سی چکن بہت پسند تھا اور ابھی وہ آ کر بیٹھے ہی تھے۔ وہ شاہو سے باتیں کر رہی تھی۔ وہ بہت خوش تھا کہ اب تقریباً ڈھائی ماہ وہاں ہی رہے گی حویلی میں۔

شاہو اسے خرگوش کے بچوں کے متعلق بتا رہا تھا جو خانو چاچا جانے کہاں سے اس کے لیے لائے تھے تب اچانک.....

"ارے خالہ آپ یہاں؟" کی آواز سن کر اس نے سر اٹھایا تھا اور منور کے ساتھ ایاز کو دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔ اماں ان کے سلام کا جواب دے کر بتا رہی تھیں کہ وہ اسے لینے آئی تھیں اور شاہو کو چکن کھلانے لائی تھیں۔ پھر اماں نے اصرار کر کے انہیں بھی وہاں ہی بٹھا لیا۔ یوں بھی یہ چھ کرسیوں والی ٹیبل تھی۔

منور، اماں کے کہنے پر آرڈر دینے چلا گیا تھا۔ اور وہ حیران سی اماں کے کھلے کھلے چہرے کو دیکھ رہی تھی جو ایاز کی طرف متوجہ تھیں۔

"یہاں ہوسٹل میں رہتے ہو یا اپنا گھر ہے؟"

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

وہ پوچھ رہی تھیں۔

''ہوسٹل میں تو نہیں رہتا۔ کرائے پر لے گھر رکھا ہے۔ گاؤں سے ملازم ساتھ آئے ہیں۔ کبھی کبھار بابا جان اور امی جان بھی آجاتی ہیں کچھ دنوں کے لیے۔ اب چھٹیوں میں تو گاؤں ہی چلا جاؤں گا۔'' وہ بتا رہا تھا۔

''اور وہاں گاؤں میں کون کون ہوتا ہے۔''

اماں کی نظریں جیسے اس کے چہرے کا طواف کرتی تھیں۔

''وہاں میرے دادا جان اور دادی جان ہیں۔ میرے بابا جان اور امی کے علاوہ ایک چھوٹا بھائی ہے۔ ابھی گاؤں کے قریب ہی شہر میں پڑھتا ہے۔ بس یوں ہم تین بھائی ہیں۔ بڑی بہن کی شادی ہو چکی ہے۔ وہ باہر ہوتی ہیں۔''

وہ تفصیل سے بتا رہا تھا اور اماں اشتیاق سے سن رہی تھیں۔

''میرے بابا صرف دو بھائی ہیں۔ چچا جان انگلینڈ میں ہوتے ہیں۔ وہ اعلا تعلیم کے لیے باہر گئے تھے تو پھر وہاں ہی سیٹل ہو گئے۔ بیوی بچوں کو بھی بلا لیا۔ ہر سال چکر لگاتے ہیں۔''

منور آرڈر دے کر آ گیا تھا۔ اس نے اماں کی طرف دیکھا جن کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑا ہوا تھا اور آنکھیں کچھ نم نم سی تھیں۔

''کیا ہوا اماں؟'' وہ پریشان ہو گئی تھی۔

''کچھ نہیں۔ شاید آنکھوں میں کچھ پڑ گیا ہے۔'' انہوں نے آنکھیں رگڑ ڈالی تھیں۔

☆☆☆

اور یہ پہلا اتفاق تھا۔ اس کے بعد بھی کتنی ہی بار وہ اتفاقاً باہر ملے تھے اور ہر بار اماں ان کے ساتھ ہوتی تھیں۔ کبھی شاپنگ مال میں، کبھی کسی سیر گاہ میں جب وہ اقبال پارک میں گئے تھے جب وہ شاہو کو شاہی قلعہ دکھائے اور مینار پاکستان دکھانے لے گئے تھے۔ ہر بار ہی ایاز اور منور کہیں نہ کہیں مل جاتے تھے۔ جب تیسری بار ایسا ہوا تھا تو اسے ہنسی آ گئی تھی۔

''یہ آپ لوگ کیا ہماری جاسوسی کرتے ہیں؟''

ایاز نے سٹپٹا کر منور کی طرف دیکھا تھا۔

''بخدا یہ منور کو ہی سیر سپاٹوں کا شوق ہے۔ مجھے بھی ساتھ گھسیٹے رکھتا ہے۔ ویسے میں بھی یہ کہہ سکتا ہوں کہ آپ ہمیشہ وہاں ہی کیوں موجود ہوتے ہیں جہاں ہم ہوتے ہیں۔''

پہلی بار ایاز کی آنکھوں میں اسے شوخی سی نظر آئی تھی۔ اماں نے جانے مسکرا کر کیا کہا تھا کہ وہ ہنس پڑا تھا۔ کبھی کبھی وہ سوچتی تھی اگر وہ اتفاقاً چند باریوں باہر نہ ملتے تو یونیورسٹی میں ہونے والی سرسری سی ملاقاتوں میں وہ بے تکلفی اور اپنائیت کا احساس پیدا نہ ہوتا جو ہو گیا تھا۔

جب کبھی وہ چھٹیوں میں گھر آتی تو اماں بہت اشتیاق سے ایاز اور منور کے متعلق پوچھتی تھیں۔

جب وہ فائنل ایئر میں تھی تو اماں نے آنا تقریباً چھوڑ ہی دیا تھا۔ زیادہ تر خانو چاچا اکیلے ہی آتے تھے۔ لیکن جب وہ گھر آتی تو اماں سارا وقت اس کے آس پاس ہی رہتی تھیں۔ وہ اپنے کام میں یا پڑھائی میں مصروف ہوتی تو اماں اسے دیکھتی رہتیں۔

کبھی کبھی اسے لگتا جیسے اسے دیکھتے ہوئے ان کی آنکھیں نم ہو جاتی تھیں۔ شاید یہ اس وجہ سے تھا کہ وہ اتنے دن ان سے دور رہتی تھی۔ اس کے ہوسٹل جانے کا ایک فائدہ تو ہوا تھا اماں جو کبھی ظاہر نہیں کرتی تھیں اور وہ سمجھتی تھی کہ اماں کو اس سے اتنی محبت نہیں ہے جتنی بابا کو ہے تو اب تو جیسے ان کی والہانہ نظریں۔ ان کا اس کے آس پاس رہنا۔ ادھر ادھر کی باتیں کرنا۔ سب ظاہر کرتا تھا کہ وہ اس سے بابا سے کم محبت نہیں کرتیں۔

ان دنوں وہ کتنی خوش رہا کرتی تھی۔ اماں کے اس التفات پر اور اس خیال سے کہ اب بہت جلد وہ ہمیشہ کے لیے واپس دارا کلاں آ جائے گی اور اس کی خوشی سب کو نظر آتی تھی۔

وہ جو اپنے دارا کلاں کے لیے اداس رہتی تھی۔ چپ رہتی تھی جسے اپنی حویلی کی اونچی برجیاں،

Waqar Azeem
www.Pakistanipoint.com

سنہرے کلس، کھیت کھلیان باغات سب یاد آتے تھے اور دن میں کوئی پندرہ بار وہ ان کا ذکر کرتی تھی اب اپنی پڑھائی میں مگن تھی۔ اس روز بھی جب کمرے میں مصروف وہ اور آمنہ تھیں اور وہ کتاب سامنے رکھے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ سجائے پڑھ رہی تھی تو آمنہ نے اسے بغور دیکھا تھا۔

"میں دو گھنٹے سے تمہارے سامنے بیٹھی ہوں اور تم نے ایک بار بھی اپنے دارا کلاں کا ذکر نہیں کیا۔ حیرت ہے۔"

اس نے چونک کر آمنہ کی طرف دیکھا تھا اور ہنس دی تھی۔

"ہاں، اب چند ماہ کی ہی تو بات ہے پھر میں اپنے دارا کلاں میں اپنے بابا اماں اور شاہو کے پاس رہوں گی۔"

"بہت خوش ہو؟" آمنہ نے پوچھا تھا۔

"ہاں بہت خوش!" اس نے کتاب بند کر دی تھی۔

"لیکن میں، سارا، مانو ہم سب تو اداس ہیں کہ اتنے پیارے پیارے دوستوں سے بچھڑ جائیں گے پھر جانے زندگی میں ملاقات ہو نہ ہو تو کیا ہم تمہیں یاد نہیں آئیں گے؟" آمنہ کو جیسے اس کا جواب سن کر افسوس ہوا تھا۔

"کیوں نہیں..... میں تم سب کو بہت یاد کروں گی۔ بھلا دوست بھی بھولتے ہیں کبھی۔"

وہ بھی اداس ہوئی تھی۔

"تم لوگ آنا نا ہمارے دارا کلاں۔"

"ضرور لیکن یہ بتاؤ اور کون کون یاد آئے گا۔"

اب آمنہ کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

"تم سب سے مراد..... تم سب فرینڈز ہی ہونا۔" وہ ذرا سا سمجھی تھی۔

"اور ایاز احمد؟" آمنہ کی آنکھوں میں ہی شرارت نہ تھی بلکہ اس کے لبوں پر بھی مسکراہٹ تھی۔

"ہاں ظاہر ہے، سب کلاس فیلوز۔" اس نے کہا تھا لیکن اس کی نظریں جھک گئی تھیں۔

اور دل کی دھڑکن تیز ہوتی ہوئی محسوس ہوئی تھی اور اسے یاد آیا تھا کہ چند دن پہلے جب وہ لان میں بیٹھی چپس کھا رہی تھیں تو آمنہ نے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

"یہ ایاز احمد کی نظریں ہر وقت تمہارے تعاقب میں رہتی ہیں..... کیا تمہیں نہیں لگتا کہ وہ تمہیں پسند کرنے لگا ہے۔

"تو؟" اس نے پوچھا تھا۔

"تو..... تو کیا..... اچھا لڑکا ہے۔"

"اماں بھی اکثر یہ ہی کہتی ہیں، تم بھی نا اماں جیسی بات کرتی ہو۔" اس کے لبوں سے نکلا تھا۔

"تمہاری اماں خاصی عقل مند ہیں ضوئی! اور میں بھی۔"

اس نے شوخی سے اسے دیکھا تھا۔

"اور ہاں ایاز اگر تمہارے ساتھ سیریس ہے تو اسے کھونا مت..... ایسے لڑکے نصیب والوں کو ہی ملتے ہیں۔"

کتنی گہری نظر تھی اس کی۔ وہ یوں ہی تو اسے ماسٹر نہیں کہتی تھی۔

"ضوئی!" آمنہ اپنی کتابیں سمیٹ کر کھڑی ہو گئی تھی وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

"پتا ہے ضوئی! ایاز احمد تم سے محبت کرنے لگا ہے۔"

"تمہیں کیسے پتا؟" اس نے بے اختیار آمنہ کی طرف دیکھا تھا۔

"تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں اور پتا ہے ضوئی! وہ لڑکی بڑی خوش قسمت ہوگی جس کا شریک سفر ایاز احمد ہوگا اور میری خواہش ہے کہ وہ لڑکی تم ہو۔"

اور اس روز جب وہ بستر پر لیٹی تھی تو آنکھوں کے سامنے ایاز احمد آ گیا تھا۔ اور اس نے سوچا تھا صرف چھ ماہ بعد وہ یہاں سے چلی جائے گی اور..... اور پھر شاید کبھی بھی وہ ایاز احمد سے نہ مل سکے گی اور اس تصور سے ہی اس کا دل جیسے پاتال میں گرا تھا۔

www.pakistanipoint.com

تو کیا میں..... کیا میں بھی ایاز احمد سے؟

اسے تو پتا ہی نہیں چلا تھا کہ کب ایاز احمد چپکے سے اس کے دل میں سما گیا تھا۔ دنوں ہفتوں مہینوں اس نے اس بات کو جھٹلایا تھا اور آمنہ کو بھی یقین دلایا تھا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بھلا ایاز احمد اس سے کیوں محبت کرے گا۔ وہ تو ایک سیدھی سادی سی دیہاتی لڑکی ہے۔

''احمق لڑکی! تم خود اپنی خوب صورتیوں سے بے خبر ہو تمہاری سادگی، سچائی اور تمہارا یہ معصوم حسن بخدا پوری یونیورسٹی میں تم جیسی ایک بھی لڑکی نہیں ہے۔''

اس روز آمنہ نے اسے بتایا تھا کہ خود ایاز احمد نے اس کے سامنے اپنی محبت کا اعتراف کیا ہے لیکن وہ کوئی چھچھورا لڑکا نہیں ہے۔ نہ ہی اسے یونیورسٹی میں کوئی کہانی تخلیق کرنی ہے بس وہ تو پڑھائی سے فارغ ہوتے ہی اپنے والدین کو دارا کلاں بھیجے گا۔''

اور آمنہ کے انکشاف نے جہاں اس کے اندر چراغاں کر دیا تھا وہاں ایاز احمد کے لیے اس کے دل میں موجود محبت اور عزت بڑھ گئی تھی۔ وہ اب بھی یونیورسٹی میں سرسری سی بات کرتے تھے۔ خیر خیریت یا کبھی کبھار نوٹس کا تبادلہ اور بس، لیکن اس کی آنکھوں میں اس سے بات کرتے ہوئے جو جگنو دمک اٹھتے تھے اور جو وارفتگی جھلکتی تھی وہ اس محبت کا پتا دیتی تھی جو اس کے دل میں جاگزیں ہو چکی تھی۔

اور اس روز وہ لائبریری سے کوئی کتاب ایشو کروانے گئی تھی جب چند لمحوں بعد ایاز بھی آ گیا تھا اسے دیکھ کر اس کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

''یقین کریں مس ضوفشاں! میں آپ کی جاسوسی کرنے نہیں آیا بلکہ مجھے ایک کتاب ایشو کروانی تھی۔''

''یہ.....؟''

اس نے لائبریری کارڈ بیگ میں رکھتے ہوئے اسے کتاب دکھائی تھی۔ آج ہی سر ظفر نے انہیں یہ کتاب پڑھنے کا مشورہ دیا تھا۔

''بالکل یہی کتاب۔''

اس کی آنکھوں میں شوخی تھی، شرارت تھی اور ایک انوکھا جذبہ لو دیتا تھا۔

''تو آپ یہ لے لیں۔ مجھے تو یوں بھی کل گھر جانا ہے، واپس آ کر ہی پڑھوں گی۔''

وہ اگر دو تین دن کے لیے گھر جاتی تھی تو کتابیں ساتھ لے کر نہیں جاتی تھی کہ سارا وقت اسے اماں، بابا اور شاہو کے ساتھ گزارنا ہوتا تھا۔

''اب آپ کی اماں جان آپ کو لینے یا چھوڑنے نہیں آتیں؟'' اس نے کتاب اس کے ہاتھ سے لے لی تھی۔ ''یا پھر اب اتفاقات نہیں ہوتے یا پھر اب ہم نے آپ کی جاسوسی کرنا چھوڑ دیا ہے۔''

اس کے لہجے کی شوخی نے اسے حیران کیا تھا۔

''نہیں اب اماں نہیں آتیں۔ صرف خانو چاچا ہی آتے ہیں یا پھر اگر بابا کو لاہور میں کوئی کام ہو تو وہ آ جاتے ہیں۔''

سادگی سے کہتے ہوئے وہ لائبریری سے باہر نکل آئی تھی۔

''ضوفشاں! میں اپنے والدین کو آپ کے گھر بھیجنا چاہتا ہوں۔ آپ کو اعتراض تو نہیں ہوگا۔'' وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''نہیں..... لیکن کیوں؟'' بے اختیار ہی اس کے لبوں سے نکلا تھا۔

''اگر اجازت ہو تو اس کیوں کا جواب دے دوں۔''

اور اسے یکدم ہی آمنہ کی بات یاد آئی تھی اور اس کے رخساروں پر لالے کے پھول کھل اٹھے تھے ایاز نے مبہوت ہو کر اسے دیکھا تھا اور پھر مسکرایا تھا۔

''آپ کے رخساروں پر کھلتے گلابوں نے مجھے بتا دیا ہے کہ اس کیوں کا جواب آپ کو مل گیا ہے لیکن پھر بھی میں اتنا ضرور کہوں گا کہ پتا نہیں کب اور کیسے آپ میرے دل کی اولین خواہش بن چکی ہیں۔ آپ کے ساتھ زندگی کا سفر طے کرنا ایک ایسا خواب ہے

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

جس کی تعبیر کی دعائیں میں دن رات کرتا ہوں۔ کہنے کو بہت کچھ ہے ضوفشاں! لیکن ابھی مجھے کچھ کہنا زیب نہیں دیتا۔ آپ کے حوالے سے میرا ہر جذبہ آپ کی امانت ہے۔ وقت آنے پر آپ کے حوالے کردوں گا۔'' وہ مسکرایا تھا۔

''فی الحال تو میں صرف اتنا جاننا چاہتا ہوں کہ اگر میں اپنے والدین کو بھیجوں تو آپ کو اعتراض تو نہیں ہوگا۔''

''لیکن فیصلہ تو بابا اور اماں ہی کریں گے نا۔''

اس نے جھکی نظریں نہیں اٹھائی تھیں۔

''اور اگر انہوں نے فیصلہ میرے حق میں نہ کیا تب۔'' اب وہ سنجیدہ سا پوچھ رہا تھا۔

''تب!'' اور اس کا دل ڈوب گیا تھا اور آنکھوں میں نمی سی پھیل گئی تھی۔

''تب میں بھلا کیا کرسکتی ہوں۔'' اس نے سوچا تھا اور بے چینی سے نچلا ہونٹ دانتوں سے کچلنے لگی تھی۔

''ابھی سے پریشان مت ہوں تب کی تب دیکھی جائے گی۔ ویسے میرے بابا جان کو دوسروں کو قائل کرنے کا ہنر آتا ہے اور مجھے یقین ہے، میرے بابا جان آپ کے بابا کو قائل کرلیں گے۔''

وہ کتنا پر یقین تھا اور اس کے یقین سے اس کا ڈوبا ڈوبا دل تیرنے لگا تھا۔ اور یہ دو ہفتے بعد کی بات تھی۔ آمنہ سارا اور مانو کا پروگرام انارکلی جانے کا تھا اور پھر وہاں بانو بازار کی چاٹ کھانے کا بھی لیکن اس کا گلا خراب تھا اس لیے وہ سر الطاف کا پیریڈ چھوڑ کر ہوسٹل جانے کے لیے باہر نکلی تو وہاں اماں کو اپنی گاڑی کے پاس کھڑا دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔ ابھی ہفتہ بھر پہلے ہی تو وہ تین چھٹیاں گزار کر دارالکلاں سے آئی تھی۔

''آپ یہاں اچانک.....؟ خیریت ہے نا، بابا اور شاہو تو ٹھیک ہیں نا؟''

''ہاں سب خیریت ہے۔ تمہارے بابا کے دوست ہیں نا ادھر، وہ فیروز اعوان ان کی طبیعت کچھ خراب تھی۔ چند دن پہلے ہارٹ اٹیک ہوا تھا انہیں۔ تمہارے بابا نے ان کی عیادت کے لیے آنا تھا تو میں بھی ساتھ ہی چلی آئی۔ پتا نہیں کیوں دو تین دن سے دل بہت گھبرا رہا تھا۔ تم تو ٹھیک ہونا۔ بس وہم سا ہو رہا تھا کہ کہیں تم بیمار نہ ہو۔''

''اوہ یہ مائیں بھی نا۔ ان کو تو جیسے الہام ہوتا ہے اولاد کے متعلق.....''

اس نے پیار سے ان کا ہاتھ تھام کر چوم لیا ورنہ جی تو چاہ رہا تھا کہ گلے لگا لے۔

''بس دو دن سے ہلکا بخار اور گلا خراب ہے۔''

''ڈاکٹر کو دکھایا؟'' وہ تشویش سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''ہاسٹل کی ڈسپنسری سے دوا لے لی تھی۔ معمولی سا بخار تھا آپ یوں ہی پریشان ہو رہی ہیں۔ بابا کہاں ہیں۔ اور شاہو۔''

''انہیں کچھ کام تھا وہ چلے گئے شاہو بھی ان کے ساتھ ہے میں تمہیں لینے آئی تھی رات ہمارا ٹھہرنے کا پروگرام ہے فیروز بھائی کی طرف ہی۔ تو تم بھی ادھر ہی رہنا۔ سب نے بہت اصرار کیا تھا کہ تمہیں لے کر آؤں۔ ویک اینڈ پر بھی تم نہیں جاتی ہو۔ گلہ کر رہے تھے۔ واپس جاتے ہوئے تمہیں چھوڑ جاؤں گی۔'' انہوں نے گاڑی کا دروازہ کھولا۔

''نہ مجھے ان کے گھر کا پتا اماں اور نہ کبھی پہلے مین ان کے گھر گئی ہوں۔ بہت پہلے جب میں اسکول میں پڑھتی تھی تو بابا کے ساتھ لاہور آئے تھے ہم اور ان کے گھر ٹھہرے تھے۔ مجھے تو یہ بھی نہیں پتا کہ ان کے کتنے بچے ہیں۔ یوں بھی بابا نے خود ہی تو سمجھایا تھا کہ مجھے ہاسٹل سے کہیں نہیں جانا۔ کسی ڈے اسکالر کے گھر، چاہے وہ میری کتنی ہی گہری دوست کیوں نہ ہو۔''

وہ گاڑی میں بیٹھ گئی تھی اور خانو چاچا سے ان کی خیریت پوچھ رہی تھی جب اماں کو یاد آیا تھا۔

''ارے بلقیس نے منور کے لیے کچھ بھیجا تھا۔ مجھے خیال ہی نہیں رہا۔ کسی سے کہہ کر اسے بلوا لیتی،

www.Paksociety.com
www.pakistanipoint.com

اب کل تم دے دینا۔"

"وہ تو گاؤں گیا ہوا ہے۔ وہ ایاز احمد ہے نا اس کی دادی اماں کا انتقال ہو گیا ہے نا تو کچھ کلاس فیلوز مطلب جو ایاز کے دوست تھے۔ وہ گئے ہیں جنازے میں شرکت کے لیے تو منور بھی ان کے ساتھ گیا ہے۔" وہ تفصیل سے بتانے لگی۔

"کیا؟" اماں نے بے اختیار ہی اس کے بازو پر ہاتھ رکھا تھا۔

"اس کی دادی جان چھ سات دن سے بیمار تھیں یہاں ہاسپٹل میں ایڈمٹ تھیں۔ ایاز کی سب کلاس فیلوز کے ساتھ اچھی سلام دعا ہے تو سب کلاس فیلوز ان کی عیادت کے لیے ہاسپٹل بھی گئے تھے۔ لڑکیوں نے کہا ہمیں بھی جانا چاہیے کہ جب مونا کی امی ہاسپٹل میں تھیں۔ سب گئے تھے ان کی عیادت کو تو پھر ہم گئی تھیں سب۔" اس نے تفصیل سے بتایا۔

"تم..... تم گئی تھیں وہاں؟" اسے لگا جیسے اس کے بازو پر رکھے اماں کے ہاتھ میں لرزش تھی۔

"کیا ہوا اماں! کیا مجھے نہیں جانا چاہیے تھا۔"

اس نے ان کی طرف دیکھا تو اسے ان کی آنکھوں میں سرخی سی نظر آئی اور رنگ ہلدی کی طرح زرد۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" انہوں نے اثبات میں سر ہلایا تو اس نے پھر اپنا سوال دہرایا۔

"کیا ہاسپٹل جانے پر آپ اور بابا ناراض ہوں گے۔"

انہوں نے پھر نفی میں سر ہلایا اور لمحہ بھر بعد بولیں تو ان کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

"اچھا کیا، عیادت کرنے کا تو ثواب ہوتا ہے نا۔" اماں نے سر جھکا لیا تھا۔

"ایاز احمد کے بابا بہت شفیق اور مہربان سے تھے۔ بالکل بابا کی طرح، انہوں نے ہم سب کا شکریہ ادا کیا تھا۔"

اسے عادت تھی جب بھی وہ گھر آتی ایک ایک بات اماں کو بتاتی تھی۔

"اس کی دادی جان تو آئی سی یو میں تھیں جب ہم گئے تھے البتہ بابا اور دادا جان سے ملاقات ہوئی تھی۔"

"اس کے دادا جان کیسے تھے؟ وہ تو بہت بوڑھے ہوں گے۔" اماں نے بے اختیار ہی پوچھا تھا۔

"نہیں تو۔ زیادہ بوڑھے تو نہیں لگتے تھے۔ بہت نرمی اور آہستگی سے بولتے تھے اور انہوں نے ہم سے کہا تھا کہ یہ آپ سب بچیوں کا خلوص ہے کہ آپ یہاں مزاج پرسی کے لیے آئی ہیں لیکن آپ لوگوں کو اپنے والدین کی اجازت کے بغیر نہیں آنا چاہیے تھا۔"

"ٹھیک کہا انہوں نے۔ بزرگ ایسے ہی سوچتے ہیں۔" انہوں نے آہستگی سے کہا تھا۔ تب ہی خانو چاچا نے پوچھا تھا۔

"بیگم صاحبہ! کیا صاحب کو راستے سے پک کرنا ہے؟"

"نہیں۔ وہ خود ہی آجائیں گے۔"

پھر سارے راستے اماں نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ انکل فیروز..... ان کی بیگم ان کی بیٹی سب ہی بہت اچھی طرح سے ملے تھے۔ بہت محبت اور پیار سے کھانے پر انہوں نے خاصا اہتمام کر رکھا تھا لیکن اماں نے کھانا نہیں کھایا تھا اور کچھ دیر بعد معذرت کر کے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

"میرے سر میں بہت شدید درد ہے بھابھی! اگر اجازت ہو تو کچھ دیر آرام کر لوں۔"

اور انکل فیروز کی بیگم نے انہیں بیٹی کے ساتھ گیسٹ روم میں بھجوا دیا تھا۔

"شاید سفر کی طوالت نے بھابھی کو تھکا دیا ہے۔" انکل فیروز نے کہا تھا۔ "کچھ دیر آرام کریں گی تو طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔"

بابا نے سر ہلا دیا تھا۔ اماں کی ذرا سی طبیعت خراب ہو جاتی تو وہ ایسے ہی پریشان ہو جاتے تھے۔ رات کو بھی اماں نے برائے نام ہی کھایا تھا۔ ان کی آنکھیں بے حد سرخ ہو رہی تھیں اور ایسا لگتا تھا جیسے

www.Pakistanipoint.com
Waqar Azeem

وہ خود پر بے حد جبر کرتے ہوئے سب کے درمیان بیٹھی ہوں۔ بابا نے بھی اس کی طرح ان کی طرف کئی بار دیکھا تھا۔

اگر طبیعت زیادہ خراب ہے تو ڈاکٹر کی طرف چلیں؟''

''نہیں..... رات کو سو جاؤں گی تو صبح تک ٹھیک ہو جائے گی۔ دن کو بھی لیٹی تو رہی لیکن نیند نہیں آئی۔''

بابا کے پوچھنے پر انہوں نے کہا تھا۔

''ضوئی کو لے جائیں ڈاکٹر کی طرف، اس کا گلا بھی خراب ہے اور ہلکا بخار بھی ہے۔''

''ارے ضوئی بیٹا! تم نے بتایا ہی نہیں مجھے۔ چلو ابھی چلتے ہیں ڈاکٹر کی طرف۔''

بابا یکدم اس کے لیے پریشان ہو گئے تھے۔

''یہاں قریب کوئی کلینک ہے فیروز؟'' اب وہ انکل فیروز سے پوچھ رہے تھے لیکن اس نے بھی اماں کی طرح انکار کر دیا تھا۔

''نہیں بابا! میں دوا لے رہی ہوں۔ پانچ دن کا کورس ہے۔ ٹھیک ہو جائے گا۔''

''زیادہ اینٹی بائیوٹک دوائیں بھی نقصان پہنچاتی ہیں مدثر!'' انکل فیروز نے بھی مشورہ دیا تھا۔

''ضوئی جو دوا لے رہی ہے ٹھیک ہے یہ فلو اور گلا وغیرہ خراب ہونا یہ اپنا سرکل تو پورا کر کے ہی ٹھیک ہوتا ہے۔''

اور بابا مجبوراً خاموش ہو گئے ورنہ وہ جانتی تھی۔ وہ اسے زبردستی لے جاتے۔ قہوہ پی کر اماں تو آرام کرنے چلی گئی تھیں، وہ کچھ دیر عینی (انکل فیروز کی بیٹی) اور شاہو کے ساتھ ٹی وی روم میں بیٹھی رہی۔

دن کو بھی اماں کی بے آرامی کے خیال سے وہ لاؤنج میں عینی سے اور آنٹی سے باتیں کرتی رہی تھی۔ شاہو بھی بور ہو رہا تھا سو کچھ دیر اس کے ساتھ بیٹھ کر ٹی وی دیکھا تھا اور اس کے ساتھ لڈو کھیلی تھی۔ بابا انکل فیروز کے ساتھ کسی دوست سے ملنے چلے گئے۔

ان سب کے سونے کا انتظام گیسٹ روم میں کیا گیا تھا جو فاصلہ وسیع تھا۔ اماں دیوار کی طرف منہ کیے لیٹی ہوئی تھیں۔ لیکن اسے لگا وہ جاگ رہی ہیں۔ شاہو کو سونے کا کہہ کر وہ اماں کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

''اماں! کیا طبیعت زیادہ خراب ہے؟''

''نہیں، بس سر میں درد ہے۔ ٹیبلٹ لے لی تھی۔ نیند آ جائے گی تو ٹھیک ہو جائے گا۔''

انہوں نے ذرا کی ذرا آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تھا۔ لال سرخ آنکھیں، ستا ہوا چہرہ نائٹ بلب کی روشنی میں بھی اس سے چھپا نہ رہ سکا تھا۔ ایک بار بابا نے کہا تھا کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی دوسرے کا غم جان کر اپنے دکھ تازہ ہو جاتے ہیں۔ کوئی مرتا ہے تو اپنوں کی موت کا دکھ ہمیں بھی رُلا دیتا ہے۔ خالہ بتولاں کی اماں جب فوت ہوئی تھیں تو اماں کتنے دن اداس رہی تھیں شاید ایاز کی دادی کا سن کر انہیں بھی اپنی دادی یاد آ گئی ہوں۔ اس نے سوچا تھا اور اماں کا سر دبانے لگی تھی۔

☆☆☆

''ضوئی!'' اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے ایاز نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔

''کچھ سکون ملا۔ درد کو آرام آیا۔''

اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں اور پھر اپنی پیشانی پر رکھے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔ یہ کیسی مسیحا صفت انگلیاں تھیں جو ہمیشہ اس کے درد چن لیا کرتی تھیں۔ ان کا لمس اس کے مردہ وجود میں زندگی دوڑا دیا کرتا تھا۔ اس کی بند آنکھوں میں آنسو مچل اٹھے تھے۔ یہ شخص، یہ اتنا زندہ دل شخص کتنا سنجیدہ ہو گیا تھا اس کی ہر دم چمکتی روشن روشن سحر طاری کرتی آنکھوں میں کیسی اداسی سی رقم ہو گئی تھی اور یہ وہ تھی۔ وہ ضوفشاں مدثر جس نے اس کی زندہ دلی، شوخی اور اس کی آنکھوں کی چمکتی روشنیاں چھین لی تھیں کیونکہ وہ اداس رہتی تھی۔ اس کے اندر زندگی جیسے مر گئی تھی پھر وہ کیسے خوش ہو پاتا۔ اس کی اداسی نے اسے بھی خوش نہیں ہونے دیا تھا۔

دو گرم آنسو اس کی آنکھوں کے کونوں سے نکل کر

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

رخساروں تک آئے تو ایاز نے بے قراری سے انہیں اپنی انگلیوں کی پوروں پر چنا۔

"مت روؤ ضوفی! مت کرو۔ ایسا میں نے کہا نا کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"اماں تو سب جانتی تھیں آپی! لیکن بابا..... وہ مجھے کبھی معاف نہیں کریں گے۔ کبھی نہیں..... وہ تو میری طرف دیکھیں گے بھی نہیں۔ بات بھی نہیں کریں گے۔"

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی اور اب زاروقطار رو رہی تھی۔

"نہیں، ایسا نہیں ہوگا ضوفی! بابا تم سے ضرور بات کریں گے۔ میں کہہ رہا ہوں نا، میرا یقین کرو سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اس نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"تم بابا سے اور اماں سے مل کر آؤ پھر ہم لاہور جائیں گے۔ ابھی چار دن ہیں نا ہمارے پاس۔ پرانے دوستوں سے ملیں گے اور بیتی یادوں کو دہرائیں گے تمہیں پتا ہے کہ آج کل آمنہ اور شرجیل بھی لاہور ہوتے ہیں۔ آمنہ اور شرجیل کی شادی ہو گئی تھی۔ پورے دو سال دونوں نے ہوا تک نہیں لگنے دی کہ وہ صرف کزن ہی نہیں بلکہ نکاح شدہ ہیں۔"

"آمنہ تو سدا کی کنجوس تھی اگر وہ بتا دیتی تو سب نے اس سے زبردستی ٹریٹ لینی تھی اور وہ بھی اپنی پسندیدہ جگہ پر اور اس نے تو بل پے کرنے سے پہلے ہی فوت ہو جانا تھا۔ سارا کی منگنی ہوئی تھی تو سب نے کیسے اس سے ولیج میں زبردستی ٹریٹ لی تھی۔"

ایک پرانی یاد نے لمحہ بھر کے لیے اس کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ بکھیر دی تھی۔ اس کی مسکراہٹ میں آج بھی وہی خوب صورتی، وہی حسن تھا جو ایاز احمد کو اسیر کرتا تھا۔

"تم نے تو کسی سے رابطہ ہی نہیں رکھا۔ ورنہ تمہیں سب کے متعلق علم ہوتا کہ سب کہاں کہاں ہیں سارا۔ مانو، عاشی، نور فاطمہ!"

اور ایاز احمد نے اس کی مسکراہٹ کو بجھتے دیکھا وہ بھلا کیسے رابطہ رکھتی۔ کسی کو کیا بتاتی کہ اس رات..... کتنے وعدے اور پیام کیے تھے سب نے قسمیں کھا کھا کر کہ وہ ہمیشہ ایک دوسرے سے رابطے میں رہیں گی اور ایک دوسرے کی شادیوں میں ضرور شریک ہوں گی۔ ان سب کو دارا کلاں دیکھنے کا کتنا شوق تھا اور اس نے کہا تھا کہ ان سب کو اس کی شادی میں دس دن پہلے سے آنا ہوگا اور وہ انہیں اپنے دارا کلاں کا چپہ چپہ دکھائے گی لیکن اس نے سب وعدے توڑ دیے تھے۔ ساری قسمیں بھلا دی تھیں۔

وہ تو کچھ بھی نہیں بھولی تھی۔ بس اس رات نے سارے وعدے توڑ دیے تھے۔

کاش وہ رات اس کی زندگی میں نہ آتی جس نے اس کی زندگی کے سارے رنگ چوس لیے تھے۔ بس ایک رنگ رہنے دیا تھا۔ ایاز احمد کی محبت کا رنگ۔

کاش وہ وقت کو پلٹنے پر قدرت رکھتی تو اس ظالم رات کو اپنی زندگی سے کھرچ کر پھینک دیتی جس نے اس سے اس کی اماں، بابا، شاہو اس کا دارا کلاں سب چھین لیا تھا۔

اس کی زندگی کے پندرہ برس کھا گئی تھی۔ ان پندرہ برسوں میں وہ ایک بار بھی کھل کر نہیں ہنسی تھی۔ کوئی بھی بات اسے پوری طرح خوش نہیں کرتی تھی نہ ایاز احمد کی بے پایاں محبت نہ بچوں کی قلقاریاں۔

کاش وہ وقت کا پہیہ پیچھے کی جانب موڑ سکتی۔

ایاز نے اس کی زرد ہوتی رنگت کو دیکھا تو اس کے ہاتھ تھام کر تسلی دی۔ اس نے اس کی تکلیف کو محسوس کر لیا تھا۔ وہ ہمیشہ بن کہے ہی اس کا درد جان لیتا تھا۔

"ضوفی میری جان! خود پر اتنا ظلم مت کرو۔ میں نے کہا ہے کہ نا سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تو ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں نے پہلے کبھی ایسا کہا ہے نہیں نا تو اب کہہ رہا ہوں تو کسی یقین کی بنا پر ہی کہہ رہا ہوں۔"

اس نے اس کے سر پر پیار کیا تو ضوفشاں نے اس کے سینے پر سر ٹکا دیا تو ایاز نے اس کے ریشمی

Waqar Azeem Pakistanipoint
www.pakistanipoint.com

بالوں میں چہرہ چھپاتے ہوئے سرگوشی کی۔

''ضوفی! میری جان! میری زندگی میں نے ایسا نہیں سوچا تھا ایسا کبھی بھی نہیں سوچا تھا کہ میں اس طرح یوں..... میں نے تو سوچا تھا کہ میں تمہیں خوب دھوم دھام سے بیاہ کر لے جاؤں گا۔ تمہارے دارا کلاں میں ایسی شان دار برات کبھی نہیں اتری ہوگی۔ ابرار نے میری شادی کے حوالے سے کیا پروگرام بنا رکھے تھے۔ وہ کہتا تھا۔ ''آجی بھائی جب آپ کی شادی ہوگی تو دولہا کے لیے میں آٹھ سفید گھوڑوں والی بگھی منگواؤں گا۔ سمندری کے لوگ سالوں اس شادی کو یاد رکھیں گے۔ لیکن وہ ایک رات سارے خواب چاٹ گئی ضوفی۔''

اس کی آواز کرب سے بوجھل ہو رہی تھی۔ اس کے خواب بھی تو بکھرے تھے۔ اس رات نے دونوں کو ہی گہرے زخم دیے تھے۔ اس نے بھی تو تین سال تک اپنوں کی جدائی کا دکھ سہا تھا۔

☆☆☆

اس رات سے پہلے ایسا کیا ہوا تھا جو وہ رات ان کے مقدر میں لکھ دی گئی تھی۔ کچھ بھی نہیں۔ کچھ بھی خاص نہیں۔

اماں اس روز فیروز انکل کے گھر سے جانے کے بعد پھر کبھی لاہور نہیں آئی تھیں۔ اور وہ خانو چاچا کے ساتھ ہی چھٹیوں میں گھر جاتی رہی۔ کبھی کبھار بابا ملنے آجاتے تھے جب ان کا دل گھبراتا تھا خود وہ ہر ماہ کے آخری ویک اینڈ پر گھر جاتی تھی۔ اور باقی کے دن پڑھائی۔ پڑھائی اور بس پڑھائی۔

ہاں، جب سے اسے ایاز احمد کی محبت کا ادراک ہوا تھا۔ ایک خوب صورت احساس چاہے جانے کا احساس اس کے وجود کا ہالہ لیے رکھتا اور آمنہ کہتی۔

''یار! تم خوب صورت تو ہمیشہ سے تھیں لیکن اب بہت خوب صورت ہوگئی ہو، شاید یہ ایاز احمد کی محبت کا اعجاز ہے۔''

اور وہ اپنے دل کی اتھل پتھل ہوتی دھڑکنوں کو سنبھالے آمنہ کو تکتی رہ جاتی۔ اس نے کب کسی کو اپنے دل کا رازداں بنایا تھا۔

''ایاز اچھا لڑکا ہے یار!''

آمنہ کی بات کی تان ہمیشہ یہاں پر ہی ٹوٹتی تھی۔ وہ اچھا تھا۔ تب ہی تو ضوفشاں مدثر کے دل کو بھا گیا تھا۔

اس نے نہ کبھی دوسرے لڑکوں کی طرح اسے باہر چلنے کی دعوت دی تھی اور نہ ہی یونیورسٹی کے کونوں کھدروں میں بیٹھ کر انہوں نے ہجر وصال کے قصے کہے تھے۔

''بس ایک مختصر سا اقرار اور پھر یہ کہ ''میں اپنے والدین کو تمہارے گھر بھیجوں گا۔'' اس کے اندر چراغاں کر گیا تھا اگر وہ ایسا نہ ہوتا تو کبھی وہ اسے اپنے دل کا مکین نہ بناتی۔ ان کے درمیان نہ کوئی عہد و پیمان ہوئے تھے نہ ملاقاتیں پھر بھی وہ جانتی تھی کہ وہ امتحان کے بعد اپنے والدین کو ضرور اس کے گھر بھیجے گا۔

اور وہ اس یقین کو پلو سے باندھ کر فائنل امتحان سے ایک ماہ پہلے تیاری کے لیے گھر آگئی تھی۔

ان دنوں اماں اس کا بہت خیال رکھ رہی تھیں۔ وہ پڑھ رہی ہوتی تو اس کے کمرے میں آجاتیں اور اسے تکتی رہتی تھیں اور جب وہ تھک کر کچھ دیر کے لیے پڑھائی چھوڑ دیتی تو وہ اس سے باتیں کرنے لگتی تھیں چھوٹی چھوٹی باتیں اس کے بچپن کی شاہو کی اپنی سہیلیوں کی جو دارکلاں میں نہیں رہتی تھیں بلکہ دوسرے شہروں میں جا بسی تھیں۔

اپنے آپ میں مگن، کھوئی کھوئی رہنے والی کم گو سی اماں اب کتنی باتیں کرنے لگی تھیں۔

اس کی پسند کے کھانے پکواتی تھیں۔ اس کی فرمائشیں پوری کر کے بابا کی طرح خوش ہوتی تھیں۔

اس روز انہوں نے زبردستی اس کے سر میں تیل لگایا تھا۔ وہ برآمدے میں تخت پر بیٹھی تھیں اور وہ نیچے پیڑھی پر۔

''پڑھ پڑھ کر دماغ خشک ہو جاتا ہے ضوئی!''

وہ اس کے سر میں نرم نرم انگلیوں سے مالش کر رہی تھیں اور اسے بہت سکون مل رہا تھا۔ دل چاہ

www.waqarazeem.com
www.pakistanipoint.com

رہا تھا کہ سو جائے لیکن ابھی اسے بہت سارا پڑھنا تھا۔ اتنے ٹاپک رہتے تھے، وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ کسی پیپر میں رہ جائے اور اسے دوبارہ اماں کی خواہش پوری کرنے کے لیے دارا کلاں چھوڑنا پڑے۔

''تمہیں ایاز احمد کیسا لگتا ہے ضوئی؟'' انہوں نے اچانک پوچھا تھا اور وہ چونک پڑی تھی۔

''اچھا ہے اماں!'' اس نے دل پر ہاتھ رکھا تھا اور چہرہ جھکا لیا تھا۔

کہ کہیں اماں اس کے چہرے پر بکھرتے رنگ نہ دیکھ لیں جو ایاز کے نام پر اس کے چہرے پر اتر آئے تھے لیکن اماں اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے سامنے دیکھ رہی تھیں جیسے اپنے آپ میں گم ہوں۔

''وہ اچھا نہیں، بہت اچھا ہے ضوئی اور وہ تم سے محبت کرتا ہے۔ میں نے اس کی آنکھوں میں تمہارے لیے محبت دیکھی تھی اس روز جب ہم شاہو کو مینار پاکستان دکھانے لے گئے تھے اور وہ مینار پاکستان کی سیڑھیوں پر بیٹھا تھا۔ تمہاری طرف اٹھنے والی اس کی نگاہوں میں محبت کا دریا موجزن دیکھا تھا میں نے اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تم بھی ایاز سے محبت کرتی ہو۔ ماؤں کے دل اتنے بے خبر نہیں ہوتے ضوئی! میں نے تو بہت پہلے ہی تمہارے آنکھوں میں اس کی چاہت کا رنگ دیکھ لیا تھا۔''

''اماں!'' وہ پریشان ہو گئی تھی۔ الجھ گئی تھی۔ یہ اماں کیسی باتیں کر رہی تھیں۔ وہ تو کبھی اماں سے اتنی بے تکلف نہیں تھی۔ اس نے تو بچپن سے لے کر اب تک اپنی ہر بات بابا سے ہی کی تھی اور اب بھی اس نے سوچ رکھا تھا کہ وہ بابا کو ہی ایاز کے والدین کے آنے کے متعلق بتائے گی۔

لیکن اماں سچ ہی کہتی ہیں، ماؤں کے دل اتنے بے خبر نہیں ہوتے۔ وہ جانے کیسے اپنی بیٹیوں کے دل کا حال جان لیتی ہیں۔

اس نے بالوں کو سمیٹ کر جوڑا بنایا اور پیڑھی سے اٹھ کر تخت پر اماں کے پاس ہی بیٹھ گئی لیکن وہ نظریں اٹھا کر اماں کی طرف دیکھ نہیں پا رہی تھی، جانے اماں اس کے متعلق کیا سوچ رہی ہوں گی۔

''ایاز مجھے بھی اچھا لگا ہے ضوئی اور پھر منور نے بھی اس کے خاندان کی اور اس کی بہت تعریفیں کی ہیں۔ میں نے اپنی ضوئی کے لیے ہمیشہ ایسا ہی سجیلا اور لائق، ادب کرنے والا لڑکا سوچا تھا۔ اسے کہو والدین کو تمہارے رشتے کے لیے بھیجے۔ پھر۔''

''اماں!'' اس نے ان کا ہاتھ تھاما تھا لیکن نگاہیں اب بھی جھکی ہوئی تھیں۔ ''وہ اپنے والدین کو بھیجے گا۔ اس نے کہا تھا ایگزیم کے بعد۔''

''یقیناً وہ اپنی محبت میں سچا اور مخلص ہے۔''

اماں نے اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھا تھا۔ ''میری شدید خواہش ہے کہ تمہاری شادی ایاز احمد سے ہو۔ لیکن تمہارے باپ کے اپنے اصول اور اپنی سوچ ہے اگر انہوں نے انکار کر دیا تو تم کیا کرو گی۔''

''میں نے کیا کرنا ہے اماں!'' وہ حیران ہوئی تھی۔

''بابا یقیناً میرے لیے بہتر ہی سوچیں گے۔ اولاد اتنی سمجھ دار کہاں ہوتی ہے کہ اپنے متعلق بہتر فیصلے کر سکے۔ وہ میرے بابا ہیں، میرے لیے برا تو نہیں چاہیں گے کبھی بھی۔''

''میں نہیں جانتی ضوئی! تم ایاز سے کتنی شدید محبت کرتی ہو اور تم کسی اور کے ساتھ خوش رہ سکو گی یا نہیں۔''

اماں تو آج جیسے اس کی سہیلی بنی ہوئی تھیں۔

''پتا نہیں اماں۔'' اس نے ایک گہری سانس لی تھی۔ میں تو صرف اتنا جانتی ہوں کہ آپ کا اور بابا کی محبتوں کا حق ہے مجھ پر..... ایاز سے میری جان پہچان یا تعلق دو سال پر محیط ہے جبکہ بابا سے میرا رشتہ میری پیدائش سے پہلے ہی جڑ گیا تھا۔ میں ایسی نہیں ہوں اماں کہ اپنی چوبیس سالہ محبتوں کو ایاز کی چند دن کی جان پہچان پر قربان کر دوں۔''

''تو تمہاری شادی اگر ایاز سے نہ ہو سکی تو تم

www.Azeem Iqbal.com
www.Pakistanipoint.com

خوش رہ لوگی کسی اور کے ساتھ؟" اماں بغور اسے دیکھ رہی تھیں۔

"خوش رہنا اتنا ضروری تو نہیں ہوتا اماں! زندگی تو گزر ہی جاتی ہے۔ آپ بھی تو بابا کے ساتھ خوش نہیں ہیں لیکن زندگی تو آپ نے بھی گزار دی ہے نا تو میں بھی....."

اس کے لبوں سے بے اختیار نکلا لیکن اس نے فوراً ہی بات ادھوری چھوڑ کر اماں کی طرف دیکھا تھا ان کی سنہری رنگت میں جیسے زعفران گھل گیا تھا۔

"سوری اماں۔" اس نے ان کے ہاتھ تھام کر معذرت کی۔ "میں نے جب سے ہوش سنبھالا اور احساسات و جذبوں کو محسوس کرنے لگی۔ تب سے مجھے لگتا ہے کہ آپ بابا کے ساتھ خوش نہیں ہیں۔ میرے اتنے اچھے بابا کو آپ پسند نہیں کرتیں۔ جیسے آپ ایک مجبوری کا رشتہ نبھا رہی ہیں۔ میری بھی آپ سے اتنی بے تکلفی نہیں تھی کہ میں پوچھتی کہ ایسا کیوں ہے ہاں بابا سے میں نے کئی بار پوچھا تھا لیکن انہوں نے ہمیشہ یہ کہہ کر ٹال دیا کہ تمہارا وہم ہے۔"

"ہاں وہم ہی ہے تمہارا!" انہوں نے اپنے ہاتھ اس سے چھڑا لیے۔ "اس وقت میں تمہاری بات کر رہی ہوں ضوئی۔ ماں ہوں تمہاری بھلے ہمارے درمیان ماں بیٹی والی بے تکلفی اب تک نہ رہی ہو لیکن میرے دل کا رشتہ اور خون کا رشتہ تو تم سے جڑا ہے اور میں تمہارے دل کی خواہش سے بے خبر نہیں۔ مجھے تمہاری فکر ہے ضوئی اور میں تمہارے لیے ڈرتی ہوں کہ تمہارے بابا ایاز کے والدین کو انکار کر دیں گے اور میں تمہارے دل کی خوشی چاہتی ہوں۔"

ان کا لہجہ سپاٹ تھا اور چہرہ بھی، وہ اب نیچے برآمدے کی ٹائلوں پر نظریں جمائے ہوئے تھیں۔

"خواہشیں والدین کے مان سے بڑھ کر نہیں ہوتیں اماں! میری کون سی ایاز سے لمبی چوڑی ملاقاتیں اور عہد و پیمان ہوئے ہیں ہاں اس کی رفاقت کی خواہش ضرور پیدا ہوئی ہے دل میں لیکن اس خواہش کا حصول اگر والدین کو ناراض کر کے ہو تو میں اس خواہش سے دست بردار ہوتی ہوں۔"

"ماں باپ سدا ناراض نہیں رہ سکتے ضوئی اور تمہارے بابا بھی تم سے ناراض نہیں رہیں گے ہمیشہ۔"

اماں پتا نہیں اسے کیا سمجھانا چاہتی تھی، وہ سمجھ نہیں سکی اور الجھ کر انہیں دیکھا۔

"لیکن میں اپنے بابا کو تھوڑا سا بھی ناراض کیوں کروں اماں میرے لیے اپنے بابا سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے۔" اس کا انداز حتمی تھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آپ مجھ سے اس طرح کی باتیں کیوں کر رہی ہیں۔ اگر آپ یہ جاننا چاہتی ہیں کہ میں ایاز کی محبت میں کس حد تک جا سکتی ہوں تو بے فکر رہیں میں کوئی ایسی حرکت نہیں کرنے والی جس سے آپ کو شرمندگی ہو اور بابا کا سر جھک جائے۔"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ اماں اس کی اور ایاز کی محبت کے متعلق جان کر خوف زدہ ہو گئی ہیں اور اس کے ارادے جاننا چاہتی ہیں لیکن دوسری ماؤں کے برعکس انہوں نے بالکل ہی مختلف انداز اپنایا تھا۔ اس لمحے اسے اماں پر بے حد پیار آیا اور اس نے جھک کر ان کی گردن میں بانہیں حمائل کرتے ہوئے ان کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

"مائی سویٹ مام..... آپ بالکل بھی پریشان نہ ہوں۔ میرے لیے ایاز کی محبت آپ سب کی محبتوں سے اہم نہیں۔"

اماں کو تو اس نے پریشان نہ ہونے کی تلقین کی تھی لیکن خود اس روز بلکہ اس سے اگلے روز بھی وہ بالکل نہیں پڑھ سکی تھی۔ کتنی ہی بار اس نے خود کو باور کرایا تھا کہ اگر بابا نے ایاز کے لیے انکار کر دیا تو کوئی اتنی بڑی قیامت نہیں آ جائے گی بس دل کی زمین پر پھوٹنے والی اوّلین محبت کا پھول مرجھا جائے گا۔ بس اور کیا۔ ہاں اور کیا۔

لیکن خود کو یقین دلانے کے باوجود بھی وہ کتنے ہی دن ڈسٹرب رہی تھی۔

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

گو تیسرے دن اس نے کتابیں کھول تھیں لیکن پڑھتے پڑھتے لفظ گڈمڈ ہو جاتے کتاب کے صفحوں پر سے جیسے ایاز احمد جھانکنے لگتا، اپنی چمکتی آنکھوں میں شوخی لے سوال کرتا۔

"میرے بغیر رہ سکو گی ضوفشاں مدثر۔"

اور وہ نظریں چرا کر کتاب کے صفحے پلٹتی چلی جاتی

"یہ محبت بڑی ظالم شے ہوتی ہے ضوئی!" ایک بار نور فاطمہ نے کہا تھا۔ "ایک بار اگر اسیر کر لے تو عمر بھر کے لیے قید کر لیتی ہے بندے کو۔"

لیکن وہ ضوفشاں مدثر تھی۔ اسے اپنی محبت سے بڑھ کر اپنے اونچے شملے والے بابا کی عزت عزیز تھی، سو دیکھا جائے گا، کہہ کر سر جھٹک کر وہ اپنی پڑھائی میں کھو گئی۔

اماں نے اس روز کے بعد سے ایاز احمد کے متعلق کوئی بات نہیں کی تھی لیکن اسے ان کی نظریں کھوجتی ہوئی سی محسوس ہوتیں اور وہ دل ہی دل میں ہنس دیتی۔ میری بھولی بھالی ماں جانے کن وسوسوں میں پڑی ہیں۔ اور پھر ایک ماہ بعد اماں، بابا اور شاہو کی بہت ساری دعائیں لے کر واپس لاہور آئی تھی۔

سب ہی پڑھ پڑھ کر پاگل ہو رہی تھیں۔ اس روز وہ اور آمنہ لان میں بیٹھی رٹے لگا رہی تھیں کہ مانو آ گئی۔ وہ ہر بار کی طرح سب سے رو رو کر التجا کرتی پھر رہی تھی۔

"میرے لیے دعا کرنا آمنہ! میں اگر فیل ہو گئی تو میری اماں نے دوبارہ نہیں بھیجنا۔"

"اور میرے لیے بھی آمنہ کہ میں اگر فیل ہو گئی تو میری اماں نے دوبارہ بھیج دینا ہے اور میں اب دارا کلاں سے جدا ہونا ہرگز افورڈ نہیں کر سکتی۔"

"لیکن ایاز احمد تو سمندری میں رہتا ہے۔"

آمنہ نے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی۔ مانو لان میں کچھ فاصلے پر موجود دوسرے گروپ میں چلی گئی تھی اور اس کے رخسار گلگوں ہو گئے تھے۔

"یہ سمندری کہاں ہے بھلا؟"

"پتا نہیں شاید ملتان سے آگے کہیں یا پھر فیصل آباد کی طرف۔ ٹھیک سے پتا نہیں لیکن لاہور سے چھ سات گھنٹے کا سفر ہے اور تمہارے دارا کلاں سے تو پھر دس گیارہ گھنٹے کا ہوگا۔"

اور وہ پریشان سی ہو کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

"میکے کے آنگن سے جدائی تو ازل سے لڑکی کے مقدر میں لکھ دی جاتی ہے ضوئی!" آمنہ بھی لحہ بھر کو اداس ہوئی تھی۔

"لیکن تم کیوں پریشان ہوتی ہو، تم اپنے محل کا ایک پورشن اسے دے دینا۔ وہ ادھر ہی رہ لے گا۔ بلکہ محل کا پورشن کیوں تمہارے دارا خورد کی چھوٹی حویلی تو تمہارے بابا نے تمہارے نام کی ہوئی ہے نا۔ بس مزے سے تم دونوں وہاں رہنا۔"

"لیکن بھلا ایاز اپنے ماں باپ کا گھر، اپنا سمندری کیوں چھوڑے گا؟" وہ ابھی بھی پریشان سی تھی۔

"محبت میں انسان کیا کچھ نہیں کرتا ضوئی! کبھی یہ محبت رانجھے سے ہیر کی بھینسیں چروا تی ہے کبھی فرہاد کو دودھ کی نہر کھودنے پر مجبور کرتی ہے کبھی۔" وہ ہنسی تھی۔

"لیکن ہم کوئی ایسی محبت کرتے ہیں۔" اس نے اس کی بات کاٹی تھی۔

"محبت تو بس محبت ہوتی ہے یہ ایسی یا ویسی نہیں ہوتی۔ کبھی غم خوار، کبھی دلدار کبھی تو بہت خوار کرتی ہے۔" آنکھوں میں شرارت لیے آمنہ نے اسے دیکھا تھا۔

"تجربہ ہے۔" وہ مشکوک ہوئی تھی۔

"اوہ، ہوں..... سنی سنائی بتا رہی ہوں۔"

اور وہ دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑی تھیں۔

☆☆☆

دارا کلاں سے آنے کے چھ روز بعد اس کے پیپرز شروع ہوئے تھے اور اس روز جب وہ پیپر دے کر باہر آئی تھی اور آمنہ کا انتظار کر رہی تھی تو ایاز احمد نے اس کے پاس آ کر پوچھا تھا۔

"کیسی ہیں ضوفشاں اور پیپر کیسا ہوا؟"

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

ہمیشہ کی طرح اس کی روشن آنکھوں میں اس کے لیے محبت کے جگنو تھے اور وہ وارفتی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اور اگر بابا نے انکار کر دیا تو اس اتنے پیارے شخص کے بغیر خالی دل کے ساتھ جینا کتنا مشکل ہوگا۔'' اس نے نگاہیں جھکالی تھیں۔

''میں نے گھر میں تمہارا ذکر کر دیا ہے ضوفشاں اور ان شاء اللہ بہت جلد بابا اور اماں جان دارا کلاں آئیں گے۔''

اس نے کوئی لمبی چوڑی بات نہیں کی تھی لیکن پھر بھی دل میں امید کے ہزاروں چراغ جل اٹھے تھے اور خود بخود ایک یقین سا اس کے اندر اتر آیا تھا۔ بھلا بابا کیوں انکار کریں گے۔ اتنا شان دار خاندانی بیک گراؤنڈ، ایاز احمد جیسا لڑکا۔ بھلا بابا کو اپنی پیاری ضوئی کے لیے مل سکتا تھا۔ اماں تو یوں ہی وہم کرتی ہیں۔

وہ اپنی بات کر کے رکا نہیں تھا کہ لڑکے لڑکیاں ہال سے پیپر کر کے نکل رہے تھے۔ اس کے دل میں اس کی قدر بڑھ گئی تھی کہ اسے چھوٹی چھوٹی نزاکتوں کا خیال رہتا تھا ورنہ کیا اس کا دل نہیں چاہتا ہوگا کہ ایک ماہ دس دن بعد ہونے والی اس ملاقات میں وہ کچھ دیر اور ایک دوسرے سے بات کر لیتے۔ لیکن وہ ایاز احمد تھا۔ وہ ضوفشاں مدثر سے محبت ہی نہیں کرتا تھا۔ اسے اس کی عزت بھی عزیز تھی۔

وہ لبوں پر مسکراہٹ لیے آمنہ کی طرف بڑھ گئی تھی جو دور سے ہی وکٹری کا نشان بناتے ہوئے آ رہی تھی۔

اس روز اس کا چوتھا پیپر تھا۔ سارا، نور فاطمہ کے ساتھ اردو بازار سے کوئی ضروری کتاب لینے گئی ہوئی تھی جو سارا کہیں گم کر بیٹھی تھی۔ وہ اور آمنہ اپنے کمرے میں پڑھ رہی تھیں کہ آمنہ نے اس سے پوچھا تھا کہ اس کی ایاز سے آج ملاقات ہوئی تھی یا نہیں۔''

''نہیں تو..... بس پہلے پیپر والے دن ملا تھا۔

''آج جب میں پیپر دے کر نکلی تو میں نے اسے باہر جاتے دیکھا تھا۔ بہت پریشان سا لگ رہا تھا۔ اب پرسوں پیپر دینے جائیں گے تو پوچھیں گے۔''

اس نے سر ہلایا تھا تب ہی سارا اور نور فاطمہ شور مچاتی ہوئی کمرے میں آئی تھیں۔

''نکالو بھئی، وہ بادام پستوں اور انڈے والی پنجیریاں جو آج تمہاری اماں تمہیں دے گئی ہیں۔ دماغ کی تقویت کے لیے۔ ہمارے دماغ بھی پڑھ پڑھ کر پولے ہو رہے ہیں۔''

''نہیں۔ اماں تو نہیں آئیں۔'' وہ حیران ہوئی تھی۔

''کمال ہے ہم نے ادھر تمہاری گاڑی دیکھی تھی۔ سارا نے بتایا تھا۔

''منشی چاچا ہوں گے۔ وہ بابا کے عدالتی کاموں سے آتے رہتے ہیں اور کبھی منڈی میں بھی جانا ہوتا ہے انہیں ویسے۔'' وہ مسکرائی تھی۔

''اماں نے اسپیشل دو طرح کی پنجیریاں بنا کر دی تھیں آتے ہوئے۔ میں تو کھاتی نہیں سارا اور آمنہ کے لیے چھوڑ کر باقی تم لے جاؤ۔''

''نور فاطمہ نے ''ہرّا'' خوش ہو کر نعرہ لگایا تھا۔ ''تمہیں تو اللہ تعالیٰ نے ویسے ہی اسپیشل دماغ دے کر بھیجا ہے۔ بھلا تمہیں کیا ضرورت ہے یہ مقوی دماغ چیزیں کھانے کی۔''

وہ مسکرا دی تھی لیکن اس کا دھیان ایاز کی طرف لگا تھا۔ کیا پریشانی ہو سکتی ہے اسے، کم از کم اس جیسے ٹاپر لڑکے کو پیپرز کی تو پریشانی نہیں ہو سکتی پھر شاید گھر میں کوئی مسئلہ ہو۔

اس نے سوچا تھا لیکن آخری پیپر تک اس کی ملاقات ایاز احمد سے نہیں ہو سکی تھی۔ حالانکہ ایک دو روز وہ اور آمنہ پیپر کے بعد کچھ دیر رکی بھی تھیں۔ اور پھر پیپرز سے فارغ ہو کر وہ گھر آئی تو اسے لگا تھا جیسے وہ کسی لمبی قید سے آزاد ہوئی ہو۔ اس نے شاہو کو بازوؤں سے پکڑ کر گھما ڈالا تھا۔ اور خود اس کا جی چاہتا تھا دونوں ہاتھ فضا میں بلند کیے گول گول گھومتی رہے۔

www.paksociety.com
www.pakistanipoint.com

اس وقت ضوفشاں مدثر کے لیے زندگی بہت خوب صورت تھی۔

''بہت خوش ہو ضوئی!'' بابا کا چہرہ بھی خوشی سے کھلا ہوا تھا، وہ شاہو کو چھوڑ کر بابا کے بازوؤں میں سما گئی تھی۔

''ہاں بہت خوش بابا۔ آپ کو کیا پتا۔ اتنی اچھی دوستوں کے باوجود میں نے یہ وقت کتنی مشکل سے گزارا ہے۔''

''جانتا ہوں میری جان! کہ میں نے بھی یہ سارا وقت بہت مشکل سے گزارا ہے۔''

پھر انہوں نے شرارت سے اندر لاؤنج میں آتی اماں کو دیکھا تھا۔

''اب دعا کرو ضوئی! تمہاری اماں نے ایم فل اور پی ایچ ڈی کا خواب نہ دیکھ رکھا ہو۔''

''نہیں۔ میں نے چوبیس سال تک جس خواب کی آبیاری کی وہ اب پورا ہوا چاہتا ہے۔''

ان کے لبوں پر ایک معنی خیز سی مسکراہٹ نمودار ہو کر معدوم ہو گئی تھی۔ وہ بابا کو چھوڑ کر اماں سے لپٹ گئی تھی۔

''اماں کہتی ہیں، لڑکیاں شادی کے بعد دوسرے گھر چلی جاتی ہیں اور اپنے پیچھے لامتناہی ہجر چھوڑ جاتی ہیں۔ لمبی جدائیاں بعض اوقات صدیوں پر محیط ہو جاتی ہیں۔''

شاہو نے نہ جانے کب کی کہی اماں کی بات لفظ بہ لفظ یاد رکھی ہوئی تھی۔

''اور بابا! آپ سن لیں۔'' اس نے انگلی اٹھائی جیسے تنبیہ کر رہا ہو۔

''آپ دو سال آپو کی شادی نہیں کریں گے۔ کیڈٹ کالج جانے سے پہلے کے یہ دو سال میں آپو کے ساتھ بہت انجوائے کرنا چاہتا ہوں۔''

دو سال بعد اسے کلاس سیونتھ میں داخلے کے لیے کیڈٹ کالج حسن ابدال جانا تھا اور یہ صرف بابا کا ہی نہیں اس کا بھی خواب تھا۔ مانو کا چھوٹا بھائی ایک سال قبل کیڈٹ کالج میں گیا تھا اور شاہو کی اس کے ساتھ بہت دوستی تھی۔

''چلو ٹھیک ہے، ہم دو سال تمہاری آپو کی شادی نہیں کریں گے۔''

بابا کھل کر ہنسے تھے اور اماں کی طرف دیکھا تھا جو جانے کہاں کھوئی ہوئی تھیں۔ بابا کی ہنسی تھم گئی تھی۔

اور اس سے اسے شاہو پر ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔

ان دنوں زندگی کتنی خوب صورت تھی۔ شاہو کے اسکول جانے کے بعد وہ ماسی بتولاں کے ساتھ کچن میں لگی رہتی تھی۔ دوپہر کا کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کرنے کے بعد شاہو کے ٹیوٹر آجاتے جو اسے کیڈٹ کالج کے لیے بھی — تیاری کروا رہے تھے۔

وہ مانو کی طرف چلی جاتی۔ وہ شہزادی، مانو نسیم سب فرینڈز کسی ایک کے گھر میں اکٹھی ہو کر خوب انجوائے کرتی تھیں۔

اماں جو دو ماہ پہلے اسے اپنی گوڑی (گہری) سہیلی لگنے لگی تھیں پھر اجنبی اجنبی لگنے لگی تھیں۔ بس خاموشی سے اسے تکتی رہتیں کبھی کبھی اسے ان کی آنکھیں نم نم سی لگتیں۔

''کیا دیکھتی ہیں اماں؟'' اس روز وہ برآمدے میں اماں کے پاس ہی تخت پر بیٹھی شاہو کی کاپیوں پر کور چڑھا رہی تھی اور بتولاں نیچے برآمدے کے فرش پر بیٹھی پالک کاٹ رہی تھی۔

''تمہیں دیکھتی ہوں ضوئی!'' انہوں نے ایک گہری سانس لی تھی۔ ''کیا خبر کب یہ آنکھیں تمہیں دیکھنے کو ترس جائیں۔''

''کیوں اماں..... کیوں ترس جائیں گی؟'' اس نے ہاتھ میں پکڑی کاپی نیچے رکھ دی تھی۔

''تمہاری شادی بھی تو کرنی ہے ایک دن۔ پھر جانے کتنی دور چلی جاؤ گی۔''

''میں جہاں کہیں بھی ہوئی اماں! آپ سے دارا کلاں سے کبھی بھی دور نہیں ہوں گی۔ بلکہ میں تو یہاں ہی رہ جاؤں گی۔ بابا سے کہوں گی، مجھے بھی یہاں ہی کہیں تھوڑی سی جگہ دے دیں۔'' اس نے اماں کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ ''کیوں اماں

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

تھوڑی سی جگہ مل جائے گی نا۔"

"اور وہ جس سے تیری شادی ہوگی وہ تو آ ہی جائے گا نا اپنا گھر بار چھوڑ کر یہاں۔" ماسی بتولاں ہنسی تھی۔

"میں کہوں گی نا تو ضرور آ جائے گا۔"

اس نے اماں کے گلے سے بازو نکالا، تب ہی شاہو کمرے سے باہر آیا، آج اسے چھٹی تھی۔

"پتا ہے آپو! اماں آپ سے چوری چوری آپ کی شادی کی تیاریاں کر رہی ہیں۔"

باہر آتے ہوئے اس نے شاید ماسی بتولاں کی بات سنی تھی۔

"اتنے پیارے پیارے کپڑے اور زیور۔" پھر وہ اماں سے مخاطب ہوا۔

"کہیں آپ آپو کی شادی جلدی تو نہیں کرنے والی، بابا نے دو سال کا وعدہ کیا ہے مجھ سے، یاد ہے نا۔"

"ارے بیٹا! مائیں تو بیٹی کے پیدا ہوتے ہی اس کا جہیز اکٹھا کرنا شروع کر دیتی ہیں۔"

ماسی بتولاں پالک کی پرات اٹھا کر کھڑی ہو گئیں اور اس کی پلکیں حیا کے بوجھ سے جھک گئیں۔

"اماں! میں بشر اور ظہیر کے ساتھ کھیلنے جا رہا ہوں۔" شاہو اماں سے اجازت لے کر چلا گیا تو برآمدے میں وہ اور اماں تنہا رہ گئیں۔

ان دنوں نشیبی زمین پر دارا خورد کی طرف چاول کی بوائی ہو رہی تھی تو بابا ناشتے کے بعد ہی چلے جاتے تھے۔ بابا کہتے تھے، یہ بہت مشکل کام ہوتا ہے اور اگر مالک موجود ہوں تو حوصلہ بڑھتا ہے کام کرنے والوں کا۔ وہ عموماً عصر تک واپس آ جاتے تھے۔

"میں نے تمہارے بابا سے بات کی تھی ایاز کے متعلق لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ وہ کسی صورت تمہاری شادی ایاز سے کرنے کے لیے راضی نہیں ہوئے ضوئی!"

اور اس کے اندر جیسے کچھ ٹوٹا تھا۔ اس نے سر جھکا لیا تھا۔

"میں نے بہت کوشش کی کہ وہ مان جائیں لیکن....." انہوں نے بات ادھوری چھوڑ کر اس کے جھکے ہوئے سر کی طرف دیکھا۔ ضبط کی کوشش میں اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ "ادھر ایاز کے والدین بھی نہیں مان رہے۔"

"آپ کو کیسے پتا؟"

بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا تھا۔

"میں نے منور سے نمبر لے کر ایاز کو فون کیا تھا کہ ضوئی کے بابا نہیں مان رہے تو فی الحال وہ اپنے والدین کو لے کر نہ آئے تو اس نے بتایا تھا کہ ابھی وہ بھی اپنے بابا اور اماں کو منانے کی کوشش کر رہا ہے۔"

اماں کی نظریں اس کے چہرے پر تھیں۔ ضبط گریہ کی کوشش میں وہ ہلکان ہوئی جاتی تھی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے وہ ضبط کھو بیٹھے گی۔

ابھی چند لمحے پہلے وہ کتنی خوش تھی اور اب..... بچھڑ جانے کا کرب وہ برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔ اس نے ایسا سوچا ہی کب تھا کہ بابا ایاز کے لیے منع کر دیں گے۔ لیکن خیر برداشت کر لے گی۔ کچھ وقت تو لگے گا نا اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں۔

وہ ایک دم اٹھی تھی اور تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ درد کی نادیدہ لہریں اس کے دل کی شریانوں میں ٹیس بن کر پھیل رہی تھیں۔ صرف چند ملاقاتیں، ایک مختصر سا اظہار پھر بھی دل جیسے کٹ کٹ کر گرتا تھا۔

"یا اللہ مجھے اس دکھ کو برداشت کرنے کا حوصلہ دے۔"

وہ بیڈ پر لیٹی خود کو سمجھاتی رہی، حوصلہ دیتی رہی تھی کہ یہ ہجر شاید ازل سے ہی اس کا مقدر تھا۔ اس نے تو اماں سے کہا تھا کہ جہاں بھی بابا کی مرضی ہو پھر۔ پھر کیوں۔

شام تک اس نے خود کو سمجھا لیا تھا تسلیم کر لیا تھا کہ وہ دونوں ایک منزل کے راہی نہیں تھے۔ دن کو سر درد کا بہانہ کر کے وہ کھانے کے لیے نہیں گئی لیکن شام کو بابا آئے تو خود ہی اس کے کمرے میں چلے آئے۔ وہ

www.pakistanipoint.com

پردے گرائے آنکھیں موندے لیٹی تھی۔
''کیا ہوا میری ضوئی کو؟'' انہوں نے اندر جھانکتے ہوئے پوچھا۔
''کچھ نہیں بابا! بس سر میں ذرا درد تھا۔'' اس نے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا۔
''میں سر دباتا ہوں، منٹوں میں درد غائب ہو جائے گا۔'' وہ اس کے بیڈ کے قریب آئے۔
''نہیں بابا! میں نے سر درد کی گولی لے لی تھی اب تو بہت بہتر ہے۔'' وہ اٹھنے لگی تو انہوں نے منع کر دیا۔
''نہ نہ۔ لیٹی رہو۔''
انہوں نے جھک کر اس کی پیشانی چومی، اور باہر چلے گئے۔ وہ یک دم اٹھ کر بیٹھ گئی۔ شفقت و محبت بھرے اس لمس نے اس کے جلتے وجود میں ٹھنڈک سی اتار دی تھی۔ یہ شفقت و محبت انمول تھی۔ اس کا کوئی مول نہیں تھا اور وہ چند روزہ بے نام محبت کو رو رہی تھی۔
اس نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا اور فریش ہو کر لاؤنج میں آ گئی۔ شاہو اپنا پسندیدہ کارٹون پروگرام دیکھ رہا تھا، وہ بھی دیکھنے لگی۔ کسی طور تو دل بہلانا تھا۔ محبت کے زخم اتنی جلدی کہاں بھرتے ہیں لیکن وقت..... وقت انہیں ضرور مندمل کر دے گا، اسے یقین تھا۔
ٹی وی دیکھتے شاہو سے گپ شپ لگاتے ہوئے بہت سارا وقت گزر گیا تھا۔
مغرب کی نماز کے بعد ماسی بتولاں نے باہر احاطے میں تندور جلا لیا تھا۔ اور سارے میں روٹیاں پکنے کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی، ان کے ہاں بلکہ سب گاؤں والے ہی مغرب کے بعد رات کا کھانا کھا لیتے تھے۔ بتولاں روٹیاں پکا کر لائی تو اس نے بتولاں کی مدد سے کھانا لگا دیا۔ کھانے کی میز پر وہ نارمل انداز میں شاہو اور بابا سے باتیں کرتی رہی۔
اماں نے کھانا کھاتے ہوئے کئی بار سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا، ان کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

رات سب کاموں سے فارغ ہو کر وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھے لیٹی ہوئی تھی کہ اماں کمرے میں آئیں۔
''ضوئی!'' اماں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ''میں کوشش کروں گی، میں ایک بار پھر تمہارے بابا سے بات کروں گی۔''
اور اماں کی بات پر اس کا دل بھر آیا۔ لیکن اس نے آنسوؤں کو بہہ جانے سے روکا۔
''نہیں اماں! بابا نے جب کہہ دیا ہے تو ٹھیک ہے جیسے ان کی مرضی۔''
''اور تم..... تمہاری کوئی مرضی نہیں ہے؟'' وہ پتا نہیں کیوں تلخ ہوئی تھیں۔ اس نے حیرت سے انہیں دیکھا۔
''نہیں۔ میری مرضی بابا کی مرضی سے اہم نہیں ہے۔ مجھے بابا کا ہر فیصلہ منظور ہے۔''
بابا کا بوسہ جیسے اب بھی اس کی پیشانی پر دمکتا تھا اور دل و جان کو ٹھنڈک پہنچاتا تھا۔
اماں کچھ دیر کھڑی اسے دیکھتی رہیں اور پھر اسے دودھ پینے کی تاکید کرتے ہوئے چلی گئیں جو کچھ دیر پہلے ہی بتولاں رکھ گئی تھی۔
رات وہ ٹھیک سے سو نہیں سکتی تھی۔ اس کا نوخیز دل یہ دکھ برداشت نہیں کر پا رہا تھا لیکن اسے برداشت کرنا تھا، تکیہ اس کے خاموش آنسوؤں بھیگتا رہا لیکن دل تھا کہ سنبھلنے میں ہی نہیں آ رہا تھا۔ پھر بھی۔
اگلے دن تک اس نے خود کو کسی حد تک سنبھال لیا تھا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ آمنہ کو فون کرے لیکن اس کا سیل فون دو تین دن پہلے کہیں گم ہو گیا تھا۔ اسے یاد نہیں تھا کہ مانو کے گھر سے آتے ہوئے کہیں راستے میں گر گیا تھا یا گھر میں ہی کہیں ادھر ادھر ہو گیا تھا۔ کہ تلاش بسیار کے باوجود بھی نہیں ملا تھا، کتنی ہی بار اس نے اپنے نمبر پر کال کی تھی لیکن پاور آف تھا۔
آمنہ اس کے دل کی راز داں تھی، وہ اسے بتانا چاہتی تھی وہ اچھا لڑکا اس کا نصیب نہیں بن سکا لیکن

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

اسے اس کا نمبر زبانی یاد نہیں تھا۔ سب کے نمبر اس نے اپنے سیل فون میں ہی محفوظ کر رکھے تھے۔

مانو..... ضرور مانو کے پاس سب کے نمبر ہوں گے۔ وہ نمبر لے کر لینڈ لائن سے بات کر لے گی۔

اسے کسی دوست کسی ہمدرد کی ضرورت تھی۔ اماں لاکھ اس کی سہیلی بنی ہوئی تھیں پر تھیں تو اس کی ماں، وہ ان کے کندھے پر سر رکھ کر اپنی محبت کے بچھڑ جانے کا غم نہیں منا سکتی تھی۔

وہ مانو کے گھر جانے کے لیے اپنے کمرے سے نکلی تھی۔ اماں اپنے کمرے میں تھیں، اس نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔ وہ سامنے ہی بیڈ پر بیٹھی تھیں۔

''اماں! میں مانو کی طرف جا رہی ہوں۔''

''پہلے ادھر آؤ ضوئی! میری بات سن لو۔'' اسے لگا جیسے وہ کچھ پریشان سی ہیں۔

''جی اماں!'' وہ اندر آئی۔

''بیٹھو ضوئی۔''

''خیر ہے نا اماں؟''

وہ پریشان سی ان کے سامنے موجود بیڈ روم چیئر پر بیٹھ گئی۔ وہ کچھ دیر خاموش رہی جیسے کچھ کہنے کے لیے الفاظ ترتیب دے رہی ہوں۔

''ضوئی! اس روز جب میری ایاز سے بات ہوئی تھی تو اس نے کہا تھا کہ اگر ضوفشاں نہ ملی تو میں زندہ نہ رہ پاؤں گا۔'' انہوں نے اس کی طرف دیکھا۔

''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ سچ مچ.....''

''کیا اماں..... کیا سچ مچ؟'' اسے اپنا دل ڈوبتا ہوا سا محسوس ہوا تھا۔

''منور کا فون آیا تھا، اس نے کل رات خودکشی کی کوشش کی۔ لیکن بروقت ہاسپٹل لے جانے سے زندگی بچ گئی ہے۔ ابھی ہاسپٹل میں ہی ہے۔''

اس کا سانس جیسے سینے کے اندر گھٹنے لگا تھا۔ نہیں بھلا ایسے بھی کوئی کرتا ہے۔ اتنی شدتیں۔ اماں پتا نہیں کیا کہہ رہی تھیں۔ وہ ہاتھ گود میں رکھے ساکت بیٹھی رہی تھی۔ اسے اپنے سانس رک رک کر آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ اماں نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا جیسے اسے تسلی دینا چاہتی ہوں۔

''نہیں۔'' اس نے بے یقینی سے ان کی طرف دیکھا۔ وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ وہ جس نے یونیورسٹی کے دو سالوں میں اسے کبھی نظر بھر کر نہ دیکھا ہو۔ کبھی اس سے کوئی اظہار نہ کیا ہو جسے اس کی عزت اور وقار اتنا عزیز ہو۔ اماں کی موجودگی میں ہونے والی چند اتفاقیہ ملاقاتیں جن میں وہ ہمیشہ نظریں جھکائے رکھتا تھا اسے خود پر اختیار تھا۔ وہ بہت مضبوط کردار کا تھا، وہ بھلا اتنا کمزور کیسے ہو سکتا ہے۔

''نہیں۔'' اس کے لبوں سے پھر نکلا تھا۔

''دعا..... دعا کرو ضوئی! وہ بالکل ٹھیک ہو جائے۔''

''دعا..... ہاں دعا۔'' اس کے لبوں نے حرکت کی تھی لیکن الفاظ باہر نہیں نکلے تھے۔

وہ بنا کچھ کہے اپنے کمرے میں آ گئی اور پھر اس نے تقریباً پوری رات ہی رو رو کر دعائیں مانگی تھیں۔ کبھی سجدے میں گر کر، کبھی یوں ہی..... اماں نے اسے کھانے کے لیے نہیں بلوایا تھا۔

بابا یوں بھی شہر گئے ہوئے تھے کسی کام سے اور انہوں نے رات وہاں ہی ٹھہرنا تھا۔ شاہو کو انہوں نے کیسے روکا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی۔ رات کو اماں خود ہی اس کے کمرے میں دودھ کا گلاس دے گئی تھیں۔ اس نے نظریں اٹھا کر انہیں نہیں دیکھا تھا۔

وہ ان کے سامنے کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔ وہ جانے کب بیڈ پر لیٹی تھی، کب سوئی تھی لیکن صبح اس کی آنکھ دیر سے کھلی تھی۔ جاگنے کے بعد بہت دیر تک وہ بیڈ پر ہی بیٹھی رہی۔

''ہو سکتا ہے اماں کو غلط فہمی ہوئی ہو۔ منور نے کسی اور کے متعلق بتایا ہو۔'' اس کا دل یقین نہیں کرنا چاہتا تھا۔ پھر بھی اس نے سوچا وہ اس سے بات کرے گی۔ اسے سمجھائے گی۔ یہ کیسی بچوں جیسی حرکت کی ہے اس نے، بھلا یوں بھی کوئی کرتا ہے۔ محبت میں ملنا ضروری تو نہیں ہوتا۔ اب اگر ملنا نصیب میں نہیں تو ہاں وہ اسے سمجھائے گی۔

وہ منہ ہاتھ دھو کر باہر آئی۔ اماں تخت پر بیٹھی

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

اون کے الجھے ہوئے گولے سلجھا رہی تھیں۔ دھوپ سامنے صحن کی دیواروں پر بکھری ہوئی تھی۔ اس نے مڑ کر برآمدے میں لگے کلاک کو دیکھا۔

ساڑھے دس بج رہے تھے۔ وہ اماں کے پاس ہی تخت پر بیٹھ گئی تھی۔ اماں نے ایک نظر اسے دیکھا۔

''بتولاں سے کہوں، تمہارے لیے ناشتہ بنا دے۔''

''میں صرف چائے پیوں گی۔''

انہوں نے سر ہلا کر بتولاں کو چائے بنانے کے لیے کہا جو سامنے ہی بڑے سے کچن میں کھڑی تھی۔

وہ کچھ دیر اماں کو الجھی ہوئی اون سلجھاتے دیکھتی رہی۔

''بابا نہیں آئے۔''

''نہیں دوپہر تک آنے کا کہا تھا۔'' انہوں نے نیلی اون کو سفید سے الگ کیا۔ ''پتا نہیں کیسے الجھ گئے۔ اچھا خاصا شاہو کے لیے سوئٹر بنا رہی تھی۔''

زندگی کے دھاگے بھی تو ایسے ہی خود بخود نہ جانے کیسے الجھ جاتے ہیں اور پھر سلجھتے ہی نہیں۔ کیسی سیدھی سادی زندگی تھی۔ پرسکون اور مطمئن۔ نہ وہ یونیورسٹی جاتی نہ ایاز سے ملتی اور نہ ہی.....

''اماں۔'' اس نے ایک دم ان کی طرف دیکھا۔ ''مجھے ایاز سے بات کرنی ہے ایک بار، آپ منور سے اس کا نمبر لے دیں۔ بلکہ آپ کے پاس ہوگا ایاز کا نمبر آپ کی بات ہوتی تھی نا۔''

''کیا بات کرو گی اس سے؟''

''مجھے اس سے اس بے وقوفی کی امید نہیں تھی۔ سمجھاؤں گی اسے۔''

''ہاں ہوگا۔ کہیں لکھا تو تھا میں نے..... ویسے صبح منور کا فون آیا تھا کہ وہ ٹھیک ہے اور اس کے بابا اسے گھر لے گئے ہیں۔''

''شکر ہے اللہ کا۔'' اس نے ایک اطمینان بھری سانس لی۔

''پھر بھی اماں! ایک بار میں اس سے بات کرنا چاہتی ہوں..... تاکہ آئندہ وہ.....''

پھر اماں نے اسے نمبر لا کر دیا تھا۔ اس نے کتنی ہی بار کوشش کی تھی لیکن فون بند تھا۔

''شاید اس کے گاؤں میں سگنل نہ جاتے ہوں۔ اور لینڈ لائن کا نمبر تو میرے پاس نہیں ہے، منور کا فون آیا تو اس سے کہوں گی۔''

اس روز اس نے کتنی ہی بار کوشش کی تھی۔ لیکن فون نہیں ہو سکا تھا تاہم اس کا دل مطمئن تھا کہ وہ ٹھیک ہے۔

اگلے دن ان کا فون ڈیڈ تھا۔ اماں کے پاس سیل فون نہیں تھا اور بابا سے وہ لینا نہیں چاہتی تھی۔

اور یہ تیسرے دن کی بات تھی۔ صبح ناشتے کی میز پر اماں نے بابا سے کہا کہ ''وہ آج شہر جائیں گی ضوئی شاہو کے ساتھ انہیں کچھ شاپنگ کرنی ہے اور سنار کے پاس بھی جانا ہے۔ ایک دو چیزیں ٹھیک کروانی ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔ میں خانو سے کہہ دوں گا۔''

بابا نے کبھی انہیں کسی کام سے منع نہیں کیا تھا۔

''پیسوں کی ضرورت ہو تو لے لینا۔ مجھے آج ذرا چوہدری ممتاز کی طرف جانا ہے وہی جلیل اور ممتاز کے جھگڑے کے سلسلے میں صلح صفائی کروانی ہے۔'' وہ اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

''میرا جانا ضروری ہے کیا۔ آپ شاہو کو لے جاتیں۔''

''آپ کی شادی کی شاپنگ کرنی ہوگی اماں نے تو آپ کا ساتھ جانا تو ضروری ہوا نا۔ جہیز جو اکٹھا کرنا ہے۔''

شاہو نے شرارت سے اسے دیکھا تھا لیکن وہ مسکرائی تک نہیں۔ وہ اماں کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''ضوئی! چلو اٹھو، تیار ہو جاؤ۔ پہلے ہم آپا زہراں کی طرف جائیں گے۔ پچھلے دنوں ان کی طبیعت خراب تھی۔''

وہ بے دلی سے تیار ہوئی تھی۔ اس کا کہیں بھی جانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ اماں نے اس کی بات کا

www.pakistanipoint.com
Waqar Azeem

جواب نہیں دیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ ہر صورت اسے ساتھ لے کر جائیں گی۔ شاہو بہت خوش تھا۔ آپا زہراں کے بیٹوں سعدی اور ٹیپو سے اس کی بہت بنتی تھی۔

"مجھے تو آپ آپا زہراں کے گھر ہی چھوڑ دیجیے گا۔ میں سعدی اور ٹیپو سے کھیلوں گا..... ویسے بھی خواتین کی شاپنگ میں میرا کیا کام۔"

شاہو کی بات پر بے اختیار مسکراہٹ اس کے لبوں پر آئی تھی۔

پھر شاہو کو آپا زہراں کے گھر چھوڑ کر وہ پیدل ہی مارکیٹ میں آئی تھیں۔ چھوٹا شہر تھا۔ مارکیٹیں بڑی نہ تھیں۔ گلیاں تنگ تھیں اور گاڑی بہت پیچھے روڈ پر ہی چھوڑنی پڑتی تھی۔ لیکن اماں نے کچھ بھی خریداری نہیں کی تھی..... اور مختلف گلیوں میں سے گزرتی ہوئی ایک نسبتاً کشادہ گلی میں ایک گھر کے دروازے کے سامنے آ کر رک گئی تھیں۔

"یہ میری ایک دوست لورین کا گھر ہے۔ ہم نے چار سال اکٹھے ہوسٹل کے ایک ہی کمرے میں گزارے ہیں۔ ہم چار لڑکیاں ایک ہی کمرے میں تھیں جن میں ایک لورین بھی تھی۔"

اماں نے اس کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی بتا دیا تھا اور پھر ڈور بیل پر انگلی رکھی۔

"تین سال پہلے اچانک ہی میری لورین سے یہاں بڑی مارکیٹ میں ملاقات ہوئی تو اس نے بتایا کہ وہ بیاہ کر یہاں آئی تھی۔ لیکن شادی کے فوراً بعد وہ اپنے شوہر کے ساتھ دبئی چلی گئی تھی..... سال میں ایک بار وہ پاکستان آتی ہے اور ہفتہ دس دن یہاں اور باقی کے دن اپنے میکے میں گزارتی ہے۔ تین سال پہلے ہونے والی ملاقات کے بعد وہ جب پاکستان آئے تو مجھ سے رابطہ ضرور کرتی ہے۔ آج کل وہ پاکستان آئی ہوئی ہے۔"

اماں نے آج تک کبھی اپنے حوالے سے بات نہیں کی تھی۔ اسے تو یہ تک معلوم نہ تھا کہ اماں کا میکہ کس شہر میں تھا اور انہوں نے کہاں کس کالج میں پڑھا تھا۔ ایک بار بابا نے اسے بتایا تھا کہ اس کی اماں نے بی اے کر رکھا ہے۔

اور آج پہلی بار وہ اماں کی کسی سہیلی سے ملنے والی تھی سو اس نے بہت اشتیاق سے گیٹ کھولنے والی خاتون کو دیکھا۔ سانولی لیکن پرکشش نقوش والی خاتون کے بال کندھوں تک اسٹیپس کی صورت کٹے ہوئے تھے اور وہ جینز کے اوپر ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھیں۔ وہ بے حد خوش دلی سے اماں سے گلے ملی تھیں اور پھر اسے گلے سے لگا کر پیار کیا تھا۔

"تم کیا کم خوب صورت تھیں۔ تمہاری بیٹی تو تم سے بھی زیادہ خوب صورت ہے۔"

وہ انہیں ٹی وی لاؤنج میں بٹھا کر چلی گئی تھیں۔ اماں نے انہیں منع کیا تھا۔

"کوئی تردد مت کرنا لوری! میں صرف ایک کپ چائے لوں گی اور ضوئی تو شاید وہ بھی نہ لے۔"

لیکن وہ جواباً مسکرا دی تھیں۔ لاؤنج میں بالکل سامنے حضرت مریمؑ کی بڑی سی تصویر لگی ہوئی تھی۔ تصویر میں انہوں نے پھولوں میں لپٹی ہوئی صلیب سینے سے لگا رکھی تھی۔ تصویر کے ساتھ ہی میٹل کی صلیب تھی۔ چاندی جیسی۔

"اماں! لورین آنٹی کرسچین ہیں کیا۔"

اس نے پوچھا تو اماں نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"ضوئی! اگر کوئی شخص تمہارے سامنے مر رہا ہو اور تم اسے بچانے کی قدرت رکھتی ہو تو کیا کرو گی؟ کیا اسے مرنے دو گی؟" وہ اماں کی بات پر حیران ہوئی تھی۔

"ظاہر سی بات ہے، میں اسے بچانے کی کوشش کروں گی۔"

"بھلے اسے بچاتے ہوئے تمہارا کوئی نقصان ہو جائے۔" اماں کی نظریں اس کے چہرے پر تھیں۔

"ظاہر سی بات ہے اماں! جب کوئی آپ کے سامنے مر رہا ہو تو ساری توجہ اسے بچانے کی طرف ہوتی ہے۔ اپنے نفع و نقصان کی طرف دھیان نہیں

www.pakistanipoint.com

جاتا۔"

اماں کے سوال کا مقصد وہ سمجھ نہ پائی تھی۔ پھر بھی اپنی سوچ کے مطابق جواب دے دیا تھا۔

"اگر میں تم سے یہ کہوں کہ یہاں کوئی ہے جو مر رہا ہے تو تم بچاؤ گی اسے؟"

"اماں! زندگی دینے اور بچانے والی ذات تو اللہ کی ہے۔ لیکن پلیز اماں! صاف بات کریں نا، کیا کہنا چاہتی ہیں۔" وہ الجھ گئی تھی۔

"تو ایاز کو بچالو ضوئی! وہ مر جائے گا۔ ضروری نہیں کہ دوسری بار بھی اس کی کوشش ناکام ہو جائے۔"

"کیسی باتیں کرتی ہیں آپ۔ لورین آنٹی کے گھر میں فون ہے نا تو میں بات کر لیتی ہوں ایک بار اس سے۔ یقیناً میری بات وہ سمجھ جائے گا۔ میرے پاس آپ کا دیا ہوا نمبر ہے۔" وہ اپنا شولڈر بیگ کھولنے لگی۔

"تم نہیں سمجھ سکتیں ضوئی! یہ عشق و محبت کا زہر جب رگ و پے میں سرائیت کر جائے تو پھر سمجھنے سمجھانے کی حدوں سے باہر نکل جاتا ہے۔" اسے اماں اداس سی لگیں۔

"تو آپ بابا سے پھر بات کریں نا؟" اس نے آس بھری نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے ضوئی! کہ میں نے ان سے بات نہیں کی ہوگی۔ کئی بار کی..... شاید وہ مان بھی جاتے لیکن جب انہیں پتا چلا کہ وہ ان کے بدترین دشمن کا بیٹا ہے تو انہوں نے سختی سے کہہ دیا کہ میں آئندہ ان کے سامنے یہ ذکر بھی نہ کروں۔ تمہیں شاید یاد ہو ضوئی! ایک بار جب تم دس گیارہ سال کی تھیں تم نے مجھ سے پوچھا تھا کہ یہ چوہدری فیاض کون ہے کیونکہ تم نے اپنے بابا کو کسی سے فون پر بات کرتے ہوئے سنا تھا کہ چوہدری فیاض ان کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا تو یہ ایاز احمد اسی چوہدری فیاض کا بیٹا ہے۔"

انہوں نے بہت لمبی بات کی تھی۔ اس نے یاد کرنے کی کوشش کی، ایک بار اس نے سنا تو تھا بابا کو اس طرح کی بات کرتے ہوئے اور وہ کئی دن پریشان رہی تھی۔ اماں کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتی رہیں پھر آہستگی سے کہا۔

"میں نہیں چاہتی ضوئی! کہ ایاز مر جائے اور اس کی موت کی وجہ تم ہو۔ ساری زندگی یہ احساس تمہیں جینے نہیں دے گا کہ تم اس کی قاتل ہو۔"

"میں کیا کر سکتی ہوں اماں!" اس نے بے بسی سے ان کی طرف دیکھا۔

"تم اسے روک سکتی ہو ضوئی۔"

وہ بنا بولے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھتی رہی۔

"میں نے سوچا ہے ضوئی! تمہارا اور ایاز کا نکاح کروا دیتی ہوں۔ نکاح کے بعد ہم واپس چلے جائیں گے اور پھر کوئی مناسب موقع دیکھ کر میں تمہارے بابا سے تمہارے نکاح کا ذکر کر دوں گی پھر وہ کچھ نہیں کر سکیں گے اور تمہاری رخصتی سے پہلے ایاز اور میں کوشش کر کے ایاز کے ابو اور تمہارے بابا میں صلح بھی کروا دیں گے۔"

وہ جیسے سب کچھ طے کیے بیٹھی تھیں۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"بابا مجھ سے کبھی بات نہیں کریں گے، ناراض ہو جائیں گے۔" لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے لبوں سے نکلے تھے۔

"وہ تم سے کیوں خفا ہوں گے ضوئی! جب میں انہیں بتاؤں گی کہ تمہارا اور ایاز کا نکاح میں نے خود کروایا ہے..... انہیں اگر کچھ کہنا ہوا تو مجھ سے کہیں گے۔"

"اماں کہہ تو ٹھیک رہی ہیں، بھلا وہ مجھ سے کیوں ناراض ہوں گے۔" اس نے سوچا لیکن پھر بھی اسے لگ رہا تھا جیسے اس کی جان نکلی جا رہی ہو۔

"تم چاہو تو ایاز کی زندگی بچالو۔ چاہو تو اسے موت کے حوالے کر دو۔" اماں جیسے ضرب پر ضرب لگا رہی تھیں۔

"وہ کل رات سے یہاں ہوٹل میں کچھ

Aqib Azeem
www.pakistanipoint.com

دوستوں اور عزیزوں کے ساتھ آیا ہوا ہے۔ اگر تمہیں اس کی زندگی کی پروا نہیں ہے تو میں اسے فون کر دیتی ہوں، وہ واپس چلا جائے گا لیکن اگر اس کی زندگی کی آرزومند ہو تو وہ نکاح خواں اور گواہوں کے ساتھ آجائے گا۔"

وہ جیسے حواس کھو رہی تھی۔

"وہ مر جائے گا۔" دل کرلایا۔

"اور بابا کا سر ہمیشہ کے لیے جھک جائے گا۔" دماغ نے کہا۔

"اس وقت اس کی زندگی کے لیے یہ ضروری ہے۔ اماں بابا کو راضی کرلیں گی۔" دل نے پھر کہا۔

"شاید بابا مجھے کبھی معاف نہیں کریں گے۔ ان کا مجھ پر مان اور اعتبار ٹوٹ جائے گا۔" دماغ مسلسل دل کی نفی کر رہا تھا۔ اور دل دماغ کی.....

"کسی کی زندگی بچانا ثواب کا کام ہے اور بابا مجھ سے ناراض نہیں ہو سکتے۔"

"اماں.....!" وہ کہنا چاہتی تھی لیکن اس کا حلق خشک ہو رہا تھا اور زبان اکڑی ہوئی تھی۔

"اماں۔" اس نے پورا زور لگا کر آواز دی تھی لیکن اس کے حلق سے جو آواز نکلی، وہ خود بھی اسے بمشکل سن پائی تھی۔ وہ خالی خالی پتھرائی آنکھوں سے اماں کو دیکھتی رہی تب ہی لورین ٹرالی دھکیلتی ہوئی لاؤنج میں آئیں۔

"سوری یار! تمہیں پتا تو ہے میں چند دنوں کے لیے آتی ہوں تو ملازم وغیرہ کا کھڑاگ نہیں پالتی۔ جان یہاں ہو تو وہ ہیلپ کر دیتا ہے لیکن آج صبح میں نے اسے ماریا آپا سے ملنے بھیج دیا تو کچھ تاخیر ہوئی۔"

ٹرالی مختلف اشیاء سے بھری ہوئی تھی۔

"لوری پلیز تم ایاز کو فون کر دو کہ وہ نکاح کے لیے آجائے پھر ہمیں واپس بھی جانا ہے۔"

اماں نے لورین سے کہا تو وہ ٹرالی وہاں ہی چھوڑ کر لاؤنج میں ہی موجود ٹیلی فون اسٹینڈ کی طرف بڑھ گئی۔ وہ اٹھنا چاہتی تاکہ لورین آنٹی سے فون لے کر خود بات کرلے لیکن اس کی ٹانگیں جیسے پتھر کی ہو گئی تھیں وہ ساکت ہاتھ گود میں دھرے بیٹھی لورین کے ہونٹوں کو ہلتے دیکھتی رہی پھر وہ ریسیور کریڈل پر ڈال کر مڑیں۔

"دس منٹ تک پہنچ جائیں گے۔"

لورین نے بیٹھتے ہوئے پلیٹ اماں کی طرف بڑھائی۔

"پلیز لوری.....اس وقت کچھ نہیں۔"

لورین نے بھی شاید اماں کی کیفیت سمجھ لی تھی۔

"چائے!"

"نہیں۔"

اماں نے پھر نفی میں سر ہلایا۔ وہ بے حد مضطرب سی تھیں اور بار بار اس کی طرف دیکھتی تھیں لیکن وہ تو جیسے پتھر میں ڈھل گئی تھی۔

پھر ڈور بیل ہوئی تھی۔ تو نورین چلی گئی اور مہمانوں کو ڈرائینگ روم میں بٹھا کر واپس آئی اور اماں کو بتایا تو اماں بھی اٹھ کر باہر چلی گئیں لیکن کچھ دیر بعد واپس آگئی تھیں پھر لورین کے ساتھ کچھ مرد اندر داخل ہوئے تھے۔

اماں اس کے پاس اس کا ہاتھ تھامے بیٹھی تھیں۔ ایک بزرگ سے سفید داڑھی والے شخص نے کچھ پوچھا تھا۔ اماں نے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی۔ پتا نہیں کیا کہا تھا۔ بزرگ نے اپنی بات پھر دہرائی۔

"تمہیں ایاز احمد ولد فیاض احمد کے ساتھ دس لاکھ حق مہر۔"

وہ کسی روبوٹ کی طرح جو اماں نے کہا..... کرتی گئی۔

پھر لورین نے ایک رجسٹر اس کے سامنے رکھا اور جہاں جہاں اماں نے کہا، اس نے دستخط کر دیے۔ وہ لوگ چلے گئے تو اماں نے اسے گلے لگا کر اس کی پیشانی چومی ان کی آنکھوں میں آنسو تھے لیکن اس کی آنکھیں خشک تھیں۔ اس کا نکاح ایاز احمد سے ہو گیا تھا۔ نہ سر پر باپ کا ہاتھ تھا نہ حوصلہ دینے کو بھائی ساتھ کھڑا تھا بس اماں تھیں جو اس کے بازو پر ہاتھ

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

رکھے بیٹھی تھیں۔ لورین ٹرالی گھسیٹتی ہوئی ڈرائینگ روم میں چلی گئی تھی۔ پھر اس نے اماں کو بلایا۔

''ایاز تم سے کوئی بات کرنا چاہتا ہے۔''

اماں باہر نکل گئیں تو لورین نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

''تمہارا دولہا بے حد شان دار ہے۔ یو آر لکی ڈیئر۔''

اس نے مسکرا کر اس کے رخسار پر بوسہ دیا۔ لیکن وہ یوں ہی بت بنی بیٹھی رہی تو لورین مسکراتی ہوئی باہر چلی گئی۔

''مہمانوں کو رخصت کر کے آتی ہوں۔ انہیں بھی جانے کی جلدی ہے۔''

اماں اور لورین مہمانوں کو رخصت کر کے آئیں تو اماں نے لورین سے اجازت چاہی۔

''شکریہ لوری! تم نے میرا بہت ساتھ دیا۔''

''نہ تم لوگوں نے نہ دولہا والوں نے کچھ کھایا پیا۔'' لورین کو افسوس ہو رہا تھا لیکن اماں نے معذرت کر لی۔

''پھر کبھی سہی لوری۔ چلو ضوئی۔''

وہ کسی روبوٹ کی طرف اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ پاؤں من من بھر کے ہو رہے تھے۔ وہ جیسے ان کے ساتھ گھسٹتی ہوئی چل رہی تھی انہوں نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر تنگ گلی سے نکلنے کے بعد ایک تانگہ روک لیا۔ آپا زہراں انہیں خالی ہاتھ آتا دیکھ کر حیران ہو گئیں۔

''یہ ضوئی کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ صراف کی دکان سے ہی واپس آ گئے۔ یہ جھمکے اور انگوٹھیاں پالش کروانی تھیں۔''

اماں شولڈر بیگ سے جھمکے اور انگوٹھیاں نکال کر زہراں آپا کو دکھانے لگی تھیں جو شاید وہ گھر سے ساتھ لائی تھیں۔

''کیا ہوا ہے اسے؟ دیکھو تو رنگت کیسی زرد ہو رہی ہے۔ نسیم..... نسیم جلدی سے دودھ گرم کر کے لے آؤ۔''

وہ ملازمہ کو آوازیں دینے لگی تھیں۔

''شاید بی پی لو ہو گیا ہے۔'' اماں نے بتایا تھا۔

شاہو بھی جولان میں کھیل رہا تھا آ گیا تھا اور اب اس کا ہاتھ پکڑے پوچھ رہا تھا۔

''کیا ہوا آپو..... کیا درد ہو رہا ہے۔''

اور اس کی خشک آنکھوں میں نمی سی پھیلی تھی اور اس کا جی چاہا تھا، وہ شاہو کے گلے لگ کر زور زور سے روئے لیکن وہ ضبط کیے بیٹھی رہی تھی۔ اماں زیادہ دیر وہاں نہیں رکی تھیں اور آپا زہراں کے اصرار کے باوجود اس کی طبیعت کی خرابی کا کہہ کر جلدی نکل آئی تھیں۔

ایک گھنٹے کا سفر کب اور کیسے گزرا تھا اسے پتا نہیں چلا تھا۔ وہ آنکھیں موندے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے خالی الذہن سی بیٹھی رہی تھی شاہو نے ایک دو بار اس سے بات کرنے کی کوشش کی تو اماں نے اسے منع کر دیا۔

''ضوئی شاید سو گئی ہے شاہو سے ڈسٹرب نہ کرو۔''

☆☆☆

وہ عصر سے کچھ پہلے ہی گھر پہنچ گئے تھے۔ بابا ابھی گھر نہیں آئے تھے۔

شکر ہے، وہ گھر پر نہیں تھے۔ وہ گھر پر ہوتے تو وہ برداشت نہ کر پاتی شاید وہ ان کے قدموں میں گر جاتی وہ ان سے کہتی، وہ اسے معاف کر دیں۔ اس سے غلطی ہو گئی ہے اس نے ایک انسانی جان بچانے کے لیے ان کا اعتماد توڑا ہے۔

اماں بتولاں کو یہ بتاتے ہوئے کہ ضوئی کی طبیعت خراب ہے اسے اس کے کمرے میں چھوڑ گئی تھیں اور کمرے میں آتے ہی اس کی آنکھیں برس پڑی تھیں۔ یہ کیا ہو گیا تھا نہیں ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ وہ تڑپ تڑپ کر روئی تھی جب روتے روتے تھک جاتی تو خود کو تسلی دینے لگتی۔

''کچھ نہیں ہوگا اماں نے کہا ہے نا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' بابا تو اماں کی کوئی بات نہیں ٹالتے اب

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

بھی اماں انہیں منالیں گی۔

مغرب کے وقت اس نے بیڈ پر لیٹے لیٹے بابا کی آواز سنی تھی۔ وہ تشویش سے پوچھ رہے تھے۔

"ضوئی کیسی ہے۔ شاہو بتا رہا تھا اس کی طبیعت خراب ہے۔"

"ہاں سر میں شدید درد تھا۔ میں نے دوا دے دی تھی۔ سوگئی ہے اب۔ سو کر اٹھے گی تو صبح تک ٹھیک ہو جائے گی۔"

اماں کی آواز اس کے کمرے کے دروازے کے پاس سے آئی تھی۔

"میں دیکھ لوں اسے۔" بابا نے دروازے کو ہلکا سا دھکیلا تھا۔

"جاگ جائے گی تو پھر کچی نیند سے جاگنے پر سر درد بڑھ جائے گا۔ صبح دیکھ لیجیے گا۔" اماں نے انہیں روکا تھا۔

"جب سے لاہور سے آئی ہے اکثر سر درد رہنے لگا ہے اسے۔ سوچ رہا ہوں کراچی سے آ کر کسی اسپیشلسٹ سے لاہور جا کر چیک کروالوں۔ اگر کراچی کے لیے سیٹ نہ بک کروالی ہوتی تو رک جاتا ایک دو روز کے لیے۔ میں ضوئی کے لیے پریشان ہو گیا ہوں۔ آج کل بیماریوں کا کچھ پتا ہی نہیں چلتا اب زبیر بھائی کو ہی دیکھ لو پچھلی بار ملاقات ہوئی تو بالکل ٹھیک تھے اور اب ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے۔ بروقت پتا چل جاتا تو شاید۔"

زبیر انکل بابا کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ آرمی میں بریگیڈیر تھے۔ سات آٹھ ماہ پہلے ان کا کینسر تشخیص ہوا تھا۔ بابا کی ان سے بہت دوستی تھی۔ اور وہ بہت دنوں سے کراچی جانے کا پروگرام بنا رہے تھے۔

"کتنے دن کا پروگرام ہے؟" اماں پوچھ رہی تھیں۔

"فی الحال تو ایک ہفتے کا پروگرام ہے۔"

اور پھر بابا اور اماں کے دور ہوتے قدموں کی آہٹ سنائی دی تھی اور اس کے آنسو تکیہ بھگونے لگے تھے۔ اس نے اپنی زندگی کے اتنے بڑے فیصلے میں انہیں شامل نہیں کیا تھا وہ جو کہتی تھی کہ اگر اس کے بابا نے دتے کمار کے سائیں بیٹے کو اس کے لیے چنا تب بھی وہ سر جھکا دے گی۔

وہ جسے اپنے بابا کا کیا ہر فیصلہ منظور تھا۔ لیکن یہ کیا کر دیا تھا اس نے..... روتے روتے جانے کب وہ سو گئی تھی۔ صبح اس کی آنکھ بابا کے ہاتھ کے لمس سے کھلی تھی۔

"اسے تو بخار ہے عفی!"

اماں شاید ان کے پیچھے ہی کمرے میں آئی تھیں پھر اماں نے اس کی پریشانی کو چھوا تھا۔

"ہاں بخار ہے تو۔"

"میں ظفر سے کہہ دیتا ہوں بلکہ تم اس سے کہنا کہ جیسے ہی ڈاکٹر طیب کلینک کھولیں، انہیں گھر لے آئے۔"

بابا یک دم پریشان ہو گئے تھے وہ ایسے ہی تھے اس کی یا شاہو اور اماں کی ذرا سی تکلیف پر بے چین ہو جاتے تھے۔

"آپ پریشان نہ ہوں۔ میں بلالوں گی ڈاکٹر کو۔ ویسے معمولی بخار ہے۔"

پھر بابا نے جھک کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا تھا لیکن اس نے آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔ جب آنکھیں کھول کر دیکھا تو بابا واپس جا رہے تھے۔ اس کی طرف ان کی پشت تھی اس نے پھر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ کاش اسے خبر ہوتی کہ وہ آج کے بعد پھر اپنے بابا کو کبھی نہ دیکھ سکے گی۔ کبھی اس شفیق لمس کو محسوس نہ کر پائے گی تو انہیں روک لیتی۔ ان کے پاؤں سے لپٹ جاتی لیکن اگر انسان کو آنے والے وقت کی خبر ہو جاتی تو شاید بہت سے سانحات رونما نہ ہوتے۔

ڈاکٹر طیب نے اسے چیک کرنے کے بعد دوا دے دی تھی اور کہا تھا کہ اگر دو تین روز بخار نہیں اترتا تو پھر شہر جا کر بلڈ ٹیسٹ کروالیں گے کہ ٹائیفائیڈ نہ ہو۔

اس کا بخار کم تو ہو گیا تھا لیکن اترا نہیں تھا۔ گھر کا فون ابھی تک ٹھیک نہیں ہوا تھا۔ اس لیے اماں نے

www.pakistanipoint.com

مانو کے گھر سے جا کر بابا کو فون کر کے بتا دیا تھا کہ اس کا بخار اتر گیا ہے۔ وہ وہاں پریشان نہ ہوں۔ پہلے ہی زبیر بھائی کی طبیعت بہت خراب ہے۔

''ٹھیک ہے اماں! لیکن آپ مانو کو بلوا دیں۔ میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔ اس سے باتیں کروں گی تو شاید دل بہل جائے۔''

''ضوئی میری جان اتنی ٹینشن مت لو..... میں نے کہا ہے نا، سب ٹھیک ہو جائے گا لیکن تم نے کسی سے بھی اس نکاح کا ذکر نہیں کرنا..... مانو سے بھی نہیں۔ تمہارے بابا نے اگر کسی اور سے سنا تو بات بگڑ جائے گی۔''

''ٹھیک ہے اماں! نہیں کروں گی۔''

وہ بے زار ہو رہی تھی۔ اسے آمنہ سے بات کرنی تھی اس کے ذہن و دل پر بہت بوجھ تھا۔ وہ سب آمنہ کو اپنا استاد کہتی تھیں۔ وہ یقیناً اسے کوئی بہتر مشورہ دے گی۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ جب بابا آئیں گے تو خود سب کچھ بتا دے گی۔

یہ بوجھ اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ وہ بابا کے پاؤں پر گر جائے گی ان سے معافی مانگ لے گی۔ بتولاں نے کچھ دیر بعد آ کر بتایا کہ مانو تو آج صبح ہی فیصل آباد چلی گئی ہے اپنے ماموں کے گھر.....

وہ بہت چڑچڑی ہو رہی تھی۔ شاہو لڈو لے کر آیا تو اس نے اسے ڈانٹ دیا۔

زندگی میں پہلی بار اس نے اسے ڈانٹا تھا۔ اس کی موٹی موٹی آنکھوں میں آنسو آ گئے تو اس نے اسے گلے لگا کر کوئی دس بار سوری کیا تھا تب کہیں جا کر شاہو کا موڈ ٹھیک ہوا تھا۔ اور وہ دوستوں میں کھیلنے چلا گیا تھا۔

''اماں! میں بابا کے آنے پر سب کچھ بتا دوں گی۔ بس مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔ مجھے لگتا ہے جیسے میرے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔''

شاہو کے جانے کے بعد اس نے اماں سے کہا تھا اور اماں نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔

''تم کچھ بھی مت سوچو ضوئی! دیکھو، یہ کیا حالت بنا لی ہے تم نے اپنی۔ تمہارا بخار بھی اس لیے کم نہیں ہو رہا..... میں خود تمہارے بابا سے بات کر لوں گی۔ تم پریشان مت ہو۔''

''سچ اماں!'' وہ خوش ہو گئی تھی۔ ''بابا خفا تو نہیں ہوں گے نا؟''

''تمہارے بابا مجھ سے خفا نہیں ہو سکتے ضوئی۔''

اس رات اماں نے اسے سکون آور دوا دی تھی۔ اور وہ ساری رات سکون سے سوتی رہی تھی۔ صبح اس کی آنکھ دیر سے کھلی تھی۔ وہ کمرے سے باہر آئی۔ کچھ دیر بتولاں سے بات کی لیکن سر بہت بھاری ہو رہا تھا اس لیے پھر کمرے میں چلی گئی تھی۔ ناشتہ اماں نے کمرے میں ہی بھجوا دیا تھا۔ ناشتے کے بعد کچھ دیر اس نے پڑھنے کی کوشش کی الطاف فاطمہ کی کتابیں وہ بہت شوق سے خرید کر لائی تھی لیکن ابھی تک ایک کتاب بھی پڑھ نہ سکی تھی۔

آج بھی چند صفحے پڑھنے کے بعد کتاب الٹ کر رکھ دی تھی اور آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی۔

یہ اچانک اس کی زندگی میں کیا ہو گیا تھا۔ اس کا ایاز کے ساتھ نکاح ہو گیا تھا لیکن وہ خوش نہیں تھی۔ خوش نہیں ہو پا رہی تھی سب کچھ پرانے طریقے سے ہوتا تو من پسند ساتھی کی رفاقت کتنی خوش کن ہو سکتی تھی لیکن اب دل بالکل خالی خالی لگ رہا تھا اور ذہن کچھ بھی سوچنے سے قاصر تھا۔

اماں وقفے وقفے سے اس کے کمرے کے چکر لگاتی رہی تھیں، دوپہر میں زبردستی انہوں نے اسے یخنی پلائی تھی۔ رات کو اس کے منع کرنے کے باوجود دلیہ بنایا تھا اور خود اپنے ہاتھوں سے اس کے منہ میں چمچ بھر بھر کر ڈالتی رہی تھیں اور اس نے منہ بنا بنا کر بمشکل آدھا پیالہ کھایا تھا۔ شاہو اسے دیکھ دیکھ کر ہنستا رہا تھا۔

اماں عشاء کی نماز پڑھنے گئیں تو وہ کچھ دیر تک شاہو سے باتیں کرتی رہی اور پھر اس کے اصرار پر اس کے ساتھ لڈو کھیلنے لگی۔ جب شاہو کی آنکھیں نیند سے

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

بند ہونے لگیں تو اماں آ کر اسے اپنے کمرے میں لے گئیں اور اس کے سونے کے بعد پھر آ گئیں۔

"اماں! آپ سو جاتیں۔" اس نے ان کی طرف دیکھا۔

"مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ سوچا، کچھ دیر تمہارے پاس ہی بیٹھتی ہوں۔"

انہوں نے روم چیئر پر بیٹھتے ہوئے سائیڈ ٹیبل سے الطاف فاطمہ کا ناول چلتا مسافر اٹھا لیا۔

"نیند تو مجھے بھی نہیں آ رہی لیکن سر بھاری بھاری ہو رہا ہے۔"

"مجھے تو خیال ہی نہیں رہا، تم یہ ٹیبلٹ لے لو۔ اس سے دماغ کو سکون بھی ملے گا اور نیند بھی آ جائے گی۔"

انہوں نے دراز سے گولی نکالی اور سائیڈ ٹیبل پر پڑا پانی کا گلاس اٹھایا۔

"ابھی تو نیند آ جائے گی لیکن پھر سارا دن سر بھاری بھاری رہے گا۔"

اس نے ہاتھ آگے نہیں بڑھایا تھا۔

"لیکن ڈاکٹر صاحب نے تاکید کی تھی کہ تین چار دن مسلسل تم یہ لو تا کہ رات کو پرسکون نیند سو سکو۔"

انہوں نے گولی اس کی طرف بڑھائی تو اس نے خاموشی سے گولی پانی کے ایک گھونٹ سے نگل لی اور پھر لیٹ گئی۔ اماں نے پھر کتاب اٹھا لی تھی اور اس کے اوراق الٹ پلٹ رہی تھیں۔ اس نے دو تین بار آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا تھا۔ اور پھر ہولے ہولے اس کی پلکیں بوجھل ہونے لگی تھیں۔ اور وہ سو گئی تھی۔

اماں کب اٹھ کر اپنے کمرے میں گئی تھیں، اسے کچھ خبر نہ تھی۔ وہ بہت گہری نیند میں تھی جب اماں نے اسے جھنجوڑ کر اٹھایا۔

"ضوئی..... ضوئی اٹھو۔"

"کیا ہوا اماں؟" اس نے بمشکل آنکھیں کھولیں۔

"جو بھی ہوا، اچھا نہیں ہوا۔" اماں اسے بہت پریشان لگی تھیں وہ یک دم اٹھ کر بیٹھ گئی۔ تھی لیکن سر چکرا رہا تھا۔

"تمہارے بابا کو کہیں سے تمہارے نکاح کا پتا چل گیا ہے اور انہوں نے قسم کھائی ہے کہ وہ تمہیں اور ایاز کو قتل کر دیں گے۔"

رات کے دو بجے اماں یہ کیا کہہ رہی تھیں۔ اس کی نظر کلاک پر پڑی تھی۔

"آپ کو کیسے پتا چلا؟"

"تمہارے بابا کا فون آیا تھا، ادھر جلیل بھائی کے گھر تمہارے سونے کے بعد..... زبیر بھائی کا انتقال ہو گیا ہے۔ صبح ان کا جنازہ ہو گا اور پھر قل کے بعد شاید کل یا شاید پرسوں وہ آ جائیں گے۔ تم اٹھو چلو۔"

انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

"لیکن کہاں اماں؟" اس نے الجھ کر انہیں دیکھا۔

"میں نے ایاز کو فون کر دیا تھا، وہ تمہیں لینے آ رہا ہے۔ کچھ دیر میں پہنچ جائے گا۔ تم اس کے ساتھ چلی جانا ضوئی۔"

"مجھے کہیں نہیں جانا اماں.....!" اس نے ان کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔

"وہ تمہیں قتل کر دیں گے ضوئی!"

"تو کر دیں اماں! ان کا حق ہے وہ مجھے قتل کر دیں میں نے ان کا اعتماد توڑا ہے۔"

"اور خود پھانسی چڑھ جائیں۔ ان کا اور تمہارا لاڈلا شاہو یتیم ہو جائے گا۔ پورا گھر تباہ ہو جائے گا۔" اماں کے لہجے میں تلخی تھی۔

"تو میرا کیا قصور ہے، آپ نے کیا سب کچھ۔" وہ روہانسی ہو گئی تھی۔

"ٹھیک ہے..... میرا قصور ہے سب۔ تم انتظار کرو اپنے قتل کا۔ میں ایک ساتھ ہی سب کو رولوں گی۔ تم نہیں رہو گی، تمہارے بابا نہیں رہیں گے تو میں اور شاہو کیا کریں گے جی کر۔" وہ رونے لگی تھیں۔

"تم ضوئی.....! تم اپنے بابا کو پھانسی لگنے سے، شاہو کو یتیم ہونے سے بچا سکتی ہو۔"

www.pakistanipoint.com

اس کے سارے ارادوں اور توانائیوں کو اس ایک بات نے پگھلا دیا تھا۔

''اماں!'' اس نے بے بسی سے ان کی طرف دیکھا تھا۔

اماں نے اس کو چادر اوڑھائی تھی اور پھر نیچے بیٹھ کر جوتے پہنائے تھے اور پھر بازو سے پکڑ کر کھڑا کیا تھا۔ وہ ساکت کھڑی تھی۔

''چلو ضوئی! جلدی کرو..... ایسا نہ ہو کہ۔''

انہوں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا..... وہ کسی روبوٹ کی طرح ان کے ساتھ چلنے لگی تھی۔

اس اتنی بڑی حویلی کا صرف سامنے والا حصہ ہی استعمال ہوتا تھا وہ چار افراد ہی تو تھے۔ بڑا سا صحن، برآمدہ جس میں دو اطراف میں جالی دار کھڑکیاں تھیں۔ ڈائننگ ہال، ڈرائنگ روم چار بیڈ رومز وغیرہ ملازمین کا رہائشی حصہ الگ لیکن حویلی سے منسلک تھا۔ حویلی خاصے وسیع رقبے پر پھیلی ہوئی تھی۔ بہت سا حصہ زیر استعمال نہیں تھا لیکن اس حصے کی بھی باقاعدہ صفائی کی جاتی تھی اور اس وقت اماں اس کا ہاتھ پکڑے اسی حصے کی طرف جا رہی تھیں۔

راہداریاں، دالان، کمرے۔ وہ روبوٹ کی طرح سوئی جاگتی کیفیت میں ان کے ساتھ چلتی جا رہی تھی۔ پھر وہ لکڑی کے ایک منقش دروازے کے پاس رک گئیں جس پر ایک بڑا سا تالا جھول رہا تھا۔ کیا اماں مجھے کسی تہہ خانے میں چھپانے جا رہی ہیں۔ لمحہ بھر کے لیے اس کے ذہن میں خیال آیا تھا۔ اسے یاد نہیں رہا تھا کہ کچھ دیر پہلے اماں نے اس سے کیا کہا تھا کہ ایاز اسے لینے آ رہا ہے۔ وہ متوحش سی انہیں دیکھ رہی تھی۔

''وعدہ کرو ضوئی! آج کے بعد اس گاؤں میں قدم نہیں رکھو گی..... بھول جاؤ گی سب کچھ۔ یہ حویلی، گاؤں شاہو، بابا سب کو..... یاد رکھنا اس گاؤں میں قدم رکھنا اپنے بابا کی موت کے پروانے پر دستخط کرنا ہے۔''

وہ زخمی نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''میں جانتی ہوں، میری ضوئی کبھی نہیں چاہے گی کہ اس کے بابا کو پھانسی ہو جائے، اس کا شاہو یتیم ہو جائے۔''

اس نے اماں کی بات سنی تھی۔ سمجھی بھی تھی شاید لیکن یوں ہی ساکت کھڑی رہی تھی۔

''ضوئی! مجھے معاف کر دینا۔ میں نے تو اپنی طرف سے اچھا کیا تھا۔ میں نے تو چاہا تھا، دو محبت کرنے والے جدا نہ ہوں..... ماں تھی۔ میں جانتی تھی کہ میری ضوئی صرف ایاز کے ساتھ ہی خوش رہ سکے گی۔''

ایک گہری سانس لے کر انہوں نے بازو پھیلا دیے تھے لیکن اس کے بازو یوں ہی اس کے پہلوؤں میں لٹکے رہے۔ تب انہوں نے خود ہی آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا تھا اور بہت دیر تک اسے اپنے ساتھ بھینچے رہی تھیں۔ پھر انہوں نے اسے الگ کرتے ہوئے دونوں ہاتھوں کی اوک میں اس کا چہرہ لے کر پہلے اس کی پیشانی چومی اور پھر وہ اسے بے تحاشا چومنے لگیں۔ پیشانی، رخسار، ہاتھ..... اس کا کتنا جی چاہتا تھا کہ مانو کی اماں کی طرح اس کی اماں بھی کبھی اسے اپنے ساتھ لپٹا کر اسے پیار کریں اور یہ خواہش کب اور کس موقع پر پوری ہو رہی تھی وہ رو رہی تھیں..... آنسو بہت آہستگی اور خاموشی سے ان کے رخساروں پر بہہ رہے تھے لیکن اس کی آنکھیں خشک صحرا بنی ہوئی تھیں۔

پھر دروازے کے بائیں طرف کسی کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور اندر سے بتولاں نکلی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا اٹیچی کیس تھا اور ایک قیمتی شولڈر بیگ۔

اس نے قریب آ کر اماں سے کچھ کہا تھا..... کیا اس نے سنا نہیں اور پھر اٹیچی کیس نیچے رکھ کر اور شولڈر بیگ اماں کو پکڑا کر وہ دروازے کی طرف بڑھی تھی۔ اور تالا کھولا تھا۔

اس راہداری میں اوپر ایک پیلی روشنی کا بلب جل رہا تھا۔ اس نے اماں کی طرف دیکھا اور تالے

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

میں چابی ڈالتی بتولاں کو..... تو اسے صدیوں پرانی راجکماریاں اور شہزادیاں یاد آگئیں۔ اماں اسے کوئی پرانے دور کی راجکماری لگی تھیں جو رات کے اندھیرے میں کسی ظالم راجہ کی قید سے فرار ہو رہی تھیں اور ماسی بتولاں ان کی وفادار کنیز تھی۔ قیدی شہزادی، وفادار کنیز، غلام گردشیں، بھول بھلیاں، ظالم راجہ پتا نہیں کیا کچھ اس کے تصور میں آیا تھا کہ اس کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

اماں نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ بتولاں نے دروازہ کھولا تو ہلکی سی چرچراہٹ کے ساتھ ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اندر آیا تو وہ چونکی۔ یہ دروازہ دارا خورد کی طرف جانے والی کچی سڑک کی طرف کھلتا تھا۔

"کیا اماں اسے دارا خورد کی چھوٹی حویلی میں بھیج رہی ہیں۔" برسوں سے جس کے ملازم پیشہ میں اکبر خان گجر رہتا تھا اور اس کا پورا خاندان بھی اور وہی لوگ حویلی کی دیکھ بھال بھی کرتے تھے۔

ایک اڑتا اڑتا سا خیال اس کے سوتے جاگتے ذہن میں آیا تھا۔ اماں نے ایک بار پھر اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ آخری راتوں کا زرد بیمار سا چاند بھی بادلوں کے پیچھے چھپ جاتا تو ایک دم اندھیرا گہرا ہو جاتا اور کبھی بادل اس کے سامنے سے ہٹ جاتے تو مدھم سی روشنی پھیل جاتی۔

اماں اس کا ہاتھ پکڑے چل رہی تھیں اور بتولاں ان کے پیچھے اٹیچی کیس اٹھائے چلتی تھی۔ دس منٹ کچے راستے پر چلنے کے بعد دور سے ایک گاڑی نظر آئی تھی۔

اور پھر کسی شخص کا ہولہ جو گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ وہ ایاز تھا۔ اماں نے اس کے قریب جا کر کچھ کہا تھا۔ وہ بتولاں سے اٹیچی کیس لے کر ڈگی میں رکھنے لگا تو اماں نے اس کی طرف دیکھا۔

"میں تمہیں تمہارے محرم رشتے کے ساتھ رخصت کر رہی ہوں۔ ایاز تمہارا شوہر ہے۔ بیٹیوں کو ایک دن رخصت ہونا ہی ہوتا ہے۔ تمہاری رخصتی روایتی طریقے سے نہیں ہو رہی جس کا مجھے افسوس ہے ضرور لیکن۔"

انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔ اس نے اماں کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھیں اندھیرے میں چمک رہی تھیں یوں جیسے وہ کسی شیرنی کی آنکھیں ہوں۔

اماں نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور اسے بیٹھنے کے لیے کہا تو وہ خاموشی سے بیٹھ گئی اماں نے اس کا شولڈر بیگ اس کے پاس ہی سیٹ پر رکھ دیا تھا۔ اور دروازہ بند کر دیا تھا۔

اس نے چکراتے سر کے ساتھ ایاز کو ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے دیکھا۔ اماں کھڑکی میں جھکی ایاز سے کچھ کہہ رہی تھیں۔ ایاز نے سر ہلایا تھا اس نے کھڑکی سے دیکھا اب اماں بتولاں کا ہاتھ تھامے لڑکھڑاتی ہوئی واپس جا رہی تھیں۔

اس نے سیٹ کی پشت سے سر ٹیکتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ اپنے دارا کلاں سے دور جا رہی تھی۔ اماں نے کہا تھا، وہ اب کبھی دارا کلاں نہیں آسکے گی۔ اگر آئی تو بابا..... وہ اس ساری صورت حال کو سمجھنا چاہ رہی تھی لیکن وہ نیند سے مغلوب ہو گئی تھی اور جلد ہی گہری نیند سو گئی تھی۔

پھر جب اس کی آنکھ کھلی تو گاڑی کسی گھر کے پورچ میں کھڑی تھی اور ایاز گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولے اسے اترنے کے لیے کہہ رہا تھا۔ چڑیوں کے چہچہانے کی آوازیں آرہی تھیں۔ صبح ہو گئی تھی شاید۔ اس نے دعائیں طرف لان کی طرف دیکھا۔ ابھی پوری طرح روشنی نہیں ہوئی تھی۔

"یہ میری رشتے کی ایک پھپھو کا گھر ہے۔" گاڑی لاک کر کے اس نے بتایا تھا۔

"بیوہ ہیں، ایک ہی بیٹا ہے۔ میرا بہت اچھا دوست ہے۔ بھائیوں جیسا اور پھوپھو بھی میرے لیے سگی پھپھو کی طرح ہیں۔

پورچ کی سیڑھیاں چڑھ کر وہ اندر نی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے تھے۔ ایک کم عمر سی لڑکی نے دروازہ کھولا تھا جو غالباً ملازمہ تھی۔

Visit for More Novels: www.parsanipoint.com

سامنے ہی صوفے پر ایک ادھیڑ عمر سی خاتون بیٹھی تھیں۔ جو بہت محبت اور پیار سے ملی تھیں۔

"یہ ضوفشاں ہے پھوپھو، اور اسے آرام کی ضرورت ہے۔ طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس کی اور لمبے سفر نے بھی تھکا دیا ہے۔"

ایاز نے اس کی بار بار بند ہوتی آنکھوں کو دیکھا تھا جانے اس گولی میں کتنی نیند تھی کہ ابھی تک اس کی آنکھیں نہیں کھل رہی تھیں۔

"میرا تو خیال تھا، تم لوگ ناشتہ کر کے آرام کرتے تب تک مائی بھی آجاتا۔ اس نے مجھے فون پر تمہارے متعلق بتا دیا تھا سب۔"

پھپھو نے ایاز سے کہا تو ایاز نے اس کی طرف دیکھا۔ اس نے فوراً نفی میں سر ہلا دیا۔ تو پھپھو نے ملازم لڑکی کے ساتھ اسے کمرے میں بھجوا دیا۔

کمرے میں آتے ہی وہ بیڈ پر گر گئی اور لیٹتے ہی یوں سو گئی جیسے پورے راستے جاگتی آئی ہو۔ پھر اس کی آنکھ دوپہر کے بعد ہی کھلی تھی۔ کچھ دیر تو وہ یونہی لیٹی خالی خالی نظروں سے چاروں طرف دیکھتی رہی پھر یکدم اٹھ کر بیٹھ گئی۔

وہ کہاں تھی۔ یہ اس کا کمرہ تو نہ تھا۔ اور دوسرے ہی لمحے اسے سب کچھ یاد آ گیا۔ اماں کا اس کے کمرے میں آنا اور.....

"نہیں....." اس کے لبوں سے نکلا۔

"نہیں۔" اس نے سختی سے ہونٹوں کو دانتوں تلے دبایا کہ کہیں اس کی چیخیں نہ نکل جائیں۔ انکھیں جو رات سے خشک صحرا بنی تھیں ان میں نہ جانے کہاں سے سمندر سما گیا تھا۔ پتا نہیں وہ کتنی دیر سر گھٹنوں میں رکھے روتی رہی تھی جب ایاز آیا تھا۔ کچھ دیر اسے روتے ہوئے دیکھتا رہا۔ پھر اس کے قریب ہی بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"بس کرو ضوفشاں! تمہارے آنسو مجھے تکلیف دے رہے ہیں۔" اس نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

"جو ہونا تھا، وہ ہو چکا۔ اب کیا فائدہ رونے کا۔ اٹھو منہ ہاتھ دھو کر فریش ہو جاؤ، کچھ کھا پی لو۔"

"رات کی فلائٹ سے میں نے کراچی کے لیے سیٹیں بک کروالی ہیں۔ وہاں سے ہم حیدرآباد جائیں گے۔ حیدرآباد میں میرے ماموں رہتے ہیں۔ میری ممانی بہت شفیق اور محبت کرنے والی ہیں۔ ہم کچھ دن وہاں قیام کریں گے۔ میں چاہتا ہوں، بابا اور اماں سے اس ساری صورتحال کے متعلق ماموں بات کریں۔" بات مکمل کر کے اس نے اس کی طرف دیکھا تو وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہوا ضوفشاں؟"

"کراچی.....تم نے کراچی کہا نا ایاز! وہاں تو بابا ہیں۔ وہ مجھے قتل کر دیں گے اور تمہیں بھی پھر..... پھر وہ خود....." اس کے لبوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر لفظ نکلے تھے۔

"کچھ نہیں ہوگا ضوفشاں! میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔"

اس نے اس کا بازو تھپتھپا کر تسلی دی تھی لیکن جب تک وہ حیدرآباد نہ پہنچ گئے، وہ خوف زدہ رہی تھی۔ وہ مرنے سے نہیں ڈرتی تھی لیکن بابا۔ نہیں وہ بابا کو نہیں کھو سکتی تھی۔ وہ زندہ رہیں بھلے وہ ان سے کبھی نہ مل سکے۔ شاہو کے سر سے باپ کا سایہ کبھی جدا نہ ہو۔

ایاز کے ماموں چند سال ہی ایاز سے بڑے تھے۔ وہ اس کے ماموں کم اور دوست زیادہ تھے۔ پہلے تو انہوں نے اسے خوب برا بھلا کہا اور پھر دونوں سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ ممانی بھی ایسی ہی تھیں شفیق سی۔ بڑی بہنوں جیسی۔

"غضب خدا کا۔ یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے۔ شکن آلود، ملگجے سے کپڑے۔ پہلے نہا کر فریش ہو کر آجاؤ پھر باتیں کرتے ہیں۔"

انہوں نے فوراً ہی اپنا ایک جوڑا نکال کر اسے پکڑایا۔

"فی الحال اسے پہنو، کل تمہارے لیے کچھ ریڈی میڈ سوٹ لے آؤں گی۔" دبلی پتلی مامی کے

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

کپڑے اسے تقریباً پورے ہی تھے۔

دوسرے ہی دن ماموں ایاز کو لے کر سمندری روانہ ہو گئے تھے۔ جانے سے پہلے ایاز نے کہا تھا۔

''امید ہے ماموں، بابا اور اماں کو منا لیں گے تو پھر ہم سمندری چلیں گے۔ ہماری حویلی تمہاری حویلی جیسی اونچی برجیوں اور سنہری کلس والی نہیں ہے لیکن مجھے یقین ہے، تم وہاں خوش رہو گی۔''

وہ خاموش ہی رہی تھی کیا کہتی۔ شاید اب اسے کبھی خوش نہیں ہونا تھا۔ خوشی تو وہ وہاں اندھیری رات میں دارا کلاں کی حویلی کی دہلیز پر ہی چھوڑ آئی تھی۔

ایاز کے جانے کے بعد مامی نے کہا تھا۔

''یہ آجی یوں تو ایک شرٹ بھی خریدنے سے پہلے دس دس مرتبہ ماموں کو فون کر کے مشورہ کرتا ہے کہ کون سا برانڈ لوں، کون سا کلر لوں..... اور اتنا بڑا فیصلہ کر لیا، نکاح کیا اور پھر تمہیں بھگا کر۔''

''نہیں۔'' اس نے ترپ کر مامی کی طرف دیکھا تھا۔ ''وہ بھگا کر نہیں لائے۔ مجھے اماں..... اماں نے زبردستی بھیجا۔ انہوں نے نکاح کروایا خود۔''

وہ بلک بلک کر رونے لگی تھی۔ مامی نے اسے ساتھ لگا لیا تھا۔

''اچھا پلیز، سوری۔ رو نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ خورشید منا لیں گے سب کو۔''

لیکن سب ٹھیک نہیں ہو سکا تھا..... ایاز کے بابا اور اماں ایاز سے ناراض ہو گئے تھے۔

''فکر نہ کرو۔ یہ ناراضی وقتی ہے۔ میں جانتا ہوں۔ آپا اور فیاض بھائی دونوں کو۔ زیادہ دیر خفا نہیں رہ سکیں گے، آجی اور تم سے۔'' ماموں نے انہیں تسلی دی تھی۔

''فی الحال یہاں مزے سے رہو۔''

لیکن ایاز کوشش کر رہا تھا کہ اسے باہر کہیں جاب مل جائے تو وہ کچھ عرصہ کے لیے ضوفشاں کو لے کر باہر چلا جائے۔ اس نے اپنا اور ضوفشاں کا پاسپورٹ بھی بنوا لیا تھا۔ وہ تقریباً تین ماہ حیدر آباد میں رہے تھے اور تین ماہ بعد ایاز کے بڑے ماموں کی کوشش سے اسے دبئی میں جاب مل گئی تھی۔ اس کے یہ بڑے ماموں پچھلے کئی سال سے دبئی میں مقیم تھے۔

حیدر آباد کے تین ماہ کے قیام کے دوران ان کی آپس میں بہت کم بات ہوئی تھی۔

دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم رہتے تھے۔

وہ ہر وقت سہمی سہمی سی رہتی۔ اسے لگتا تھا جیسے بابا اسے ڈھونڈتے ہوئے کسی روز حیدر آباد پہنچ جائیں گے۔ دروازے پر بیل ہوتی تو وہ کانپ جاتی، رنگ زرد پڑ جاتا رات کو سوتے ہوئے چیخ مار کر اٹھ جاتی۔ کبھی خواب دیکھتی کہ بابا کے منہ پر کپڑا ڈالے سیاہی انہیں پھانسی گھاٹ کی طرف لے جا رہے ہیں۔ کبھی دیکھتی، اماں سر پر سفید دوپٹہ لیے زمین پر ہاتھ مار مار کر چوڑیاں توڑ رہی ہیں۔ ایاز بہت نرمی اور محبت سے اسے سمجھاتا۔

''جو ہوا، اسے قبول کر لو ضوفشاں! کچھ وقت لگے گا لیکن ان شاء اللہ ایک دن سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ایک دن تم دارا کلاں اپنی حویلی میں ضرور جاؤ گی۔''

لیکن اماں نے تو اس سے وعدہ لیا تھا کہ وہ اب کبھی دارا کلاں واپس نہیں آئے گی۔ اس کا دل جیسے خون ہو جاتا۔ آنکھوں میں کرچیاں سی چبھنے لگتیں لیکن وہ خاموشی سے ایاز کی باتیں سنتی رہتی۔

مامی بھی بڑی بہنوں کی طرح سمجھاتی تھیں لیکن وہ اپنے دل کا کیا کرتی جو بجھتا جا رہا تھا۔

دبئی جانے سے پہلے مامی نے اس کے لیے بہت ساری شاپنگ کی تھی۔ کپڑے، جوتے اور کئی دوسری ضرورت کی چیزیں۔ دبئی میں ایک سال رہنے کے بعد وہ شارجہ آ گئے تھے۔ وہاں ایک غیر ملکی کمپنی میں ایاز کو بہت اچھی جاب مل گئی تھی۔ شارجہ میں ایاز کی بڑی بہن اور بہنوئی بھی مقیم تھے۔ ایاز دو تین بار ان سے ملنے شارجہ گیا تھا لیکن وہ ایک بار بھی دبئی نہیں آئی تھیں۔

دبئی میں ایک ماہ تو وہ بڑے ماموں کے فلیٹ

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

میں ہی رہے تھے پھر الگ اپارٹمنٹ لے لیا تھا۔ بڑے ماموں کی فیملی کراچی میں تھی، وہ یہاں اکیلے رہتے تھے۔ شارجہ میں بھی ایاز پہلے اپنی بہن کے گھر ہی آیا تھا۔

طاہرہ آپا ایاز سے صرف چار سال بڑی تھیں لیکن ایاز ان کا بے حد احترام کرتا تھا۔

''آپا نے کہا ہے جب تک تمہاری رہائش کا انتظام نہیں ہوتا تم میرے گھر ہی رہو۔''

ایاز نے اسے بتایا تھا اور پتا نہیں آپا اس کے ساتھ کیسا برتاؤ کریں گی لیکن وہ بھی چھوٹی مامی اور ماموں کی طرح بہت محبت سے ملی تھیں۔

''مجھے آجی پر بہت غصہ تھا۔ اس لیے میں دبئی نہیں آئی۔ جب آجی یہاں آیا دبئی تو ہم لوگ دو ماہ کی چھٹی پر پاکستان گئے ہوئے تھے۔ میں تو ابھی چار ماہ پہلے ہی آئی ہوں۔ عاطف پہلے آگئے تھے۔''

وہ بہت محبت سے اس کا ہاتھ پکڑے بتا رہی تھیں۔ ''کسی کو بھی آجی کی پسند پر، اس کی شادی کرنے پر اعتراض نہیں تھا۔ بس اس کا اس طرح نکاح کرنا اور پھر اس طرح تمہیں ساتھ لے کر آنا برا لگا تھا۔ اس لیے وہ اس سے خفا ہو گئے تھے۔''

اس نے حیرت سے انہیں دیکھا تھا۔ اماں نے تو اسے بتایا تھا کہ ایاز کے والدین راضی نہیں ہو رہے۔ پھر یہ طاہرہ آپا کیا کہہ رہی تھیں۔ ابھی نہ جانے کتنی اور حیرتیں اس کی منتظر تھیں۔

''لیکن ماں باپ آخر کب تک اولاد سے خفا رہ سکتے ہیں۔ وہ بھی اب آجی سے ناراض نہیں ہیں۔ اگلے ماہ وہ سب میرے پاس آرہے ہیں۔ دادا جان اور بابا تم سے ملنے کو بے چین ہیں میں نے سوچا ہے کہ ان کے آنے تک تم میرے پاس ہی رہو اور پھر باقاعدہ میرے گھر سے تمہاری رخصتی ہو اور ولیمے کا فنکشن بھی ہوگا۔ ضوفشاں! آجی نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔ زندگی ایسے نہیں گزرتی۔ جو ہونا تھا ہو چکا نہ تم نے ایسا چاہا ہوگا نہ آجی نے۔ بعض اوقات ہم تقدیر کے ہاتھوں میں کھلونا بن جاتے ہیں۔ تم دونوں کو اب نارمل زندگی گزارنی چاہیے۔ میں جانتی ہوں تم ایک سال سے ایک ہی چھت تلے اجنبیوں کی طرح رہ رہے ہو۔''

انہوں نے بہت شفقت اور پیار سے اسے سمجھایا تھا اور وہ چپ چاپ سر جھکائے سوچتی رہی تھی۔ کیا اس کے بابا بھی اب اس سے ناراض نہیں ہوں گے۔ کیا انہوں نے بھی اسے معاف کر دیا ہوگا۔

☆☆☆

اور پھر اس روز اس نے ایاز سے پہلی بار پوچھا تھا کہ ''کیا اماں کا اس سے رابطہ ہے۔ کیا کبھی انہوں نے اسے فون کیا؟'' تو ایاز نے اسے بتایا تھا کہ جب وہ حیدر آباد میں تھا تو اس نے کئی بار فون کرنے کی کوشش کی تھی لیکن نہ تو پی ٹی سی ایل پر اور نہ ہی ان کے موبائل پر رابطہ ہو سکا تھا۔

''لیکن اماں کے پاس تو سیل فون نہیں تھا۔'' وہ حیران ہوئی تھی۔

''لیکن انہوں نے تو مجھے اپنے سیل فون کا ہی نمبر دیا تھا اور جب بات کی اسی نمبر سے کی۔ لینڈ لائن کا نمبر تو میں نے منور سے لیا تھا، دراصل میں چاہتا تھا انہیں تمہاری خیریت کی اطلاع دے دوں۔ یہاں آکر بھی میں نے بہت بار رابطہ کرنے کی کوشش کی لیکن فون ہمیشہ بند ہی ملا۔''

تو اماں نے اس سے ہر رابطہ توڑ ڈالا تھا۔ گھر کا فون نمبر شاید تبدیل کروا لیا ہو اور خود بھی سم بدل ڈالی ہو۔

بابا کے فون کا نمبر اسے زبانی یاد نہیں تھا ورنہ وہ ایاز سے کہتی ایک بار..... ایک بار تو انہیں کال کر کے دیکھے۔ دل میں کرچیاں سی چبھی تھیں۔

''میں پاکستان گیا تو تمہاری اماں سے ملنے جاؤں گا۔ تم.....''

''نہیں ایاز پلیز۔ نہیں۔ آپ کبھی اماں سے ملنے نہیں جائیں گے..... کبھی نہیں..... وعدہ کریں۔''

اس کی رنگت یک دم زرد پڑ گئی تھی اور آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔ تصور میں ایاز کا خون آلود

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

جسم تھا اور بابا کا پھانسی کے تختے پر جھولتا وجود۔

"اوکے ریلیکس۔" ایاز نے اسے تسلی دیتے ہوئے اس کا ہاتھ تھپتھپایا تھا۔ "وعدہ..... نہیں جاؤں گا۔"

ایاز نے اس ایک سال میں اس کا ایسے ہی خیال رکھا تھا جیسے وہ کوئی کانچ کی نازک سی گڑیا ہو، جو ذرا سی ٹھیس سے ٹوٹ جائے گی۔

وہ سب ایسے ہی تھے۔ محبتیں کرنے والے۔ پاکستان سے ایاز کے بابا جان، اماں جی اور دادا جان آئے تو انہوں نے بھی اپنی محبتیں اور شفقتیں اس پر نچھاور کردیں۔ کاش یہ سب محبتیں اسے روایتی طریقے سے ملی ہوتیں تو وہ خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی سمجھتی۔ وہ اسی طرح رخصت ہو کر ایاز کے سنگ آتی جیسے سب لڑکیاں رخصت ہوتی ہیں۔ ماں باپ اور بہن بھائیوں کی دعاؤں کے سائے تلے۔ دلہن تو اسے بھی طاہرہ آپا نے بنایا تھا۔ اس کے لیے بہت قیمتی اور خوب صورت ڈریس پاکستان سے منگوایا تھا۔

"ہم نے آجی کی شادی کے لیے بہت خوب صورت خواب دیکھ رکھے تھے۔ جب آجی یونیورسٹی گیا تھا تو تب سے ہی میں اور باری پلان بناتے رہتے تھے کہ ہم ایسے مہندی لے کر جائیں گے۔ بارات ایسے جائے گی..... ولیمے کا فنکشن اس طرح کریں گے۔"

وہ اسے تیار کرتے ہوئے ہولے ہولے بتا رہی تھیں لیکن دکھ ان کے لہجے میں بولتا تھا۔

"میرا بھائی تم سے بہت محبت کرتا ہے۔ تم بہت پیاری ہو خوفشاں اور ہم سب کو بھی بہت پیاری ہو۔ ظاہری خوشیاں عارضی اور بے معنی ہوتی ہیں۔ ہمارے پلان، ہمارے منصوبے سب عارضی خوشیاں تھیں۔ اصل اور حقیقی خوشی بھائی کے لیے تمہاری رفاقت ہے اور ہم سب چاہتے ہیں کہ تم بھی اب سب کچھ بھول کر بھائی کو حقیقی خوشیاں دو۔ باری یوکے میں نہ ہوتا اور اس کا سمسٹر نہ چل رہا ہوتا تو وہ ضرور آتا۔ اس نے تمہارے لیے بہت ساری دعائیں اور گفٹ بھجوائے ہیں۔"

اس کی پلکوں پر اٹکے آنسو کو طاہرہ آپا نے اپنی انگلی سے پونچھا تھا۔

"اوں..... ہوں۔ رونا نہیں۔"

اور اس نے اپنے آنسو اپنے اندر اتار لیے تھے۔ اپنے آنسوؤں سے وہ ان اتنے پیارے لوگوں کو دکھی نہیں کرنا چاہتی تھی اور پھر وہ طاہرہ کے گھر سے رخصت ہو کر ایاز کے ولا میں آگئی۔ ایاز نے طاہرہ آپا کے ساتھ مل کر بہت خوب صورتی سے اسے فرنشڈ کیا تھا۔

ایاز کے بابا، ماما اور دادا جان مزید پندرہ دن ان کے ساتھ رہے تھے اور ان پندرہ دنوں میں اماں جان نے نئی دلہنوں کی طرح ہی اس کے لاڈ اٹھائے تھے۔ اسے کچن میں گھسنے نہیں دیا تھا۔

"ہمارے ہاں تو سال بھر دلہن کام نہیں کرتی۔ بعد میں تو تم نے ہی کرنا ہے۔ یہاں ہمارے ملک کی طرح ملازم تو نہیں ہوتے۔"

طاہرہ آپا بھی دن میں اپنے سال بھر کے بیٹے کے ساتھ آجاتی تھیں۔ ایرپورٹ جانے سے پہلے دادا جان نے بہت دیر تک اسے لپٹائے رکھا تھا۔

"دادا جان پلیز۔ مجھے معاف کردیجیے گا کہ میری وجہ سے....." اس کی آواز گھٹ گئی تھی۔

"نہ..... نہ میرے بچے۔ ہم تم سے ذرا سا بھی خفا نہیں تھے۔ ہمیں تو اس نالائق پر غصہ تھا کہ لڑکیاں تو کانچ کی طرح ہوتی ہیں۔ کرچی کرچی ہو جاتی ہیں اور پیچھے رہ جانے والے زندہ درگور ہو جاتے ہیں۔"

ان کی آواز بھرا گئی تھی اور اس نے شرمندہ ہوتے ہوئے سوچا تھا اس کے بابا اور شاہو بھی زندہ درگور ہو گئے ہوں گے۔ اس کے ہر دم ہنسنے والے بابا کے ہونٹوں کی مسکراہٹ بجھ گئی ہوگی۔ اب تو چوہدری جلیل کے ساتھ رات کو شطرنج کی بازی بھی نہ جماتے ہوں گے۔ شاید شاہو بھی اب کھیلنے نہ جاتا ہو۔

کاش وہ پیدا ہوتے ہی مر جاتی۔ کاش اماں نے پورے نو ماہ بیٹی کی پیدائش کی دعا نہ کی ہوتی۔

www.pakistanipoint.com

وہ ان سب کی محبتوں کی مقروض ہوگئی تھی۔ اس لیے کوشش کرتی تھی کہ ایاز کو اس سے کوئی شکایت نہ ہو۔ لیکن اس دل کا کیا کرتی جو بجھ گیا تھا اور اسے لگتا تھا جیسے زندگی دھیرے دھیرے اس کے اندر مر رہی ہو اور وہ اس مرتی ہوئی زندگی کو شعوری کوشش سے زندہ رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

☆☆☆

اس روز ایاز کی چھٹی تھی اور انہیں آپا کی طرف جانا تھا۔ وہ اچھی طرح تیار ہونا چاہتی تھی تاکہ آپا کو اس کے بجھے ہوئے دل کی جھلک نظر نہ آئے، وہ اسے دیکھ کر مطمئن ہو جائیں کہ وہ خوش ہے۔

اس روز اسے اس اٹیچی کیس کا خیال آیا تھا جو اماں نے اس کے ہمراہ کیا تھا۔ لیکن اس نے آج تک اسے کھول کر نہیں دیکھا تھا۔

حیدر آباد میں مامی نے اسے کافی کپڑے خرید کر دیے تھے وہ انہیں ہی استعمال کر رہی تھی پھر اب طاہرہ آپا اور اماں جان نے ڈھیروں کپڑے لے دیے تھے۔ وارڈ روب کے نچلے حصے سے اس نے اٹیچی کیس باہر نکالا تھا اور چابی یقیناً اس شولڈر بیگ میں ہوگی جو ایاز نے وارڈ روب میں ہی لٹکا دیا تھا اور اس کے خیال کے مطابق شولڈر بیگ کی چھوٹی پاکٹ سے اسے چابی مل گئی تھی اور وہ ایک سال دس ماہ بعد وہ اٹیچی کیس کھولے بیٹھی تھی جو اماں نے دیا تھا۔

سب سے اوپر گہرے نیلے رنگ کا شیفون کا مقیش کے کام والا سوٹ تھا۔ اس نے اماں کو بلقیس کے ساتھ مل کر اس پر مقیش کا کام کرتے دیکھا تھا۔

''پتا ہے آپو! اماں چھپ چھپ کر تمہارا جہیز تیار کر رہی ہیں۔''

شاہو کی چہکتی آواز اس کے کانوں میں آئی تو ہاتھ میں پکڑا دوپٹا اس کے ہاتھوں سے گر پڑا تھا اور وہ رونے لگی تھی اونچا اونچا، بلند آواز میں۔ کمرے میں آتے ایاز نے اسے یوں روتے دیکھا تو کچھ دیر رونے دیا۔ اچھا ہے دل کی بھڑاس نکل جائے گی پھر آگے بڑھ کر آہستہ سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''ضوفی!''

وہ اسے ضوفی کہتا تھا کہ ضوئی کہنے سے اسے تکلیف ہوتی تھی کہ اس کی اماں اور بابا اسے ضوئی کہتے تھے۔

''آج جتنا رونا ہے، جی بھر کر رو لو۔ میرا کندھا حاضر ہے، جتنے آنسو بہانے ہیں بہا لو۔''

وہ اس کے پاس ہی نیچے کارپٹ پر بیٹھ گیا تھا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔

''اتنی چپ چپ، اتنی اداس نہ رہا کرو۔ تمہیں یوں دیکھتا ہوں تو اپنا آپ مجرم سا لگنے لگتا ہے۔ ہمیں اب زندگی کا سفر اکٹھا ہی طے کرنا ہے۔ کل کو ہمارے بچے بھی ہوں گے تو تمہاری یہ اداسی اور میرا یہ مجرم وجود ان کی زندگیوں کو بھی متاثر کرے گا۔ کاش میں نے تم سے محبت نہ کی ہوتی ضوفی! لیکن خدا گواہ ہے کہ میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا تھا کہ تمہیں اس طرح اپنی زندگی میں شامل کروں گا۔ مجھے تو تمہاری عزت اور وقار کا اتنا خیال تھا کہ چاہنے کے باوجود میں نے کبھی تمہیں گہری نظر سے نہیں دیکھا۔ میں کلاس روم میں اور ہر جگہ نگاہیں جھکائے رکھتا تھا کہ کہیں کوئی میری نظروں سے اس محبت کا بھید نہ پالے جو میں نے دل کی گہرائیوں میں چھپا رکھی ہے۔''

''میں نے بھی ایسا نہیں سوچا تھا کہ میں یوں اپنے بابا کو زندہ درگور کر دوں گی۔ اگر آپ کے بابا مان جاتے اور اگر آپ خودکشی نہ کرتے تو.....''

''کیا..... کیا مطلب ہے تمہارا؟ کیا میں اتنا کمزور مرد تھا کہ تمہارے نہ ملنے کی صورت میں حرام موت مرتا۔ یہ تو تم تھیں کہ تم نے چوہے مار گولیاں کھالی تھیں اور بہت مشکل سے تمہاری جان بچائی جا سکی تھی۔ تمہاری اماں کے اصرار پر میں تم سے نکاح کر چکا تھا۔ اب تم میری بیوی تھیں اور تمہاری حفاظت میری ذمہ داری تھی۔ اس لیے میں.....'' وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''اماں نے جھوٹ بولا۔ مجھ سے بھی اور تم سے بھی آجی۔ لیکن کیوں..... کیوں آجی؟'' وہ اسے

www.pakistanipoint.com
Nazar Azeem

جھنجوڑ رہی تھی۔

''ریلیکس ضوفی۔ ریلیکس۔''

اس نے اسے ساتھ لگالیا تھا اور ہولے ہولے تھپکنے لگا تھا..... لیکن اس ''کیوں'' کا جواب نہ آج کے پاس تھا نہ اس کے پاس اور پورے پندرہ برسوں میں اسے اس سوال کا جواب نہیں ملا تھا۔

کئی بار ایاز نے کہا تھا کہ وہ خود جا کر اماں سے پوچھتا ہے کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا۔ لیکن ہر بار اس نے اسے روک لیا۔ اسے اب شاہو کو ہی نہیں اپنے بچوں کو بھی یتیم ہونے سے بچانا تھا کہ اماں نے اس کے پاؤں میں وعدے کی زنجیریں ہی نہیں ڈالی تھیں۔ ایک خوف بھی اس کے ہمراہ کر دیا تھا۔

اور اس نے پورے پندرہ برس اس خوف کے ساتھ گزار دیتے تھے اور پورے پندرہ برس اس ''کیوں'' کا جواب ڈھونڈا تھا اور.....

ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئی تھی۔ اللہ نے اسے تین بیٹوں سے نوازا تھا۔ ہر بار جب وہ امید سے ہوتی تھی تو رو رو کر اللہ سے دعا مانگتی کہ اللہ اسے بیٹی نہ دے کہ اس جیسی بیٹیاں ماں باپ کے سر جھکا دیتی ہیں، انہیں زندہ درگور کر دیتی ہیں۔ ایاز نے ہمیشہ اس کا بہت خیال رکھا۔ محبت کرنے والا رفیق سفر، پیارے پیارے بچے سب کچھ تھا اس کے پاس۔ وجہ زندگی کو مکمل طور پر جینا چاہتی تھی۔ اسے اماں سے اپنے سوال کا جواب چاہیے تھا۔

☆☆☆

''ضوفی!'' ایاز نے اس کی لرزتی پلکوں کو دیکھا اور اس کے بالوں میں چلتی اس کی انگلیاں کچھ دیر کو تھم گئیں۔

''سوئی نہیں ہو ابھی تک؟''

''نیند نہیں آرہی۔''

اس نے ذرا کی ذرا آنکھیں کھول کر ایاز کی طرف دیکھا۔

''صبح تم نے دارا کلاں بھی جانا ہے ضوفی۔ سونے کی کوشش کرو۔ اچھا ٹھہرو..... میں تمہیں پرسکون نیند کے لیے تمہاری دوا دیتا ہوں۔''

اس نے اٹھ کر بیگ سے نیند کی گولی نکالی اور بیڈ سائڈ ٹیبل سے پانی کی بوتل اٹھا کر گلاس میں پانی ڈالا۔ اس نے بنا کچھ کہے گولی نگل لی تھی اور لیٹ کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ پہلی بار اماں نے اسے نیند کی گولی کھلائی تھی اور ان پندرہ سالوں میں اکثر اسے سونے کے لیے ان گولیوں کی ضرورت پڑتی تھی۔

ایاز ایک بار پھر ہولے ہولے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا تھا۔ اسے ضوفشاں سے محبت تھی۔ وہ اسے پہلی نظر میں ہی اچھی لگی تھی۔

اس کی سادگی، اس کی حیا اسے دوسری لڑکیوں سے منفرد بناتی تھی۔ اسے پتا ہی نہیں چلا تھا کہ کب وہ اس کی محبت میں مبتلا ہوا تھا اور کب اس نے اسے زندگی بھر کا ساتھی بنانے کا فیصلہ کیا۔ منور کی وجہ سے ہی وہ اس کی والدہ سے متعارف ہوا تھا۔ وہ اس سے بہت محبت سے ملی تھیں اور وہ بھی ان کے لیے اپنے دل میں بہت اپنائیت محسوس کرتا تھا۔ منور کی وجہ سے ہونے والی چند اتفاقیہ ملاقاتیں انہیں قریب لانے کا سبب بنی تھیں۔

اس نے ضوفشاں سے لمبی چوڑی باتیں نہیں کی تھیں، بس ایک روز اسے بتایا تھا کہ وہ اپنے والدین کو امتحان کے بعد اس کے گھر بھیجے گا۔ اس روز اس کا چوتھا پیپر تھا۔ جب منور نے پیپر کے بعد اسے بتایا تھا کہ ضوفشاں کی والدہ اس سے ملنا چاہتی ہیں۔ وہ حیران ہوا تھا لیکن ان سے ملنے چلا گیا تھا۔ وہ یونیورسٹی کے قریب ہی ایک ٹی ہاؤس میں اس کی منتظر تھیں۔

''ضوئی نے بتایا تھا کہ تم اپنے والدین کو ہمارے گھر بھیجنا چاہتے ہو۔ میں نے اس کے بابا سے سرسری سی بات کی تھی لیکن وہ خاندان سے باہر رشتہ دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ میں کوشش کروں گی کہ انہیں منالوں، اس لیے جب تک میں تمہیں نہ کہوں، اپنے والدین کو مت بھیجنا۔ اس کے بابا بہت غصے والے ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ وہ تمہارے والدین کو

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

انکار کرتے ہوئے ان کی بے عزتی کردیں۔ میرے لیے میری بیٹی کی خوشی اہم ہے لیکن وہ بہت انا پرست شخص ہیں۔ وہ اپنی انا کی خاطر اپنی اولاد کو بھی قربان کرسکتے ہیں۔"

انہوں نے نہ صرف یہ کہ اس سے اس کا فون نمبر لیا تھا بلکہ اپنا ذاتی نمبر بھی دیا تھا۔ وہ پریشان ہوگیا تھا، ابھی تو محبت کی کونپل نے اس کے دل کی زمین پر آنکھ کھولی ہی تھی کہ اسے ہجر کا سندیسہ مل گیا تھا۔

اور پھر اگلے پیپرز میں جان بوجھ کر وہ ضوفشاں کے سامنے نہیں آیا تھا۔ شدید چاہت کے باوجود آخری دن بھی وہ اس سے ملے بنا گھر آگیا تھا جبکہ باقی طلبا سب کو خدا حافظ کہہ رہے تھے۔ وہ بہت مضبوط اعصاب کا لڑکا تھا پھر بھی اپنی محبت کو آخری بار دیکھنے کا حوصلہ نہ تھا۔

وہ اداس سا گاؤں واپس چلا گیا تھا اور وہاں اکثر ضوفشاں کی والدہ کا فون آجاتا۔ وہ اسے تسلی بھی دیتی، امید بھی دلاتی تھیں اور اس امید کے پلو میں بہت سارے وسوسے بھی باندھ دیتی تھیں۔

"میری ضوئی بہت افسردہ رہتی ہے۔ میں نے اس کی آنکھوں میں تمہاری محبت کے اتنے گہرے رنگ دیکھے ہیں کہ مجھے ڈر لگتا ہے بیٹا! اگر اس کے بابا نہ مانے تو..... وہ تو مرجائے گی۔"

"آپ اسے سمجھایا کریں آنٹی! یہ ضروری نہیں ہوتا کہ جو لوگ دل کو اچھے لگیں، وہ زندگی کے سفر میں آپ کے ہمراہی ہوں۔"

وہ بہت بردباری کا مظاہرہ کرتا تھا لیکن ضوفشاں کی حالت پر افسردہ بھی ہوجاتا۔ دل کو کچھ ہونے لگتا تھا۔

"تم مرد ہو بیٹا..... حوصلہ مند اور سمجھ دار لیکن وہ لڑکی ہے۔ کمزور اور تھڑدلی۔ جس کے لیے دل کے دروازے ایک بار کھلے ہیں، اس کی علاوہ کسی اور کو اس دروازے سے اندر آنے کی اجازت نہیں دینے والی۔"

وہ ایسی ہی باتیں کرتی رہتی تھیں پھر ایک روز ان کا فون آیا تھا۔ شاید بیس دن بعد یا شاید ایک ماہ بعد۔ اسے ٹھیک سے یاد نہیں تھا۔

"مجھ سے ضوئی کی حالت نہیں دیکھی جاتی۔ تم ضوئی سے نکاح کرلو..... یہاں شہر آجاؤ۔ میں ضوئی کو لے کر اپنی ایک دوست کے گھر آجاؤں گی۔ اس نکاح کے متعلق تم کسی سے ذکر مت کرنا۔ کچھ روز بعد میں ضوئی کے بابا سے کہوں گی کہ میں نے تم سے ضوئی کا نکاح کردیا ہے کیونکہ میں اپنی بیٹی کی حالت نہیں دیکھ سکتی۔ نکاح کے بعد وہ کچھ نہیں کرسکیں گے اور پھر اپنی عزت کی خاطر وہ تمہارے والدین کو انکار نہیں کرسکیں گے۔"

وہ ششدر رہ گیا تھا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں..... ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔ میں اپنے والدین کو دھوکا نہیں دے سکتا۔"

"تو ٹھیک ہے پھر ضوئی کا خیال دل سے نکال دو۔ اگر اس نے اپنے ساتھ کچھ کرلیا تو اس کے ذمہ دار تم ہوگے۔"

"میری ضوئی سے بات کروادیں، میں اسے سمجھاتا ہوں۔"

لیکن انہوں نے اس کی ضوفشاں سے بات نہیں کروائی تھی۔ ہاں خود تقریباً ہر روز ہی فون کرتی تھیں۔ وہ متذبذب تھا۔ لیکن پھر کسی نہ کسی طرح انہوں نے اسے قائل کر ہی لیا کیونکہ ضوفشاں نے خودکشی کی کوشش کی تھی۔

"اگر اسے کچھ ہوگیا تو تم اس کے قاتل ہوگے۔"

وہ رو رہی تھیں اور وہ جو متذبذب تھا۔ ان جذباتی لمحوں میں فیصلہ کرکے دارا کلاں کے قریبی شہر پہنچ گیا تھا۔

دونوں طرف کے گواہوں اور نکاح خواں کا انتظام انہوں نے ہی کیا تھا۔ اس کی زندگی کے اتنے اہم موقع پر ماں باپ شامل نہیں تھے۔ یہ ندامت اسے ان سے نظریں نہ ملانے دیتی تھی کہ ایک روز پھر ان کا فون آگیا۔ وہ بے حد گھبرائی ہوئی اور پریشان

Waqar Azeem Pakistanipoint.com
www.pakistanipoint.com

تھیں۔

''ضوئی کے بابا کو اس نکاح کا پتا چل گیا ہے۔ شاید گواہوں میں سے کسی نے بتا دیا ہے انہیں..... وہ کراچی میں ہیں لیکن انہوں نے قسم کھائی ہے کہ واپس آتے ہی وہ تمہیں اور ضوئی کو قتل کر دیں گے۔ تمہیں اللہ کا واسطہ میری بیٹی کو بچالو۔ وہ صرف میری بیٹی ہی نہیں تمہاری بیوی بھی ہے۔ میری بیٹی قتل ہو جائے گی..... میرا شاہو یتیم ہو جائے گا۔''

وہ رو رہی تھیں اور روتے ہوئے جو کچھ کہہ رہی تھیں۔

وہ اسے خوف زدہ بھی کر رہا تھا اور دکھی بھی۔ وہ جو بھی پہلی شرمندگی کے بوجھ تلے سے نہیں نکلا تھا۔ دوبارہ شرمندگی کا گٹھڑ سر پر رکھنے کے لیے گھر سے نکل پڑا تھا۔

اس نے ایک گہری سانس لے کر ضوفشاں کی طرف دیکھا۔

وہ سو چکی تھی۔ سوتے میں بھی اس کے چہرے پر سکون نہیں تھا جس سوال کا جواب جاننے کی بے چینی اسے مضطرب رکھتی تھی۔ وہ بھی اس سوال کا جواب جاننا چاہتا تھا۔ ایک بار جب وہ سمندری گیا تھا تو اس نے دادا جان کو سب بتا کر مشورہ مانگا تھا۔

''دادا جان! میں دارا کلاں جانا چاہتا ہوں اور ضوئی کی اماں سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا۔ کیوں جھوٹ بولا ہم دونوں سے۔''

دادا جان نے ساری بات سن کر اسے منع کر دیا تھا۔

''بعض سوالوں کے جواب بڑے تکلیف دہ ہوتے ہیں بیٹا! ان کا کھوج نہیں کرنا چاہیے۔ وقت خود ہی ان کا جواب دے دیتا ہے۔''

یوں پندرہ برس بیت گئے تھے۔ سال دو سال بعد وہ سمندری کا چکر لگا لیتا تھا۔ درمیان میں کبھی وہ سب ملنے آجاتے تھے۔ اس نے کبھی ضوفشاں کو سمندری چلنے کے لیے نہیں کہا تھا بس ایک بار صرف باری کی شادی پر وہ چند دن کے لیے سمندری گئی تھی۔

اس کے بابا جان اور اماں جان نے گاؤں میں سب کو یہی بتایا تھا کہ شارجہ میں ضوفشاں کو طاہرہ نے پسند کیا تھا اور پھر ضوفشاں کی والدہ کی بیماری کی وجہ سے ایمرجنسی میں شادی کرنا پڑی تھی۔ اسے اپنے والدین پر فخر تھا۔ کاش سب کچھ روایتی طریقے سے ہوتا تو زندگی مکمل ہوتی۔

منور سے اس روز اچانک ہی پندرہ سالوں بعد برج خلیفہ میں ملاقات ہو گئی تھی۔ وہ اس کی شادی کے فوراً بعد ہی جرمنی چلا گیا تھا۔ وہاں اسے سیاسی پناہ مل گئی تھی چونکہ وہ بھی دبئی آ گیا تھا تو پھر رابطہ نہ ہو سکا تھا اور اب اتنے سال بعد ملا تو اس نے پوچھا تھا کہ آپا بلقیس کا کیا حال ہے اور کیا وہ دارا کلاں جاتا رہتا ہے۔

''میں نے چونکہ اسائلم لے رکھا تھا اس لیے پاکستان واپس نہیں آ سکا لیکن تین سال پہلے میں آ گیا تھا اور ان ہی دنوں بلقیس آپا کا انتقال ہو گیا تب میں گیا تھا۔ دارا کلاں اور وہاں آپا کے سسرال میں ضوفشاں کی والدہ ملی تھیں اور انہوں نے کہا تھا کہ جب بھی تم یا ضوئی ملو تو تمہیں پیغام دوں کہ ایک بار آ کر ان سے مل جائیں۔ وہ بہت کمزور ہو گئی تھیں اور کافی بیمار بھی لگتی تھیں۔

سمندری تو میں گیا نہیں تھا۔ میرے جرمنی جانے کے کچھ عرصہ بعد ہی اماں کا انتقال ہو گیا تھا اور ابا گاؤں کی زمین وغیرہ بیچ کر فیصل آباد ثریا آپا کے پاس چلے گئے تھے۔ میں جرمنی سے ان کے پاس ہی آیا تھا۔ ایک دو دوستوں سے فون پر بات ہوئی تھی لیکن انہیں بھی تمہارے متعلق علم نہیں تھا پھر مجھے فوراً ہی ابوظہبی میں جاب مل گئی تو یہاں آ گیا۔ وہاں رہتا تو شاید سمندری جا کر تمہارے گھر سے تمہارے متعلق پوچھتا۔''

اس نے بے حد تفصیل سے بتایا تھا اور اسی وقت اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ضوفشاں کو لے کر فوراً ہی پاکستان جائے گا کہ ان کی زندگی کے آسمان پر یہ جو سیاہ بادل ''کیوں'' کی شکل میں چھایا ہوا، انہیں

WaqarAzeem www.pakistanipoint.com

پورے طور پر خوش نہیں ہونے دیتا تھا..... چھٹ جائے۔

بظاہر زندگی بالکل مکمل تھی۔ تین ذہین خوب صورت بیٹے، من پسند ساتھی لیکن پھر بھی ایک کمی سی تھی اور اس کی بھی خواہش تھی کہ یہ کمی اب نہ رہے۔ وہ کھل کر ہنسنا چاہتا تھا اور زندگی کی رعنائیوں کو پوری طرح محسوس کرنا چاہتا تھا۔

اس نے ذرا سا رخ موڑ کر ضوفشاں کی طرف دیکھا۔ وہ گہری نیند سو چکی تھی۔ اس نے اٹھ کر لائٹ آف کی اور خود بھی آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگا۔

☆☆☆

گاؤں کی مسجد میں عشاء کی اذان ہو رہی تھی۔ جب ایاز نے اپنی گاڑی پکی سڑک سے اتار کر دوراہے پر روکی۔ ایک راستہ دارا کلاں کی طرف جا رہا تھا اور ایک دارا خورد کی طرف۔ دور بڑی حویلی اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اوپر آسمان پر کہیں کہیں کوئی ستارہ ٹمٹما رہا تھا۔ چاند بادلوں کے پیچھے چھپا تھا۔ گاؤں کے گھروں سے کہیں کہیں دھواں اٹھتا نظر آتا تھا اور کسی گھر سے ہلکی سی روشنی کی لکیر نظر آتی تھی۔

''تھوڑا سا آگے چل کر ایک پرانا بڑ کا درخت ہے، اس کے قریب گاڑی روک دیجیے گا۔''

ضوفشاں نے ایاز کی سوالیہ نظروں کے جواب میں کہا۔

''میں وہاں سے پیدل ہی حویلی تک جاؤں گی۔''

ایاز نے سر ہلا دیا۔ ضوفشاں نے صبح کے وقت دارا کلاں آنے سے منع کر دیا تھا۔

''جہاں سے رات کے اندھیرے میں نکلی تھی، وہاں دن کی روشنی میں کیسے جا سکتی ہوں۔''

اور تب ایاز نے خود ساتھ آنے کا فیصلہ کیا تھا۔ رات کے وقت اسے شیر زمان کے ساتھ اکیلے بھیجنا مناسب نہیں لگا تھا۔ سو شیر زمان کو واپس فروا کے گھر اتار کر وہ خود ڈرائیو کر کے یہاں تک آیا تھا۔ حویلی پہلے آتی تھی۔ گاؤں کی آبادی ذرا آگے تھی، سو گاڑی سے اتر کر اس نے اچھی طرح سے چادر لپیٹ لی یوں کہ سوائے آنکھوں کے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔

''میں اگر بہت دیر تک واپس نہ آؤں تو تم واپس چلے جانا اور میرے بعد بچوں کا بہت خیال رکھنا۔''

وہ اب بھی خوفزدہ تھی۔

''میں تمہارے ساتھ ہی چلتا ہوں۔ مجھے یقین ہے، کچھ نہیں ہوگا۔ تمہاری اماں نے خود بلایا ہے تمہیں۔'' اس نے ضوفشاں کا ہاتھ دبایا۔

''نہیں پلیز..... بچوں کو آپ کی ضرورت ہوگی اگر خدانا خواستہ دونوں ہی نہ رہے تو..... مجھے جانے دو آج۔''

اور وہ ایاز کا ہاتھ چھڑا کر آگے بڑھ گئی۔ اس کی پوری زندگی ان بیتے پندرہ سالوں کے سوا یہاں اسی دارا کلاں میں گزری تھی۔ وہ جانتی تھی، کیسے کسی کی بھی نظر میں آئے بغیر حویلی کے اندر پہنچ سکتی تھی۔ بابا اگر عشاء کی نماز پڑھنے مسجد گئے ہوئے ہوں گے تو چھوٹا گیٹ کھلا ہوگا۔ جو بڑے گیٹ کے ساتھ ہی دائیں طرف تھا اور اگر گیٹ بند ہوا تو وہ احاطے کی طرف سے اندر جا کر ملازمین کے رہائشی حصے کی طرف سے اندر چلی جائے گی لیکن چھوٹا گیٹ نیم وا تھا۔ وہ وسیع صحن کو عبور کرتی برآمدے میں آئی تھی۔ برآمدے کی چھت پر بے شمار چھوٹے چھوٹے بلبوں والا فانوس آج بھی جل رہا تھا۔ پھر بھی برآمدہ ویران اور بے رونق لگ رہا تھا۔ اس نے کچھ دیر رک کر سب کمروں کی طرف دیکھا۔

سب کے دروازے بند تھے صرف اس کے کمرے کا دروازہ نیم وا تھا اور اس سے روشنی کی لکیر باہر آ رہی تھی۔ اس وقت اس کے کمرے میں کون ہوگا بھلا۔ کیا شاہو؟

اس نے رخ پھیر کر شاہو کے کمرے کے دروازے پر نظر ڈالی۔ پندرہ سالوں میں بھلا وہ بھول

www.pakistanipoint.com
Azad Azeem

اتی تھی کہ کس کا کون سا کمرہ تھا۔ لیکن سب کمرے اندھیرے میں ڈوبے ہوئے تھے۔ صرف ایک اس کا کمرہ روشن تھا۔ وہ ہولے ہولے چلتی ہوئی کمرے تک آئی اور دروازے کو دھکیلا۔ سامنے ہی بیڈ پر دیوار کی طرف رخ کیے کوئی لیٹا ہوا تھا۔ شاید اماں..... دروازہ کھلنے کی آہٹ پر انہوں نے پوچھا۔

''بتولاں! ضوئی کے بابا مسجد سے آ گئے کیا؟''

اور ساتھ ہی کروٹ بدل کر دروازے کی طرف دیکھا۔ وہ کمرے کے اندر دروازے کے پاس ساکت کھڑی تھی۔ چادر اس کے چہرے سے ڈھلک گئی تھی۔

''ضوئی!'' وہ تڑپ کر اٹھی تھیں۔

ان کی وہ سنہری رنگت دھوئیں کے رنگ جیسی ہو رہی تھی۔ آنکھوں کے نیچے حلقے پڑے ہوئے تھے۔

''ضوئی! تم آ گئیں۔ میں نے بہت دعائیں کی تھیں کہ بس ایک بار تم آ جاؤ اور میں تم سے معافی مانگ سکوں۔ میں تمہاری مجرم ہوں۔ تمہاری گناہ گار۔''

وہ اسے لپٹائے ہوئے رو رہی تھیں۔ اس رات کی طرح جب وہ پچھلے دروازے کے پاس راہداری میں کھڑی تھی۔ آج بھی اس کے بازو پہلوؤں میں لٹکے تھے۔ اماں کو گلے لگانے کے لیے اس نے انہیں اوپر نہیں اٹھایا تھا۔ آج بھی اس کی آنکھیں خشک صحرا بن گئی تھیں۔

اس نے آہستگی سے انہیں خود سے الگ کیا اور انہیں بازو سے تھام کر ان کے بیڈ تک لائی اور بیڈ پر بٹھاتے ہوئے خود نیچے کارپٹ پر بیٹھ گئی اور ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھا۔

''پندرہ برس..... پندرہ برس میں نے اس سوال کا جواب کھوجتے ہوئے گزار دیے کہ آپ نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ آپ نے مجھے جنم دیا۔ میرے لیے اللہ سے دعائیں کیں۔ آپ میری ماں تھیں اور آپ نے ہی مجھے بے توقیر کر دیا۔ کیا بیٹیاں ایسے ہی رخصت کی جاتی ہیں جیسے آپ نے کیا.....

میں نے ان پندرہ سالوں میں سینکڑوں بار خود کو خود ہی اس سوال کا جواب دیا اور پھر خود ہی رد کر دیا۔ کبھی سوچتی تھی کہ آپ نے شاید محبت کی اور ناکام ہوئیں اور مجھے ناکام نہیں دیکھنا چاہتی تھیں۔ شاید آپ چاہتی تھیں کہ مجھے میری محبت مل جائے لیکن آپ نے ایک محبت مجھے دینے کے لیے کتنی محبتیں مجھ سے چھین لیں۔ میری پہلی محبت پہلا عشق تو یہ حویلی، آپ، بابا، شاہو اور دارا کلاں تھا۔ آپ نے ان پندرہ سالوں میں کبھی سوچا کہ آپ نے میرے ساتھ، اپنی ضوئی کے ساتھ کتنا ظلم کیا۔''

''ضوئی!'' انہوں نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

''مجھے معاف کر دو۔ اپنی ماں کو معاف کر دو ضوئی!''

''مائیں بیٹیوں سے معافی نہیں مانگتیں۔ اماں بس مجھے میرے سوال کا جواب دے دیں۔ آپ نے ایسا کیوں کیا۔ اگر آپ مجھ سے اور ایاز سے جھوٹ نہ بولتیں تو.....''

''میں تمہیں آج تمہارے سوال کا جواب دوں گی ضوئی! میں پچھلے چار سالوں سے ہر ایک سے تمہارا پتا پوچھتی پھرتی ہوں۔ بتولاں سے، مانو سے، منور سے اور پھر ان کے ہاتھ تمہاری طرف سندیسے بھجواتی رہی ہوں کہ اگر تم کسی کو ملو تو..... مجھے پتا تھا۔ تم خود سے کبھی نہیں آؤ گی۔ میں نے خود ہی تو تمہیں منع کیا تھا آنے سے..... اور مجھے پتا تھا کہ جب تم آؤ گی تو مجھ سے اس سوال کا جواب ضرور مانگو گی۔''

وہ ہولے ہولے بول رہی تھیں، جیسے خود سے باتیں کر رہی ہوں اور ضوفشاں سر جھکائے انہیں سنتی تھی۔

''میں بھی تمہاری طرح اپنے بابا کی بہت لاڈلی تھی۔ بابا کی ہی نہیں سارے ددھیال کی لاڈلی کہ پورے خاندان میں کسی کے گھر بیٹی نہیں تھی۔ میرے تایا اور چچا بھی میرے لاڈ ایسے ہی اٹھاتے تھے جیسے بابا۔ میرے بھائی مجھ پر جان چھڑکتے تھے۔ ایک مجھ سے چار سال بڑا اور ایک دو سال بڑا تھا گو ہم گاؤں

www.Paksociety.com

کے رہنے والے تھے، زمین دار لیکن تعلیم کا شعور تھا۔ سو میٹرک کے بعد میں ملتان کالج میں داخل ہوگئی اور ہوسٹل میں رہنے لگی۔ میری روم میٹس میں سے ایک لڑکی فرحت بھی تھی۔ ہم دونوں اچھی دوست تھیں، وزیٹرز ڈے پر فرحی کا بھائی ملنے آتا یا میرے بھائی تو ہم دونوں ہی ملنے جاتے تھے۔ پھر فرحی کے بھائی کے ساتھ کبھی کبھار اس کا ایک دوست آنے لگا۔ وہ بہت وجیہہ اور بہت متاثر کن شخصیت کا مالک تھا۔ میں اس سے متاثر ہوگئی تھی اور ایک دن مجھے لگا کہ میں اس سے محبت کرنے لگی ہوں۔

کیا وہ میرے بابا سے بھی زیادہ وجیہہ' زیادہ متاثر کن شخصیت کا مالک تھا؟'' بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا تھا۔

''وہ تمہارے بابا ہی تھے ضوئی!''

ایک زخمی سی مسکراہٹ ان کے چہرے پر آ کر ٹھہر گئی۔

''میرے بابا!'' ضوفشاں کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

''ہاں تمہارے بابا۔ یہ بھی مجھ سے محبت کرنے لگے تھے۔ میں محبت کے اس سفر میں تنہا نہیں تھی۔ جب انہوں نے اظہار کیا تو میں جیسے ہواؤں میں اڑنے لگی تھی۔ میں کم عمر تھی اور چاہے جانے کا احساس مجھے مغرور کرتا تھا۔ تمہارے بابا اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے۔ بہت بڑی جاگیر کے مالک تھے۔ ان کے والدین نے نہ صرف یہ کہ وہاں ان کی رہائش کے لیے گھر خریدا ہوا تھا بلکہ ان کے ساتھ گاؤں سے ملازم بھی آئے ہوئے تھے۔ ماسی جنت اور ان کی بیٹی بتولاں کچن کا کام کرتی تھیں اور گھر بھی سنبھالتی تھیں۔ ایک بار انہوں نے ہم چاروں کو فرحت، نورین' صابرہ اور مجھے گھر پر دعوت دی تھی۔

سب کہتی تھیں، میں بہت لکی ہوں کہ مدثر جیسا لڑکا مجھ سے محبت کرتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے نا ضوئی کہ جو ہم سمجھتے ہیں، ویسا نہیں ہوتا تو میں بھی لکی نہیں تھی۔ میں تو بہت بدنصیب تھی شاید..... جس زندگی کے خواب میں نے اور مدثر نے دیکھے تھے۔ وہ ہمارے نصیب میں نہیں تھی۔

میرے بابا جان نے مدثر کے بابا جان کو رشتہ دینے سے انکار کر دیا تھا کیونکہ میرا رشتہ بچپن میں ہی میرے تایا زاد سے طے کر دیا گیا تھا چونکہ صرف بڑوں میں زبانی بات ہوئی تھی، اس لیے مجھے علم نہ تھا۔

جب علم ہوا تو مدثر کی محبت میری رگوں میں خون بن کر دوڑنے لگی تھی اور مجھے یقین تھا کہ میری ہر خواہش پوری کرنے والے بابا جان میری یہ خواہش بھی پوری کر دیں گے اور یہ یقین مدثر کو بھی تھا تب ہی انہوں نے انکار کے بعد دوبارہ اپنے والدین کو یہ کہہ کر بھیجا کہ اس رشتے کے ہونے میں میری خواہش بھی ہے۔ اس لیے دونوں بچوں کی خوشی کی خاطر وہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر لیں۔ تب بابا جان نے مجھے اپنے کمرے میں بلایا اور کہا۔

''میں سمجھ سکتا ہوں کہ وہ اجنبی لوگ جو اتنی دور سے تمہارا رشتہ لے کر آئے ہیں۔ اس میں تمہاری مرضی بھی شامل ہوگی۔ میں نے بچپن سے لے کر اب تک تمہاری ہر خواہش پوری کی ہے۔ میں بھائی صاحب کے سامنے انکار نہیں کر سکتا۔ وہ میرے بڑے بھائی ہیں، تمہیں مجھ سے زیادہ چاہتے ہیں اور پھر شارق میں بھی کوئی برائی نہیں ہے۔ میں کیا کہوں ان سے کہ میری بیٹی نے اپنے لیے اپنا بر خود ہی تلاش کر لیا ہے۔ تم سے صرف التجا کر سکتا ہوں کہ مجھے اپنے باپ جیسے بڑے بھائی کے سامنے شرمندہ ہونے سے بچا لو۔ اس محبت کے صدقے جو ہم نے تم سے کی..... میری لاج رکھ لو۔''

اس وقت بابا کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ جو اگرچہ گرے نہیں تھے لیکن آنکھوں میں چمک رہے تھے۔ میرا دل رو رہا تھا۔ محبت میرے اندر ماتم کناں تھی۔ فرسٹ ایر کی کم عمر لڑکی کے دل میں پھوٹنے والی محبت جڑ پکڑ چکی تھی۔ لیکن اس سے میں بھول گئی تھی اپنی محبت کو، مدثر کو۔ یاد رہے تو صرف بابا کی

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

آنکھوں میں چمکتے آنسو۔ ان کا التجا کرتا وجود۔

''میں آپ کو کبھی شرمندہ نہیں ہونے دوں گی۔ مجھے آپ کا ہر فیصلہ منظور ہے بابا! میں کبھی آپ کا سر نہیں جھکنے دوں گی۔''

لیکن میں نے بابا کا سر جھکا دیا ضوئی!''

ان کی آنکھوں میں آنسو تھے جنہیں انہوں نے انگلیوں کی پوروں سے پونچھا۔

''مدثر کے والدین کو یہ کہہ کر انکار کر دیا گیا کہ ہماری بیٹی کو ہمارے فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ہم نے اس کی مرضی پوچھ لی ہے۔''

ہجر سہنا اور اپنی محبت کو چھوڑ دینا آسان نہیں ہوتا ضوئی! میرا دل تڑپتا تھا لیکن مجھے اپنے بابا کی عزت کا پاس تھا۔ میں ہر لمحہ خود کو سمجھاتی رہتی تھی، ایسے میں مجھے فرحت کے ذریعے مدثر کا پیغام ملا۔

وہ آخری بار مجھ سے ملنا چاہتا تھا۔ یہ محبت بڑی کمینی ہوتی ہے ضوئی۔ نہ آگا دیکھتی ہے نہ پیچھا۔ دل پر قابض ہو جاتی ہے تو دماغ کو مفلوج کر دیتی ہے۔ آگے، پیچھے، آمنے سامنے چاروں طرف سے وار کرتی ہے اس کے پاس سینکڑوں دلیلیں اور جواز ہوتے ہیں۔ میں نے بھی خود کو سینکڑوں دلیلیں دے کر قائل کر لیا کہ عمر بھر کی جدائی سے پہلے ایک بار اس چہرے کو دیکھ لوں، جسے پھر کبھی دیکھ نہ پاؤں گی۔

مدثر نے مجھے آموں کے بڑے باغ میں بلایا تھا۔ یہ باغ ہمارے گاؤں کے بالکل شروع میں تھا جہاں پکی سڑک ختم ہوتی تھی۔

لیکن مجھے آموں کے باغ میں پہنچنے سے پہلے ہی اغوا کر لیا گیا۔ میں اپنے دھیان میں جا رہی تھی کہ پیچھے سے آ کر کسی نے میرے منہ پر ہاتھ رکھا اور دوسرے ہاتھ سے کلوروفام میں بھیگا رومال میری ناک پر رکھا۔ بے ہوش ہونے سے پہلے میں نے ایک گاڑی کو پکی سڑک سے نیچے کچی سڑک پر اترتے دیکھا تھا۔

مجھے جب ہوش آیا تو رات گہری ہو چکی تھی اور میں بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔ یہ میرا کمرہ تو نہیں تھا۔ میں گھبرا کر اٹھ بیٹھی اور میری نظر قالین پر بیٹھی تیرہ چودہ سالہ بتولاں پر پڑی۔

''یہ..... یہ تو بتولاں ہے۔''

مجھے اٹھتے دیکھ کر بتولاں تیزی سے باہر نکل گئی۔ میں تو مدثر سے ملنے کے لیے گھر سے نکلی تھی پھر..... مجھے سب کچھ یاد آ گیا تھا۔

''تو کیا بابا نے آپ کو اغوا کروایا تھا؟'' وہ بے یقینی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''ہاں تمہارے بابا نے۔'' انہوں نے ایک گہری سانس لی۔ ''ان کا خیال تھا، میں نے اتنے سال ان کے ساتھ محبت کا کھیل کھیلا۔ انہیں بے وقوف بنایا۔ وہ بے حد جذباتی تھے۔ اکلوتے اور لاڈلے تھے۔ کچھ ضدی تھے انہوں نے اسے انا کا مسئلہ بنا لیا تھا۔ رشتے سے میرے بابا کے انکار کو اپنی اور اپنے والدین کی توہین سمجھا تھا اور غصے میں مجھے اغوا کروا لیا۔ غصہ اترا تو بہت پشیمان ہوئے۔ معافی مانگی اور مجھے واپس گھر چھوڑنے گئے لیکن ایک رات گھر سے باہر رہنے والی عورت کے لیے پھر گھر کے دروازے نہیں کھلتے۔ میرے لیے بھی نہیں کھلے میرے بابا جان نے کہا کہ میں ان کے لیے مر گئی ہوں۔ تمہارے دادا جان نے خود جا کر معافی مانگی لیکن.....

پھر سادگی سے ہماری شادی ہو گئی۔ میں دارا کلاں آ گئی لیکن میں بھول گئی اپنی اور مدثر کی محبت۔ یاد رہے تو صرف بابا کی آنکھ میں چمکتے آنسو۔ ان آنسوؤں نے میرے دل کی سختی سے مدثر کی محبت مٹا دی تھی۔ میں پیچھے رہ جانے والوں کی یاد میں روتی رہتی تھی۔ لمحوں کی غلطی نے صدیوں کا ہجر مقدر کر دیا تھا۔

غلطی تو میری بھی تھی ضوئی! پہلی غلطی ایک نامحرم، ایک اجنبی سے محبت کرنے کی غلطی..... پھر اس سے ملنے کی غلطی۔ لیکن مجھے اپنی غلطی تو یاد ہی نہیں رہی تھی۔ یاد رہا تو صرف یہ کہ مدثر نے مجھ پر ظلم کیا مجھے اس طرح اغوا کروا کے..... میرا دل انتقام کی آگ

Waqar Azeem Pakistani Novels
www.pakistanipoint.com

میں جلنے لگا۔ مدثر کی کوئی بہن نہیں تھی جسے میں اپنے انتقام کا نشانہ بناتی تو میں اللہ سے بیٹی کی دعا مانگنی شروع کردی۔

جب تم پیدا ہوئیں تو میں نے منصوبے بنانے شروع کردیے۔ میں کوشش کرتی تھی کہ تم اپنے بابا کے زیادہ قریب رہو۔ رات کو تم روتیں تو وہ ہی اٹھ کر دیکھتے۔ میں چاہتی تھی کہ جب تم انہیں چھوڑ کر جاؤ تو وہ تمہارے لیے ایسے ہی تڑپیں جیسے میرے بابا جان میرے لیے تڑپتے ہوں گے۔ وہ ایسے ہی روئیں جیسے وہ روتے ہوں گے۔

میں نے پورے چوبیس سال صرف ایک ہی دعا کی کہ تمہارے بابا کو تمہارے لیے روتے اور تڑپتے دیکھ سکوں۔ میں نے ضد کرکے تمہیں شہر کے کالج پڑھنے کے لیے بھیجا کہ شاید تم بھی..... بلقیس میرے میکے کے گاؤں کی تھی۔ ایک بار اس کا بھائی اس سے ملنے آیا تو بلقیس اسے بتولاں سے ملوانے لائی تو وہ مجھے بھی سلام کرنے چلا آیا اور اس سے مجھے پتا چلا کہ وہ چوہدری فیاض کے بیٹے کا دوست ہے اور دونوں روم میٹ ہیں۔

میں منور سے رابطے میں رہنے لگی۔ میں نے تمہیں اکنامکس لینے پر اس لیے مجبور کیا کہ ایاز کا بھی یہی مضمون تھا۔ میں نے طویل انتظار کیا ضوئی! میں نے اسٹیج خود تیار کیا اور تمہیں ایاز کے قریب لانے کی کوششیں کیں۔ میں تمہیں باتوں باتوں میں بغاوت پر اکساتی تھی لیکن تم نہ جانے کس مٹی سے بنی تھیں کہ تم پر اثر ہی نہیں ہوتا تھا۔ تم ایاز کو پسند کرنے لگی تھیں اور میں نے ایاز کی آنکھوں میں بھی تمہارے لیے محبت دیکھی اور میرا کام آسان ہوگیا۔ میں نے تم دونوں سے جھوٹ بولے اور..... تمہیں نیند کی دوا دی تھی تاکہ تم.....''

''اماں.....'' ضوفشاں نے زخمی نظروں سے انہیں دیکھا۔ لیکن وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھیں۔ وہ جیسے کسی غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے ہولے ہولے بول رہی تھیں۔

''اس رات میں سالوں بعد سکون سے سوئی تھی۔ چوبیس سالوں بعد مجھے ایسی گہری نیند آئی تھی کہ اگلے روز دوپہر تک سوتی رہی تھی۔ مدثر شام کو آئے تھے اور.....

میں پورا سال سکون سے سوتی رہی اور مدثر راتوں کو اٹھ اٹھ کر دھاڑیں مار مار کر روتے۔ پوری پوری رات جاگ کر گزار دیتے۔

میں نے پورے سال بعد اپنے بابا جان کو خط لکھا کہ.....

''میں نے ان کا انتقام لے لیا ہے۔ ایک سال سے مدثر بھی اسی طرح تڑپ رہے ہیں جس طرح آپ تڑپے ہوں گے۔ میں نے آپ کا مان نہیں توڑا تھا۔ یہ مدثر تھے جنہوں نے.....''

پتا نہیں کیا کچھ لکھا تھا میں نے..... پتا نہیں بابا جان کو میرا خط ملا یا نہیں۔ پتا نہیں بابا جان نے مجھے معاف کیا یا نہیں۔ کئی دن تک میں سوچتی رہی۔

لیکن پھر یوں ہوا کہ میرا سکون ختم ہوگیا۔ میری نیندیں اڑ گئیں۔ میں تڑپنے لگی۔

قصور وار تو میں بھی تھی۔ غلطی تو میری بھی تھی۔ پھر میں نے سارے قصور تمہارے بابا کے کھاتے میں ہی کیوں ڈال دیے۔ انہیں ہی سزا دینے کا فیصلہ کیوں کیا..... اور سزا بھی کیسی..... میں تو انتقام میں اتنی اندھی ہوگئی تھی کہ خود ہی جل کر راکھ ہو رہی تھی۔

یہ میں نے کیا کیا تھا..... تم کہاں تھیں..... مجھے خبر نہ تھی..... میں نے تو سارے رابطے خود ختم کردیے تھے کہ کہیں تم یہاں رابطہ نہ کرلو۔ میں تو تمہارے بابا کو سزا دینے چلی تھی لیکن یہ کیا ہوگیا۔ تمہارے بابا کو تو صرف تمہارا دکھ تھا لیکن.....

میں تو دہری اذیت میں تھی۔ میں نے تمہیں کھو دیا تھا..... اور اس کی ذمہ دار میں خود تھی۔''

''آپ نے بہت ظلم کیا اماں! میں آپ کی بھی بیٹی تھی۔ میرا تو کوئی قصور نہ تھا۔ آپ نہیں جانتیں میں پندرہ سال کس آگ میں جلتی رہی ہوں۔ آپ

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

کیسی ماں تھیں کہ بیٹی کا حال نہ جان سکیں۔"

اس نے اپنے ہاتھ چھڑائے لیکن انہوں نے پھر اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"مجھے معاف کردو ضوئی! اپنی ماں کو معاف کردو۔"

"مائیں بیٹیوں سے معافی نہیں مانگتیں اماں! لیکن مائیں آپ جیسی بھی تو نہیں ہوتیں۔" وہ ہاتھ چھڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"لیکن میں مانگ رہی ہوں نا معافی..... مجھے معاف کردو ضوئی!"

"ہاں ضوئی! اپنی ماں کو معاف کردو۔"

وہ تڑپ کر مڑی۔ بابا جانے کب دروازے میں آ کر کھڑے ہوگئے تھے۔ کمزور، نحیف سے..... یہ اس کے بابا تو نہ تھے۔

"بابا....." وہ دوڑ کر ان کے قریب آئی اور زمین پر بیٹھتے ہوئے ان کے پاؤں تھام لیے۔

"مجھے معاف کردیں بابا! میں نے آپ کا اعتماد توڑا۔ آپ کا سر جھکایا۔"

وہ رو رہی تھی..... تڑپ رہی تھی.....

"میں تو سب سے کہا کرتی تھی بابا کہ میرے بابا اگر دتے کمہار کے سائیں بیٹے سے بھی میری شادی کردیں گے تو بھی میں خوش رہوں گی۔"

ہاتھوں کی پشت سے اپنی نم آنکھیں پونچھتے ہوئے انہوں نے سے بازوؤں سے پکڑ کر اٹھایا۔

"میں تم سے ناراض نہیں ہوں ضوئی! چار سال پہلے تمہاری اماں نے مجھے اور شاہو کو سب کچھ بتا دیا تھا۔"

"کہیں کوئی بے ایمانی میرے دل میں بھی تھی تو..... ورنہ میں مرجاتی، کچھ بھی ہوجاتا اس دہلیز کو نہ چھوڑتی۔"

اس نے روتے ہوئے بابا کا ہاتھ چوم کر آنکھوں سے لگایا۔ وہ کتنے کمزور ہورہے تھے۔ سرخ و سپید رنگت والے بابا کے چہرے پر جیسے کسی نے زعفران مل دیا تھا۔ خوب صورت سیاہ آنکھوں میں تھکاوٹیں تھیں۔ دکھ تھا۔ اذیت رقم تھی۔

"بابا! مجھے معاف کردیں..... بابا!" وہ تڑپ تڑپ کر رونے لگی۔

"بس کر ضوئی! مت رو..... میرا دل پھٹ جائے گا..... میری بچی۔" انہوں نے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ لے کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

یہ شفقت بھرا لمس پندرہ برسوں بعد اس لمس نے اس کے وجود میں ٹھنڈک سی اتار دی تھی۔

"میں ایک لمحہ کے لیے بھی تم سے بدگماں یا خفا نہیں ہوا ضوئی! میں زبیر بھائی کو دفنا کر جب گھر آیا تو میں نے تمہاری اماں کو دیکھا۔ خوشی اس کے پورے وجود سے چھلکتی تھی۔ میں نے چوبیس سالوں میں اسے اتنا خوش کبھی نہیں دیکھا تھا، جتنی خوشی اس روز تھی۔ تمہارے متعلق بتاتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جو رنگ تھے، اس کے چہرے پر جو خوشی رقص کرتی تھی۔ اس نے مجھے حیران کیا۔ ایک ماں اپنی بیٹی کے بھاگ جانے کی خبر کیا یوں ہی خوشی سے لہرا کر دیتی ہے۔ مجھے اس وقت اس کی آنکھوں میں کرشن چندر کی مہارانی نظر آئی تھی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ تم کہاں ہو۔ تمہارے ساتھ کیا ہوا لیکن میرا دل کہتا تھا کہ تم جہاں بھی ہو اس کی رضا سے ہو۔"

"مجھے معاف کردو ضوئی..... مجھے معاف کردیں مدثر۔" اماں جیسے تڑپ کر اپنی جگہ سے اٹھی تھیں اور دونوں ہاتھ جوڑ کر ان سے معافی مانگنے لگی تھیں۔

"مت کرو ایسا۔" انہوں نے ان کے جڑے ہاتھ کھولے اور انہیں ہاتھوں میں لیے لیے ضوفشاں کی طرف دیکھا۔

"میں نے تمہاری ماں کو معاف کردیا ہے ضوئی! تم بھی معاف کردو۔"

"ہم جانتے تھے کہ ایک روز تم اس سوال کا جواب تلاشنے ضرور آؤ گی۔ جب سے تمہاری اماں نے منور کے ہاتھ تمہیں پیغام بھجوایا۔ تب سے ہم تمہارے منتظر تھے ضوئی! ہم صرف تمہارے لیے رکے

www.Zeenat.pk
www.pakistanipoint.com

ہوئے تھے۔" بابا کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

"کیا..... کیا مطلب بابا؟" وہ تڑپ کر اماں سے الگ ہوئی۔

"شاہو چار سال پہلے امریکہ چلا گیا تھا۔ وہ ہمیں بلا رہا ہے۔ ہم تو رخت سفر باندھے بیٹھے صرف تمہارا انتظار کر رہے تھے۔ یہاں کی سب زمین جائداد فروخت کر کے تمہارے حصے کی رقم تمہیں بنجوا دوں گا۔ کچھ بک گئی ہے، کچھ رہتی ہے۔"

"یہ..... یہ حویلی بھی؟" اس کے دل پر ضرب پڑی تھی۔

"ہاں یہ بھی۔ شاید یہ بھی..... اگر شاہو نے کہا تو....."

وہ نڈھال سے آگے بڑھ کر بیڈ پر بیٹھ گئے۔ وہ وہیں ساکت کھڑی تھی۔

"ایاز! آجاؤ اندر۔" انہوں نے دروازے کی طرف دیکھا۔

"ایاز....." اس نے بے اختیار مڑ کر پیچھے دیکھا۔ دروازے میں ایاز کھڑا تھا۔ شاید وہ بابا کے ساتھ ہی آیا تھا۔

"ایاز مجھے باہر مل گیا تھا۔ میں ہی اسے لایا ہوں۔" ہمیشہ کی طرح بابا نے اس کی آنکھوں کا سوال سمجھ لیا تھا۔

"ایاز!" اماں اب اسے لپٹائے رو رہی تھیں۔ جانے کتنے سمندر ان کی آنکھوں میں سما گئے تھے۔

"مجھے معاف کر دو ایاز! میں نے تمہارے ساتھ بھی ظلم کیا۔ میں تمہاری پھوپھو ہوں۔ تمہارے باپ کی سگی بہن۔"

اماں جانے اس سے کیا کیا کہہ رہی تھیں لیکن وہ سن نہیں رہی تھی۔ وہ تو اپنے کمرے کی ایک ایک دیوار کو حسرت سے دیکھ رہی تھی۔

سامنے دیوار پر لگی پینٹنگ کو جسے وہ نور فاطمہ کے ساتھ جا کر لائی تھی۔ دروازے کے اوپر لگے خوب صورت کلاک کو جو اس کی روم میٹس نے اسے اس کی سالگرہ پر گفٹ کیا تھا جس کی سوئیاں رکی ہوئی تھیں۔

اس رات اس نے دیکھا تھا۔ کلاک کی سوئیاں رکی ہوئی تھیں اور سوچا تھا صبح اس میں سیل ڈالے گی لیکن پھر وہ صبح اس کے لیے حویلی میں طلوع نہیں ہوئی تھی۔

اس رات پندرہ سال پہلے کا وقت اس کلاک میں ٹھہر گیا تھا۔ پندرہ سال پہلے کی تاریخ، دن..... لیکن اس کے لیے تو وقت نہیں ٹھہرا تھا۔ وہ پندرہ سالوں بعد یہاں آئی تھی۔

وہ کلاک کو دیکھتی رہی۔ وہ سب خاموش بیٹھے تھے۔ بابا ایاز سے کچھ کہہ رہے تھے۔ اماں ان دونوں کو بار بار دیکھے جاتی تھیں جیسے نظروں میں بسا رہی ہوں۔ پتا نہیں کتنی دیر گزر گئی، کلاک پر وہی دن، وہی تاریخ، وہی سال تھا لیکن وہ سب وہ نہیں تھے..... اور شاہو..... پتا نہیں کیسا ہوگا۔ نو دس سال کا تھا تب..... چمکتی شریر آنکھوں والا۔ ہر وقت اس کے گرد چکراتا۔ پتا نہیں اب کیسا ہوگا۔

"ہم سب وہاں آئیں گے تمہارے پاس شارجہ۔ شاہو..... میں..... تمہاری اماں..... اپنے نواسوں سے ملنے....."

بابا نے اسے دائیں طرف دیوار پر لگی شاہو کی تصویر کی طرف نظریں جمائے دیکھا اور اس کے دل کی بات جان لی۔

"اب جاؤ ضوئی! جس طرح اندھیرے میں آئے، اسی طرح اندھیرے میں چلے جاؤ۔" وہ یک دم کھڑے ہو گئے تھے۔

"کیا اسے واپس بھی جانا تھا؟" اس نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"اس سے پہلے کہ روشنی ہو جائے اور....."

"بابا صحیح کہہ رہے ہیں ضوئی!" ایاز نے اٹھ کر اس کا ہاتھ تھام کر اٹھایا۔ "ہمیں روشنی ہونے سے پہلے نکل جانا چاہیے۔"

بابا نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"کبھی کبھی بڑوں کی غلطیوں کا کفارہ چھوٹوں کو

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

ادا کرنا پڑ جاتا ہے۔ ہمارا قصور تمہارے کھاتے میں لکھا گیا لیکن سزا ہم سب کو ہی ملی ہے..... اور جب تک یہ زندگی ہے ہمیں، یہ سزا جھیلنی ہی ہے ضوئی۔"

ان کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔ اس کے سر پر دھرا ان کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ اماں ایک بار پھر اس سے لپٹ کر رو رہی تھیں۔ ان سے الگ ہو کر وہ حسرت سے در و دیوار پر نظر ڈالتی حویلی سے باہر نکل آئی اور تھوڑا سا آگے جا کر اس نے بے اختیار مڑ کر دیکھا۔ بابا اور اماں گیٹ کے ساتھ کھڑے اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ وہ بھی انہیں دیکھنے لگی..... دیکھتی رہی یہاں تک کہ آنکھوں کے سامنے آنسوؤں نے دھند کا پردا تان دیا۔

"آ جاؤ ضوئی!" ایاز نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور جب گاڑی پکی سڑک کی طرف مڑی تو اس نے آخری بار اونچی برجیوں اور سنہری کلس والی اس حویلی کی طرف دیکھا جس کے سنہرے کلس وقت اندھیرے میں ڈوبے ہوئے تھے اور جس میں اس نے جنم لیا تھا اور جہاں اس کی زندگی کے چوبیس سال بکھرے پڑے تھے۔ اس نے سیٹ کی پشت سے سر ٹیکتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔

وہ سوال جس نے پچھلے پندرہ سال سے اسے الجھا رکھا تھا، اس کا جواب مل گیا تھا۔

لیکن کیا اب اس کے دل اور زندگی پر چھائے ملال کے بادل چھٹ جائیں گے۔ کیا اب وہ پورے دل سے ہنس سکے گی۔ خوش ہو سکے گی شاید نہیں۔ حالانکہ بابا نے کہا تھا وہ اب ہمیشہ اس سے رابطے میں رہیں گے۔ فون پر، نیٹ پر..... لیکن یہ خلش تو ہمیشہ اس کے دل میں رہے گی کہ وہ اب کبھی دارا کلاں نہیں آ سکے گی۔ کبھی اس سنہری کلس والی حویلی کو نہیں دیکھ سکے گی جسے ایک ایرانی شہزادے نے اپنی محبوب شہزادی کے لیے بنوایا تھا اور اس کے آباء و اجداد نے اس خوب صورت حویلی کو خریدا تھا۔

وہ اب کبھی اپنے دارا کلاں کی ہواؤں کی خوشبو کو اپنے اندر نہیں اتار سکے گی، وہ جب ہوسٹل سے آتی تھے تو اپنے دارا کلاں کی ہواؤں کی خوشبو کو دور سے ہی محسوس کر لیتی تھی۔

وہ اپنے پیارے شاہو کی شادی میں شریک نہیں ہو سکے گی۔ اس سے نیگ لینے کے لیے جھگڑ نہیں سکے گی۔ زندگی میں کی جانے والی چھوٹی چھوٹی غلطیاں کتنے بڑے نقصان کر دیتی ہیں۔ ہاں وہ اب بھی پورے دل سے خوش نہیں ہو سکے گی۔ اس کی بند آنکھوں میں آنسو مچلے۔

ایاز نے ذرا سا رخ موڑ کر اس کی لرزتی پلکوں کو دیکھا جن پر موتی اٹکے تھے اور ہونٹوں کو جو ہولے ہولے کانپتے تھے۔ اس نے ایک ہاتھ اسٹیئرنگ پر رکھے رکھے دوسرا ہاتھ اس کے بازو پر رکھا۔

"ہمارے دکھ ہمارے ہیں ضوئی! لیکن ہم پر ہمارے بچوں کا بھی حق ہے۔ ہمیں انہیں ایک مکمل گھر کی خوشی دینی ہے۔ وعدہ کرو، ہمیں انہیں اپنے غموں اور سزاؤں میں حصہ دار نہیں بنانا۔"

اس نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ کر گویا وعدہ کیا اور اس کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھیکی پھیکی اور اداس سی مسکراہٹ۔ اس نے ایاز کی طرف دیکھ کر اثبات میں سر ہلایا۔

ایاز نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی تھی اور اس کا دارا کلاں دور پیچھے رہ گیا تھا۔ جہاں پہیلیوں میں اس کے بعد بھی جگنو چمکیں گے۔ جہاں کھیت سرسوں کے پیلے پھولوں کے گہنے پہن کر سجیں گے۔ سرخ بیر بہوٹیاں ہوں گی اور ننھے بچے انہیں پکڑیں گے۔ شام کو جوہڑوں کے پاس، کھیتوں کے پاس لڑکے غل مچاتے ہوں گے، کھیلتے ہوں گے۔ بس ضوفشاں مدثر نہیں ہو گی۔

اس نے ایک بار پھر آنکھیں بند کر کے سر سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا اور قطرہ قطرہ آنسو اس کے اندر گرنے لگے۔

☆☆

www.Paksociety.com

نعیمہ ناز سلطان

تا دیدہ نہ بجیریں

مؤذن کی آواز پر حسب معمول دونوں نے بستر چھوڑ دیا۔ ابو مسجد چلے گئے، امی نے وضو کر کے فجر کی نماز کی نیت باندھ لی، اس سے پہلے وہ عریشہ کو آواز دینا بلکہ جھنجھوڑنا نہیں بھولی تھیں۔ وہ اٹھ تو جاتی تھی، مگر اس وقت جب ابو نماز پڑھ کے آ چکے ہوتے اور امی بھی نماز اور دعا کے بعد تسبیح پڑھ رہی ہوتی تھیں۔

نماز پڑھ کے عریشہ نے چائے بنائی۔ جب تک علی اٹھ کے دو چار گھونٹ چائے نہ پی لیتی اس کی آنکھیں ٹھیک سے کھلتی نہیں تھیں۔ چائے پی کر ناشتہ بنایا، ابو، امی کو دیا۔ ابو تو ناشتہ کر کے اور لنچ لے کر کام پہ نکل گئے عریشہ برتن دھو کر اور کچن سمیٹ کر امی کے پاس آ کر بیٹھ گئی، جہاں وہ کپڑوں کی پوٹلیاں سنبھالے بیٹھی تھیں۔ بقچیاں کھلیں تو رنگ برنگے کپڑوں کے چھوٹے بڑے خوش نما ٹکڑے عریشہ کے سامنے بکھرے تھے، امی ان ٹکڑوں کی کتر بیونت کر رہی تھیں۔ ان کا حساب کتاب طول پکڑ رہا تھا، عریشہ بور ہونے لگی۔

''کیا بنا رہی ہیں امی؟''

''جو بن جائے، وہی حساب لگا رہی ہوں، آپا جان کی پہلی پوتی ہے، کچھ اچھا ہی دینا پڑے گا، خیر اللہ کا شکر ہے اتنے ٹکڑے تو ہیں دو چار جھبلے، فراکیں سل جائیں گی، چھوٹی چھوٹی دو دلائیاں بھی ہو جائیں گی۔'' امی کا انداز خود کلامی والا تھا۔

''بازار میں ایک سے ایک چیز ملتی ہے امی۔''

''ایک سے ایک چیز کے دام بھی تو بہت اعلا ہوتے ہیں، ہماری استطاعت کہاں، بس بساط بھر جو کر سکتے ہیں، کر کے دے دیں گے، مناسب قیمت کی ایک دو فراکیں لے آؤں گی بازار سے۔'' امی نے اسے تسلی دی۔

''تو اتنی محنت کرنے اور دماغ کھپانے کی کیا ضرورت ہے۔'' عریشہ کا اشارہ ان پوٹلیوں اور بقچیوں کی طرف تھا۔

''اپنے ہاتھ سے چیز بنا کر دینا تو محبت کی علامت ہے تم بھی تو اپنی سہیلیوں کو، بہنوں اور ان کے بچوں کو ''ہینڈ میڈ'' چیزیں اور کارڈز وغیرہ بنا کر دیتی ہو۔''

''مگر اب گھروں میں اتنے چھوٹے چھوٹے بچوں کے کپڑے سینے کا رجحان کہاں رہا ہے، ہر چیز بازار میں دستیاب ہے، کپڑے، گدے، تکیے اوڑھنے لپیٹنے کے کپڑے اور نہ جانے کیا کیا۔'' عریشہ کی بحث برابر جاری تھی۔

''جو روایت ہم قائم رکھیں گے وہ باقی رہے گی، جسے چھوڑ دیں گے وہ ختم ہو جائے گی، تمہاری بہنوں کے سارے بچوں کو گھر سے ہی چیزیں بنا کر دی ہیں میں نے، جتنی چادر ہے اتنے ہی پاؤں پھیلاتے ہیں۔ ادھار قرض کر کے شان بنانے سے اللہ بچائے، ہنر بھی ہے مصروفیت بھی، تیرے میرے گھروں میں جا کر ادھر ادھر کی ہانکنے سے کیا ملے گا؟'' امی ٹکڑوں کی جوڑ ٹانک کے ساتھ

Waqar Azeem Pakistani Point www.pakistanipoint.com

لیکچر بھی دیتی جا رہی تھیں۔

عریشہ اٹھ کر اپنی کتابیں لے کر بیٹھ گئی۔ بی کام کے تیسرے سال میں تھی، امتحانات قریب تھے۔ خوب زور و شور سے تیاری اور سر توڑ پڑھائی ہو رہی تھی۔ آخر کو رزلٹ کی خبر سسرال میں بھی پہنچنی تھی، وہ پرائیویٹ طالبہ تھی۔ شام میں اکیڈمی جوائن کی ہوئی تھی۔ وہاں سے آ کر بچوں کو ٹیوشن پڑھاتی تھی۔ کم از کم اس کی پڑھائی کا کچھ خرچا تو نکل ہی آتا۔

☆☆☆

کسی زمانے میں عریشہ کے والدین کا تعلق متوسط طبقے سے تھا مگر آئے دن کا مہنگائی کا طوفان متوسط طبقے کو تو ختم ہی کرتا جا رہا تھا۔ پھر اوپر تلے کی پانچ بیٹیاں، ایک اکیلے کمانے والے ماجد صاحب، وہ بھی پرائیویٹ کمپنی میں ملازم، یہ شکر ہے کہ کرائے کے جھنجھٹ سے جان چھوٹی ہوئی تھی۔ بہت چھوٹا سا، دو کمروں پر مشتمل ساٹھ گز کا گھر تھا مگر تھا تو اپنا۔ اس شہر میں، ان حالات میں یہ بھی غنیمت بلکہ شکر کا مقام تھا۔ جہاں قبر کے لیے دو گز زمین بھی انتہائی مہنگی اور بہت مشکل سے ملتی ہے۔ ماجد صاحب اور ان کی بیگم نے طریقے سلیقے جز رسی اور کفایت شعاری کی صفات اپنا کر زندگی گزاری تھی۔ بیٹیوں کو بارہ، چودہ جماعتیں پڑھا کر، جیسے جیسے مناسب رشتے ملے ان کی شادیاں کر دیں۔ روکھی سوکھی کھا کر انہوں نے کمیٹیاں بھریں، بیٹیوں کی شادیاں ان ہی کمیٹیوں کے ذریعے کیں، حالانکہ دونوں میاں بیوی کے خاندانوں میں کچھ قریبی رشتے دار بہت صاحب حیثیت تھے اور وہ اپنے کم حیثیت رشتے داروں پہ مہربان بھی تھے۔ ان سے کتراتے نہیں تھے، مگر ان دونوں نے یہ اصول بنا رکھا تھا کہ چاہے کتنی ہی اشد ضرورت ہو، وہ کسی سے پانچ روپے بھی ادھار لینے کے روادار نہ تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ''ادھار کا کھانا پھونس کا جلانا ہے۔'' بس جتنی چادر تھی، اس میں ہی پیر پھیلاتے یا سکیڑتے رہتے تھے۔ اب عریشہ رہ گئی تھی جس کی نسبت پھوپھی کے گھر طے تھی۔ گریجویشن کے بعد اس کی بھی شادی تھی۔

☆☆☆

بڑی آپا کی پوتی کا عقیقہ تھا۔ بنگلے کے بہت بڑے لان میں ہی اس تقریب کا اہتمام کیا گیا تھا۔ پورا لان روشنیوں سے جھلمل جھلمل کر رہا تھا۔ عریشہ اپنی امی کے ساتھ سیدھی اندر چلی گئی۔ بڑی خالہ کے پاس جہاں کاٹ میں ان کی پوتی سو رہی تھی۔ بچی کی گورنس بھی وہیں تھی۔ بہو تیار ہونے پارلر گئی ہوئی تھی۔ یہ دونوں مہمان جلدی پہنچ گئے تھے۔ گھر میں صرف ملازم ہی ادھر اُدھر کاموں میں مصروف تھے۔ کوئی مہمان اب تک نہ آیا تھا۔ مگر خیر، بڑی خالہ نے بہت تپاک سے استقبال کیا اور باتوں میں مصروف ہو گئیں۔ فہمیدہ بیگم نے وہ ساری اشیاء نکال کر دکھائیں، یوک والے جھلے لان اور کاٹن کے سادہ ٹکڑوں پہ ہاتھ کی مختلف کڑھائیاں کر کے رنگ برنگی پائپنگ اور جھالریں لگا کر انہوں نے بہت خوب صورت فراکیں سی تھیں۔ شینیل کی چھوٹی سی دلائی دیکھ

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

کر تو وہ لوٹ پوٹ ہو گئیں۔

"کتنی نفاست سے گوٹ لگائی ہے تم نے، تمہارے ہاتھ میں شروع سے ہی بہت صفائی تھی۔ یاد ہے اماں مرحومہ مجھے کتنا ڈانٹتی تھیں، کبھی بھی گوٹ ٹھیک سے نہیں بٹھاتی تھی میں۔" خالہ اور امی پرانی یادوں اور باتوں میں کھو گئیں۔

عریشہ بھی دیر تک تو ان کی باتیں سنتی رہی۔ بہنوں کو میسج کیا کہ وہ لوگ کب تک آئیں گی؟ پھر وہ ادھر ادھر گھوم پھر کر گھر کی تزئین و آرائش دیکھنے لگی۔ سجاوٹ، ساز و سامان، تعمیراتی میٹیریل، ہر شے ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ قیمتی اور چمکتی دمکتی، سب کچھ ویسا ہی تھا جیسے فلموں اور ڈراموں میں دکھایا جاتا ہے۔ شیشے کی طرح چمکتے ٹائلز، جدید ترین مشینری اور بہت مہنگی لکڑی کے نفیس کام سے مزین عالی شان کچن کو دیکھ کر اس نے ایک آہ بھری۔

یہ کچن تو ہمارے پورے گھر سے بھی بڑا ہے۔ شاید اس کی عمر کا تقاضا تھا یا انسانی فطرت کہ وہ خالہ جیسے امیر رشتے داروں کے گھر آ کر شدید احساس کمتری کا شکار ہو جاتی تھی۔ اپنے گھر واپس آ کر کتنے ہی ہفتوں تک وہ ایک ٹرانس کی سی کیفیت میں رہتی۔ اسے یہ دو کمروں کا چھوٹا سا گھر بہت بوسیدہ اور گھٹا ہوا لگتا، اپنی طرز زندگی، رہن سہن سب میں کیڑے نظر آنے لگتے۔

اللہ تعالیٰ کے حضور کیے جانے والے شکووں کی تعداد بڑھتی چلی جاتی، اور تو اور اپنی آئندہ زندگی کے بارے میں بھی سوچ سوچ کر اسے ہول اٹھتے اور غصہ بھی آتا۔ شادی کے بعد بھی بھلا کیا تبدیلی آئے گی؟ دو کمروں کے گھر سے نکل کر تین کمروں کے گھر میں چلے جائیں گے۔ وہی مہینے کے مہینے لگی بندھی تنخواہ میں گزارا کرنا، اپنا دل اور خواہشات مار کر زندگی گزارنا یہ بھی کوئی زندگی ہے بھلا! سوچ سوچ کر وہ یاسیت کا شکار ہوتی رہتی۔ کبھی امی کے سامنے اپنی حسرتوں اور خوابوں کا ذکر کر بیٹھتی، تو وہ مسکرا دیتیں "غریب ہونا کوئی بری بات ہوتی تو اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے لیے اسے کیوں پسند فرماتے؟ ویسے بھی غریب لوگ، امیروں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں جائیں گے۔"

☆☆☆

"اُفوہ، امی سے کچھ کہو تو وہ لیکچر دینا شروع کر دیتی ہیں۔" عریشہ کی جھنجھلاہٹ اور بڑھ گئی تھی۔

اس زندگی کے، اس دل کے ارمان، خواہشات، آرزوئیں انسان کہیں دفن کر سکتا ہے بھلا؟ ننھے منے خواب کونپلوں کی طرح سر اٹھاتے ہیں اور پھر بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ اور اس کی کون سی بڑی بڑی خواہشات تھیں بس ایک چھوٹا سا خوب صورت سا بنگلہ، ساز و سامان سے سجا ہوا، ایک عدد گاڑی، بے شک بہت عالی شان نہ ہو مگر چلتی ہو اور دولت کی اتنی کشادگی کہ اپنی مرضی کی جی بھر کے شاپنگ ہو سکے۔ عریشہ سوچ سوچ کر آزردہ ہو رہی تھی۔

اس دن خالہ جان کے گھر جو مہمان آئے تھے۔ خصوصاً ان کے سمدھیانے والے بچی کے لیے ایسی ایسی اشیاء اور تحائف لائے تھے کہ عریشہ کی تو آنکھیں ہی پھٹ گئیں۔ پھر تحائف کی پیکنگ، تقریب کے کھانے اور دوسرے چونچلے، وہ واپس اپنے گھر آئی تو یوں محسوس ہوا جیسے وہ کوئی اور دنیا تھی اور یہ کوئی اور دنیا جس میں وہ رہتی ہے۔

چھوٹی اپیا کے آگے اس نے اپنے خوابوں کا ذکر کیا تو وہ ہنسنے لگیں۔

"ہنسنے کی کیا بات ہے؟ ایسے چھوٹے چھوٹے خواب تو ہر لڑکی ہی دیکھتی ہے۔ میں کون سا کہیں کی شہزادی اور ملکہ بننے کے خواب دیکھ رہی ہوں؟"

عریشہ نے منہ پھلایا۔

"بھئی کبھی دیکھتی تھیں لڑکیاں شہزادی بننے کے خواب، اب تو میکھن مارکل نے ان کہانیوں کا سارا طلسم ہی چکنا چور کر دیا۔ کہانی ہی بدل دی،

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

شہزادی بننے کے بجائے اس نے الٹا شہزادے کو ایک عام آدمی بنا ڈالا۔" اپیا نے بدستور ہنستے ہوئے تبصرہ کیا۔

"شہزادے نے اپنے آباواجداد کی روایت دہرائی ہے، وہ کون صاحب تھے ایڈورڈ ہشتم، ہفتم یا جانے کون؟ جنہوں نے ایک بیوہ خاتون کے لیے تخت وتاج چھوڑ دیا تھا۔" باجی نمبر تین بھی بحث میں کود پڑیں۔

"وہ فقط محبت کا ہی معاملہ نہیں تھا، سنا ہے موصوف میں کچھ سستی اور کاہلی کے عناصر بھی پائے جاتے تھے، بادشاہت کا کانٹوں بھرا تاج سر پہ رکھنے سے انہوں نے بہتر سمجھا کہ آتش دان کے سامنے بیٹھ کر اپنی محبوبہ دلنواز کو دیکھتے رہیں یا پھر ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر باغیچے میں چہل قدمی کریں۔" چھوٹی اپیا نے انکشاف کیا۔

"اُفوہ..... پتا نہیں باتوں کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہیں۔" عریشہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ بہن کے آنسو پونچھنے اور تسلی ومشورہ دینے کے بجائے تاریخی چٹکلوں اور چسکوں میں لگ گئیں۔

☆☆☆

آج چھٹی کے دن ساری بہنیں آئی ہوئی تھیں۔ وہ سب تو کچن میں مصروف تھیں، عریشہ ان کے بچوں کے ساتھ مگن تھی۔ بہنوں کی آمد پر اسے کھانے پکانے سے چھٹی مل جاتی تھی۔ چاروں مل ملا کر خود ہی کچن سنبھال لیتی تھیں۔ امی اور ابو اسپتال گئے ہوئے تھے۔ خالہ کے شوہر کو اچانک ہارٹ اٹیک ہو گیا تھا۔ چند گھنٹوں بعد وہ واپس آئے، تو حال احوال بتانے لگے۔ عریشہ سمیت ساری بیٹیاں امی کے گرد جمع تھیں۔ ابو آرام کے لیے کچھ دیر لیٹ گئے تھے۔

"دو تین روز میں چھٹی ہو جائے گی شاید۔ گھر جا کر عیادت کر آنا تم لوگ، اسپتال میں تو بہت سختی ہے، بڑی مشکل سے اندر جانے دیا۔ وہ بھی فقط دو چار منٹ کو۔" امی بتا رہی تھیں۔

"خالہ کو فون کیا تھا میں نے، بے چاری بہت پریشان لگ رہی تھیں۔" اپیا نے بتایا۔

"ظاہر ہے پریشان تو ہوگی، بھائی صاحب نے بھاری لون لیا تھا بینک سے، کاروبار میں نقصان ہو گیا، صدمہ دل پہ لے لیا انہوں نے، کئی کروڑ کا قرضہ ہے، اللہ ان کی مدد کرے، ہمارے اوپر کسی کے ہزار پانچ سو بھی ہوں تو فکر کے مارے نیند نہیں آتی۔" امی نے ایک آہ بھری۔

"بے چاری آپا، مصیبتوں نے جیسے ان کا گھر دیکھ لیا ہے۔ آدھی بھی نہیں رہیں پہلے سے، خود تو ہڈیوں کے مرض میں مبتلا ہیں، ہڈیاں بھربھری ہو رہی ہیں گیپ بھی آ رہا ہے، بیٹے کو شوگر ہو گئی ہے کل کا بچہ ہے ہمارے سامنے کا، دکھ ہوتا ہے سوچ کر، اس کے پٹھوں میں بھی کھچاؤ بھی ہے، تکلیف بہت بڑھ گئی ہے، علاج ہو رہا ہے، بہو کو ہائی بلڈ پریشر رہنے لگا ہے۔ رو رہی تھیں بے چاری اپنی بیماری تو تھی ہی تھی، بیٹے شوہر اور بہو کی بیماری نے الگ ادھ موا کر دیا۔ اللہ قرض اور مرض سے بچائے۔ شکر ہے مالک کا احسان ہے ہم سب پہ بڑا کرم ہے اس کا۔" امی اپنے مخصوص انداز میں بولتی چلی گئیں۔

بے دھیانی سے ان کی باتیں سنتی عریشہ پہ اچانک ہی آگہی کا در وا ہوا تھا۔ اس نے اپنے آس پاس نگاہ دوڑائی، اس کے کم آسائشوں والے چھوٹے سے گھر میں سکون تھا، برکت تھی، وہ خود اور اس کے پیارے کسی ایسی بیماری یا مصیبت میں گرفتار نہ تھے جو دن کا چین اور راتوں کی نیند حرام کر دے۔

ہمیں دولت مندوں کی چمک دمک، عیش و آرام، گلیمر اور تعیشات نظر آتے ہیں۔ مگر وہ نادیدہ زنجیریں نظر نہیں آتیں جن میں وہ جکڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ سوچ رہی تھی اور اللہ کا دل سے شکر ادا کر رہی تھی کہ قرض اور مرض کی یا کسی اور دکھ کی ان دیکھی زنجیروں سے آزاد ہیں۔

☆☆

www.urdusanjidigest.com

عفت سحر طاہر

رنگ دے تیرے

ہائی وے پر ٹرالر اور کار کا شدید ایکسیڈنٹ ہوتا ہے، ٹرالر کا ڈرائیور بھاگ جاتا ہے، کار بری طرح پچک جاتی ہے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا مرد اور اگلی نشست پر ہی بیٹھی عورت خون میں لت پت ہیں۔ ریسکیو عملے کا انتظار ہے کہ وہ آئے تو گاڑی کی باڈی کاٹ کر لاشیں نکالی جائیں اسی وقت گاڑی سے ایک بچے کے رونے کی آواز آتی ہے۔

ہاسپٹل میں چار لوگ آئی سی یو کے باہر بیٹھے ہیں نرس باہر آ کر کہتی ہے آپ کے پیشنٹ کو ہوش آ گیا ہے۔ وہ آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔

سرخ پھولوں سے سجی گاڑی پوش ایریا کے ایک بنگلے کے آگے رکتی ہے تو۔ دولہا کی ماں ملازمہ سے کہتی ہے کہ دلہن کو لے کر اندر آؤ۔ ملازمہ دلہن کو بیڈ روم میں بٹھا کر جانے لگتی ہے تو دلہن اس سے سر درد کی گولی مانگتی ہے۔ ملازمہ کہتی ہے کہ چائے بھی لے آؤں۔

دولہا کمرے میں آتا ہے۔ تو وہ اس کی شکل دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔ وہ ایک بچی کو لے کر آتا ہے کہ اس کے لیے میں نے تم سے شادی کی ہے۔

نرمین کو ہواؤں میں اڑنے اور اونچے خواب دیکھنے کا شوق ہے حریم اس کی چھوٹی بہن اسے سمجھاتی ہے۔

نرمین کی سہیلی سجل کہتی ہے کہ تمہیں عباد وسیم پوچھ رہا تھا۔

نرمین اپنی دوست صوما کی سالگرہ میں جانے کی ضد کرتی ہے لیکن اس کی اماں کو اعتراض ہوتا ہے کہ جوان جہان لڑکی آدھی رات کو سالگرہ میں سے واپس آئے گی تو محلے والے کیا کہیں گے۔ اس کے اصرار پر ابا سے جانے کی اجازت

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

صائم اور زیبی رات کے دو بجے مراد کے گھر پہنچتے ہیں۔ وہ انہیں اپنے سرونٹ کوارٹر میں رکھتا ہے۔ مراد کو زیبی بہت بری لگتی ہے جو اپنے گھر والوں کو یوں دھوکا دے کر آ گئی تھی۔ سرمد ہسپتال پہنچ جاتا ہے۔ ٹرین میں بیٹھنے کے بعد انہیں دانیال اور ابراہیم اسٹیشن پر نظر آتے ہیں۔ وہ ٹرین سے اتر کر چھپ جاتے ہیں۔

زیبی اور صائم مسجد میں جا کر نکاح کرنا چاہتے ہیں لیکن مولوی صاحب منع کر دیتے ہیں کہ اتنی کم عمر لڑکی کا نکاح ولی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

ایک ٹیکسی ڈرائیور انہیں اپنے گھر لے جاتا ہے۔ صائم اسے پیسے دیتا ہے وہ ان کا نکاح کروا دیتا ہے۔ پولیس اس کے گھر آ جاتی ہے۔ وہ دونوں وہاں سے بھی بھاگ جاتے ہیں۔

دے دیتے ہیں لیکن اس کی اماں ناراض ہی رہتی ہیں۔

نرمین صوما کی سالگرہ کی تقریب میں (جو کہ تھیم پر تھی) گھر سے تیار ہو کے نہیں جاتی بلکہ سجل کے گھر سے تیار ہو کر جاتی ہے۔ راستے میں سجل رانا سعید سے عباد وسیم کے متعلق بات کرتی ہے کہ رانا سعید عباد کا دوست ہے وہ عباد سے نرمین کی دوستی کرا دے۔ وہ کہتا ہے کہ اپنی دوست کو بربادی کے راستے پر مت ڈالو۔ پارٹی میں نرمین کی عباد سے ملاقات ہوتی ہے لیکن وہ یمنی الطاف کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگلی ملاقات میں سجل بتاتی ہے کہ عباد وسیم، رانا سعید سے تمہارا پوچھ رہا تھا۔ نرمین بے یقین ہوتی ہے۔

وہ اپنے حواس میں نہیں تھی فیملی ڈاکٹر فریحہ کی ولیمے کی صبح اس کا چیک کرنے آیا تو اس نے کہا کہ شاکڈ اور ڈپریسڈ ہیں۔ میڈیسن دیں آرام کرائیں شام تک بہتر ہو جائیں گی۔

سجل نرمین کو آفس کے بعد لے کر کلب آ جاتی ہے نرمین کا موڈ آف ہے۔ وہاں ان کی ملاقات عباد وسیم سے ہوتی ہے۔ دونوں کے درمیان رکھائی سے بات چیت ہوتی ہے۔ عباد وسیم ان کے جوس کا بل ادا کر دیتا ہے۔ نرمین کو برا لگتا ہے۔

نصرت زلفی کو کہتی ہیں کہ اٹھ کر دکان پر چلا جا لیکن وہ نہیں سنتا۔ وہ نرمین کی ہم راہی کا خواب دیکھتا ہے نصرت کہتی ہیں کہ وہ پڑھی لکھی لڑکی تجھ سے شادی سے انکار کر دے گی۔ زلفی کہتا ہے کہ وہ میرے بچپن کی منگ ہے۔

نرمین کے پاس چھٹی والے دن عباد کا فون آتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ دن گزارنا چاہتا ہے۔ نرمین، سجل کے گھر کا بہانہ کر کے اس کے بتائے ہوئے ریسٹورنٹ میں اس کا انتظار کرتی ہے۔

عباد وسیم کے ساتھ ایک بھرپور دن گزار کر نرمین خوشی خوشی گھر لوٹ آتی ہے۔ نرمین کو اس کی کھوجتی چمکتی آنکھوں کی گہرائی کا اندازہ نہیں ہوتا۔

نرمین کی غیر موجودگی میں اماں کے پیٹ میں درد ہوتا ہے۔ حریم ابا کے گھر میں نہ ہونے کی وجہ سے نرمین کو فون کرتی ہے، فون بند ہونے کی صورت میں وہ تھک ہار کر سجل کے نمبر پہ کال کرتی ہے، اسے مبارک باد دیتی ہے تو وہ حیران رہ جاتی ہے کہ کس چیز کی مبارک باد اور اپنے گھر میں صبح سے کپڑے دھونے کی مظلومیت کا رونا روتی ہے۔ حریم پریشان ہو جاتی ہے۔ ابا آ جاتے ہیں وہ اماں کو ڈاکٹر کے پاس لے جاتے ہیں۔

نرمین کے آنے پر حریم اس سے پوچھتی ہے کہ وہ کہاں تھی، نرمین سچ اسے بتا دیتی ہے۔

عباد وسیم، رانا سے ملتا ہے تو نرمین کی بات ہوتی ہے، رانا کہتا ہے کہ وہ شریف گھرانے کی ہے اس کو بخش دے۔ عباد ہنسنے لگتا ہے۔

مائرہ صبح صبح پھپھو کے گھر پہنچتی ہے جہاں عباد وسیم اور نزہت ناشتہ کر رہے ہیں۔ مائرہ اور نزہت کی معنی خیز باتوں سے انجان بنتا عباد وہاں سے اٹھ کر چلا جاتا ہے۔

حریم بے ساختہ میرب کو پیار کرتی ہے، وہ گھبرا جاتی ہے۔

نزہت گھر واپسی پر حریم کو کہتی ہیں کہ وہ میرب کے سلسلے میں کوئی کوتاہی برداشت نہیں کریں گی۔

حریم عباد تھی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے اس کے شوروم تک آ جاتی ہے عباد اسے دھمکاتا ہے وہ اس سے کہتی ہے کہ تم خراب کیریکٹر کے ہو۔ میری بہن کا پیچھا چھوڑ دو۔ نرمین پتا چلنے پر ناراض ہوتی ہے اور عباد سے معذرت کرتی ہے وہ معذرت قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔

مارک ڈینیئل کو بتاتا ہے کہ اس کی مسلمان لڑکے سے دوستی ہے۔ نصرت پھپھو تاریخ طے کرنے کے لیے مٹھائی اور شادی شدہ بیٹی کو لے کر آتی ہیں۔ نرمین گھر میں نہیں ہوتی۔

حریم کو وہ اس کے گھر لے کر آتا ہے اماں اور طوبیٰ بہت خوش ہوتی ہیں لیکن ابا کے آنے سے پہلے اسے جانے کا کہتی ہیں۔

عباد کی برتھ ڈے کے موقع پر عباد نرمین کو اپنے فلیٹ پر تنہا بلاتا ہے، وہاں جانے کے بعد نرمین کو باپ کی بات یاد آتی ہے کہ دو نامحرموں کے بیچ تیسرا ہمیشہ شیطان ہوتا ہے۔

عباد نرمین کو اپنے فلیٹ پر بلاتا ہے۔ اس کے فریب آنے پر وہ وہاں سے واپس آجاتی ہے۔ عبد کی پرکھ کہ وہ پورا اترتی ہے۔ ادھر نصرت پھپھو تاریخ لینے آجاتی ہیں۔ اماں اور حریم کے پوچھنے پر نرمین شادی کی ہامی بھر لیتی ہے۔ نصرت پھپھو اور زلفی خوش ہو جاتے ہیں۔ سجل فون کر کے نرمین کو لاتی ہے۔ وہاں عباد وسیم موجود ہوتا ہے اور اسے پرپوز کرتا ہے۔ نرمین خوشی خوشی گھر آتی ہے۔

رات میں حریم نریم سے کہتی ہے کہ شادی کا کارڈ پسند کرلو۔ وہ کہتی ہے پہلے لڑکا تو پسند کرلوں۔ پھر اسے بتاتی ہے کہ عباد وسیم نے اسے پرپوز کیا ہے۔ دروازے میں کھڑی اماں یہ سن کر بے سدھ ہو کر گر پڑتی ہیں۔

آٹھویں قسط

وہ کئی لمحوں تک اپنی داہنی ہتھیلی پر موجود انجان سالمس لیے ساکت کھڑی رہی۔ تو کیا یہ طے تھا کہ اب زندگی اک مسلسل امتحان بن کے گزرنے والی تھی؟ یا اک تماشا؟ اس نے آگے بڑھ کر کمرے کا دروازہ تھوڑا سا کھول دیا۔ باہر سے مائرہ کی اونچی شوخ آواز آرہی تھی..... بیچ میں میرب کی کھلکھلاہٹ۔ وہ یقیناً باہر جانے کا سن کر بہت خوش تھی۔ نزہت شاید نسرین یا کوثر کو ہدایات دے رہی تھیں۔

حریم کو کسی سے کوئی دلچسپی نہ تھی مگر نجانے کیوں اس کی سماعتیں کسی پکار کی منتظر تھیں..... جس میں اس کے نام کی گونج ہو..... لیکن اس کا یہ انتظار انتظار ہی رہا۔ تھوڑی دیر کی ہلچل کے بعد کوریڈور کا دروازہ بند ہونے کی آواز آئی تو اس کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔

"ہونہہ..... مجھے کیا۔" وہ سر جھٹکتی بستر تک آئی۔ "یہ لوگ..... ان کی ضروریات اور ترجیحات..... ہنہ۔" اس نے اپنے ذہن کو اس طرف سے ہٹانا چاہا۔ لیکن اندر ایک عجیب سی بے چینی اور سلگنے والی سی کیفیت تھی۔ اس نے نروس سے انداز میں چھنگلی کا ناخن دانتوں سے کترنا شروع کر دیا، اسے اپنا آپ کسی فالتو اور بے کار سی چیز جیسا لگ رہا تھا۔ جسے کوئی "خرید" کر تو لے آیا تھا لیکن اب اس کا "مصرف" سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ گہری سانس بھرتی وہ دوپٹہ سائیڈ پہ رکھتے ہوئے لیٹ گئی۔ اس کا دل و ذہن بہت بوجھل ہو رہے تھے اور اعصاب کشیدہ۔

☆☆☆

میرب نے پارک کا شور مچا دیا تو اس نے گاڑی عبداللہ مال کی طرف موڑ دی جہاں شاپنگ کے ساتھ پلے لینڈ اور جنک فوڈ کی سہولت بھی تھی۔ مائرہ نے سن گلاسز کے پیچھے سے ایک سرد نگاہ نزہت کی گود میں خوشی سے اچھلتی میرب کو دیکھا۔ اس کی بات آج بھی مائرہ کی بات سے آگے تھی۔

"جھولے کہاں سے آگئے درمیان میں۔ ہم تو کھانا کھانے جا رہے تھے۔" مائرہ نے احتجاج کیا۔

"ہاں بیٹا! واپسی میں پارک میں چلیں گے۔" نزہت نے بھتیجی کے دل کی بات سمجھتے ہوئے اس کی بات آگے بڑھائی۔ تو وہ مسکرا دیا۔

"میرب بہت انٹیلی جنٹ ہے مما! اسے پتا ہے کھانا کھانے کے بعد جھولے لینا صحت کے لیے مضر ہو سکتا ہے۔" مائرہ دانت پیس کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

"چلو..... تم نے بھی کوئی رائیڈ کوئی سوئنگ لینی ہے تو....." میرب کو کوائن سے چلنے والے جھولے پہ بٹھا کر نزہت کے اصرار پر وہ مائرہ کی طرف چلا آیا تھا۔ مسکرا کر شرارت سے کہتا وہ مائرہ کا موڈ بہتر کر گیا۔ وہ دونوں پلے لینڈ ہال سے نکل کر ساتھ ہی موجود کافی ہاؤس میں آ بیٹھے۔

"سوئنگ" ہی تو کروایا ہے تم نے..... ہمارے رشتے کو۔ وہ بھی اتنی بے دردی کے ساتھ کہ میں خوف کے مارے ساری عمر چیختی رہوں نا تو وہ بھی کم ہے۔" مائرہ کی طنزیہ بات پہ وہ خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

"تمہیں نہیں لگتا کہ تم بار بار ہم دونوں کو گھسیٹ کر اسی فیز میں لے جاتی ہو جو کب کا گزر چکا ہے؟"

"طوفان گزر چکا ہے بے شک لیکن اس کی تباہ کاریاں تمام عمر کے لیے ہیں..... سمجھے تم۔" مائرہ خفیف سا بھڑکی۔

"کم آن مائرہ! جسٹ فار گیٹ اٹ.... اینڈ موو آن۔" (بھول جاو اور آگے بڑھو) وہ اسے ٹوک گیا۔

"ہنہ۔ تم مردوں کے لیے تو بہت آسان ہوتا ہے نا یوں "موو آن" کرنا۔" مائرہ نے سر جھٹکا۔

"سیریسلی؟ تم اس ساری لایعنی بحث کے لیے پروگرام بنا کر باہر آئی تھیں؟" وہ بے حد سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ مائرہ جذباتی ہونے لگی۔

"میرا خون کھولتا ہے جب میں اس لڑکی کو اپنی جگہ پہ دیکھتی ہوں تو..... کتنی آسانی سے تم نے اسے مجھ سے ری پلیس کر دیا نا۔"

"پہلا چانس تمہی کو دیا تھا مائرہ! سارا الزام مجھ پہ مت ڈالو۔" وہ نا چاہتے ہوئے بھی تلخ ہونے لگا۔ کافی ان کے درمیان رکھی ٹھنڈی ہونے لگی۔

"تم نے میری میرے جذبات کی توہین کی۔ ایک بچی کو میرے مقابل لا کر جواب بھی بن ماں کے پل رہی ہے..... خیر۔ جو ہو گیا سو ہو گیا۔ گزرا وقت واپس نہیں آ سکتا۔" وہ اپنی سرشت سے مجبور ہو کر بے اعتنائی سے کہہ رہی تھی مگر اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات دیکھ کر درمیان میں سے ہی اپنی بات بدل گئی وہ خاموشی سے اپنا مگ اٹھا کر کافی پینے لگا۔

"آئم سوری۔" مائرہ نے گہری سانس بھر کے خود کو معتدل کرتے ہوئے معذرت خواہانہ کہا تو وہ اسے دیکھنے لگا۔

"زندگی اس دائرے جتنی نہیں ہے مائرہ جس میں تم نے اپنے آپ کو قید کر لیا ہے۔ باہر نکلو اس خود ساختہ مدار سے۔ بہت کچھ رکھا ہے تمہارے لیے اس دنیا میں۔"

"ہوں....." وہ کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے بے دلی سے مسکرائی۔

"اب تو پکا سوچ لیا ہے زندگی سے سب کچھ وصولنے کا..... کیونکہ کھونے کو کچھ باقی پاس رہا ہی نہیں تم دیکھتے جاؤ بس۔"

"دیٹس لائک آ بریو گرل۔" وہ بھی مسکرا دیا تھا ان کی کافی ختم ہو چکی تھی۔

"چلو۔ چل کے میرب کو دیکھیں۔ مما کو تنگ ہی نہ کر رہی ہو۔" وہ بل پے کرتے ہوئے بولا تو مائرہ کے چہرے کے عضلات ذرا سے کھنچے۔ یہ ڈیڑھ فٹ کی فتنی ان کے درمیان سے کبھی ہٹنے والی نہیں تھی۔

"پاپا۔" میرب نے ان دونوں کو آتے دیکھ کر اپنے بازو وا کر دیے تو وہ ہنستے ہوئے تیز قدموں سے اس کی طرف بڑھا اور اسے ڈونلڈ ڈک پر سے اٹھا کر شانے سے لگا لیا۔

"میں تو تھک گئی ہوں بھئی۔ کھڑے ہو کر۔ بچوں کو تو جتنے بھی جھولے جھلا دو، ان کا دل نہیں بھرتا۔" نزہت

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا تھا۔

''آپ مائرہ کے ساتھ ''چک ان'' چلیں۔ کچھ آرڈر کریں۔ میں بس ابھی آرہا ہوں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے آئیڈیا دیا تو نزہت استفہامیہ نظروں سے مائرہ کو دیکھنے لگیں۔

''یہاں آکر بھی تم نے اپنی ڈیڑھ انچ کی مسجد الگ ہی بنا کر رکھنی تھی (اس ڈیڑھ فٹ کی فتنی کے ساتھ) تو گھر ہی اچھے تھے ہم۔'' مائرہ نے منہ پھلایا۔

''ہم میرب کو انجوائے کروانے لائے ہیں باہر..... جب بچے ساتھ ہوں تو پھر اپنی نہیں ان کی پسند کو ترجیح دینی چاہیے۔ واپسی پر بچے منہ بسورتے ہوئے ہی جائیں تو کیا فائدہ اتنی جگل خواری کا۔''

وہ مائرہ کو سمجھا رہا تھا۔ نزہت نے مائرہ کا ہاتھ تھام کر غیر محسوس طریقہ سے ہولے سے دبایا۔

''ہاں۔ ٹھیک ہے..... ہم چل کے آرڈر کرتے ہیں۔ مس کال پہ آجانا بس تم۔'' مائرہ بددلی سے ان کے ساتھ خودکار سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔ انہیں گراؤنڈ فلور پہ موجود ریسٹورنٹ میں جانا تھا۔

''یہ کیا ڈرامہ ہے پھپھو؟'' وہ خودکار سیڑھیوں پہ پاؤں رکھتے ہوئے ان سے الجھنے لگی۔

''صبر کرو مائرہ! پہلے ہی تمہاری ایک غلطی سے عمر بھر کی مصیبت ہمارے گلے پڑ چکی ہے۔'' نزہت نے اسے ٹوکا۔ ان کا اشارہ یقیناً حریم کی طرف تھا۔

''اس لڑکی کو تو میرا دل کرتا ہے کہ گولی مار دوں..... وہ اس قابل تھی کہ اسے مجھ پہ ترجیح دی جاتی۔'' حریم کے ذکر پر وہ تپی تھی۔ نزہت نے ریسٹورنٹ میں نشست سنبھالتے ہوئے مشورہ دیا۔

''اسی لیے تو کہتی ہوں کہ اس بار ذرا صبر اور برداشت سے کام لو۔ تم تو ایک چھوٹی سی بچی سے ہی ہار گئی تھیں اب تو مقابلے میں اس کی بیوی بھی آچکی ہے۔'' ان کے ناصحانہ انداز پر سدا کی جلد باز اور اکھڑ طبیعت مائرہ سر تھام کر بیٹھ گئی۔

''گیا وقت واپس نہیں آتا مائرہ! لیکن آنے والے وقت کو ہم حکمت اور دانش مندی سے اپنے اختیار میں ضرور کر سکتے ہیں۔''

☆☆☆

ایسے ہی اونگھ آگئی تو ایک گھنٹہ کیسے گزرا اسے پتا بھی نہیں چلا۔ ایک دم سے آنکھ کھلی تو کمرے میں اندھیرا چھا رہا تھا۔ اس نے جلدی سے ہاتھ بڑھا کر ٹیبل لیمپ جلایا اور اٹھ گئی۔ واش روم جا کر فریش ہوئے اور منہ ہاتھ دھونے کے بعد ذہن میں کچھ طے کرتی کمرے سے باہر نکل آئی۔ گھر میں چھائی خاموشی بتا رہی تھی کہ ابھی وہ لوگ لوٹے نہیں تھے۔ اس کا رخ کچن کی طرف تھا۔

''بی بی کچھ چاہیے؟'' نسرین اسے دیکھتے ہی مستعد ہوئی۔

''ہمم..... نہیں..... وہ..... ڈرائیور باہر ہی ہوگا؟'' وہ ہچکچائی۔

''جی..... چھوٹے صاحب تو اپنی گاڑی خود چلاتے ہیں۔ ڈرائیور گھر پہ ہی ہے۔'' اس نے بتا کر حریم کو استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

''اچھا..... ذرا ڈرائیور سے کہو، مجھے کہیں جانا ہے۔ دس پندرہ منٹ تک۔''

''جی..... میں ابھی کہہ کر آتی ہوں۔'' وہ مسکرا کر بولی اور حریم سے پہلے کچن سے نکل گئی۔ حریم نے رکی ہوئی سانس حلق سے آزاد کی۔

''گڈ ورک حریم! یہ تو آسان ہے بہت۔'' اپنے آپ کو شاباش دیتے ہوئے وہ کمرے میں آگئی۔ اب وہ خود کو پرجوش اور ہلکا پھلکا سا محسوس کر رہی تھی۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ اگر کسی کو اس کی پروا نہیں تو وہ بھی جو دل

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

چاہے گا وہی کرے گی۔

''ہنہ۔ کوئی روک کر تو دکھائے۔ میں بھی جو جی چاہے گا، کروں گی۔'' تنفر سے سر جھٹکتے ہوئے اس نے وارڈ روب میں لٹکے اپنے کپڑوں میں سے چن کر خوب صورت سا جوڑا نکالا اور واش روم میں گھس گئی۔ اس نے راستے میں گاڑی رکوا کر شاپنگ مال سے جلدی جلدی طوبیٰ اور اماں کے لیے دو مہنگے سے سوٹ خریدے۔ طوبیٰ کے لیے پیارے سے میچنگ ایئر رنگ (بندے) اور کچھ بالوں کے کلپ۔ اور گاڑی میں آ بیٹھی ڈرائیور کو میکے کا ایڈریس بتایا۔ تو اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

''آپ ادھر ہی رہیے گا۔ گاڑی اندر نہیں جا سکتی۔ میں بس ابھی تھوڑی دیر میں آ رہی ہوں۔'' اس نے مین روڈ پر گاڑی رکوا کر اترتے ہوئے ڈرائیور سے کہا تو اس نے مؤدبانہ سر ہلا دیا۔ وہ حسب عادت دوپٹے کا نقاب سیٹ کرتی، شاپنگ بیگز سنبھالتی اپنے گھر کی طرف جانے والی گلی کی طرف بڑھی۔ ابھی ابا کے آنے میں ایک آدھ گھنٹہ تھا، وہ با آسانی اماں اور طوبیٰ سے مل کر آ سکتی تھی۔ دروازہ طوبیٰ نے بھاگ کر کھولا۔ اس دستک کو تو وہ کئی سالوں سے پہچانتی تھی۔

"آپی.....!" وہ بے اختیار خوشبوؤں میں لپٹی حریم سے لپٹ گئی تو وہ بھی نم آنکھوں سے مسکرا دی۔

''اماں کہاں ہیں؟'' اس نے پوچھا۔ اتنی دیر میں اماں کمرے کے دروازے تک آ گئی تھیں۔ وہ طوبیٰ کے ہاتھ میں شاپنگ بیگز تھماتے ہوئے بے تابی سے اماں کی طرف بڑھی۔

"اماں....."

"تم پھر آ گئی ہو..... میں نے تمہیں سمجھایا بھی تھا اب ان راستوں پہ بار بار مت پلٹو۔"

"اماں۔" وہ دوڑ کر زبردستی ان سے لپٹ گئی بے تابی سے ان کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں بھر کے چوم لیا۔

''میری پیاری اماں! میں کہاں جاؤں گی۔ یہی گھر تو میری کل کائنات ہے۔''

" گھر سے بھاگتے وقت یاد دوستیاں گانٹھتے ہوئے بیٹیاں یہ سوچ لیں تو رونا ہی کس بات کا ہے۔''

اماں کا لہجہ تلخ اور بھیگا ہوا تھا۔ ان کی بات پر حریم تڑپ اٹھی۔

"اماں..... آپ تو ایسا مت کہیں۔ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ مجھے بے گناہی کی سزا دی ہے ابا نے..... اپنی بے اعتباری کا بھرم رکھا ہے انہوں نے..... بداعتمادی نباہی ہے بس۔'' وہ رونے لگی تھی۔

"شاباش..... تو یہ چکر چل رہا ہے میرے پیچھے.....'' دروازہ کھلا تھا۔ ابا کب موٹر سائیکل گھسیٹ کر اندر لائے کسی کو پتا نہیں چلا۔

"ابا.....'' وہ ساکت کھڑی رہ گئی اسے ہوش اماں کے پہلے دھکے سے آیا تھا۔

"چلی جا..... نکل جا یہاں سے..... اب تیرا کچھ نہیں یہاں پر۔'' وہ تڑپ اٹھی۔

"اماں۔ یہ ظلم مت کریں میرے ساتھ۔ میں تو خود ظلم کا شکار ہوئی ہوں۔''

"زاہدہ.....! اسے کہو یہاں سے دفع ہو جائے۔ میں اس کی ساری بکواس سن چکا ہوں۔ اور مجھ پر ان معافیوں تلافیوں کا کوئی اثر نہیں ہونے والا۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا اب یہ گند اٹھا کر بار بار اس دہلیز پہ مت لاؤ۔''

"ابا۔ آپ جانتے تھے کہ میرا قصور نہیں ہے پھر بھی آپ نے مجھے اس شخص کے ساتھ رخصت کر دیا۔'' وہ گڑگڑائی۔

"بیٹیوں کا نام غیر مردوں کی زبانوں پر آ جائے تو باپ بھائی کے لیے مر مٹنے کا مقام ہوتا اسے بتا دو زاہدہ بیگم! اور ایسی بیٹیوں کی میتیں جب ایک بار گھر سے نکال دی جائیں تو پھر واپسی کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔''

ابا کا دل سخت ہو چکا تھا۔ کرخت لہجے میں کہہ کر اماں کو خشمگیں نظروں سے دیکھتے ہوئے وہ حریم کو ایک نظر

دیکھے بنا اندر چلے گئے تھے۔ یہ وہ مصطفیٰ احمد تو نہ تھے جو بیٹیوں پہ واری صدقے جانے کے لیے پورے خاندان میں مشہور تھے۔ جنہوں نے اپنی بیٹیاں خاندان بھر کے بیٹوں سے لاڈلی رکھی ہوئی تھیں۔ ان کے اندر جاتے ہی اماں نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔

"اماں! بیٹھنے بھی نہیں دیں گی کرموں جلی بیٹی کو۔ ایک گلاس سادہ پانی بھی نہیں پوچھیں گی؟" وہ رونے لگی تو ابا کمرے کے دروازے کی دہلیز تک آ کر دبے لہجے میں گرجے۔

"اسے کہو، تماشا مت کرے یہاں۔ جا کر اپنے محل میں آرام کرے اور شربت، شیرے پیے..... یہاں سے دانہ پانی اٹھ چکا ہے اس کا۔"

اس نے تڑپ کر اماں کی طرف دیکھا تو انہوں نے آنسو بہاتے ہوئے ہاتھوں سے اسے باہر کے دروازے کی طرف دھکیلا۔ وہ روتی ہوئی اس گھر سے نکلی۔

جہاں اسے کبھی زمین پر گر کر رونے نہیں دیا جاتا تھا۔ آج وہاں وہ پورے قد سے گرائی گئی تھی۔

مائے.....نی میں کنوآکھاں
دردو چھوڑے داحال نی
مائے.....نی میں کنوآکھاں
دکھاں دی روٹی سولاں دا سالن
آہیں دا بالن بال نی
مائے.....نی میں کنوآکھاں
دردو چھوڑے داحال نی
مائے نی میں کنوآکھاں

☆☆☆

مائرہ کو ڈراپ کر کے گھر آتے تھکی ہوئی میرب تو راستے ہی میں سو گئی۔

"حریم کہاں ہے؟" ثریا پانی لے کر آئی تو انہوں نے یونہی پوچھ لیا۔ لیکن غیر متوقع جواب نے ان کا دماغ ہلا دیا۔

"نسرین بتا رہی تھی۔ وہ ڈرائیور کے ساتھ گاڑی میں کہیں گئی ہوئی ہیں۔" نزہت کو جھٹکا لگا۔

"کہیں گئی ہوئی ہے..... کیا مطلب..... کہاں گئی ہے اور کتنی دیر ہوئی؟" انہوں نے تیز لہجے میں پوچھا تو ملازمہ خائف سی ہو گئی۔

"میں تو آپ کے کمرے کی ڈسٹنگ کر رہی تھی۔ نسرین نے ہی بتایا تھا مجھے..... ایک ڈیڑھ گھنٹہ تو ہو ہی چکا ہے اور کچھ بھی بتا کر نہیں گئیں۔" اس نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے بتایا۔ تو ان کی تیوری کے بل اور گہرے ہوئے۔

"یہ لے جاؤ۔" انہوں نے ٹرے اور گلاس کی طرف اشارہ کیا تو وہ جلدی سے گویا جان بچا کر نکل گئی۔

"حرام خور نہ ہو تو..... جیسے اس کے باپ کی گاڑی اور ڈرائیور ہے۔ سیروں پہ نکلی ہوئی ہیں محترمہ! اسے تو آج میں بتاتی ہوں۔ میں اسے یہاں سے نکالنے کے چکر میں ہوں اور یہ یہاں کی مالکن بن رہی ہے۔"

وہ تنفر سے وہیں بیٹھی سوچ رہی تھیں۔ ان کا ارادہ آج حریم کی اچھی طرح کلاس لینے کا تھا۔ بیٹے کو نیچے آتے دیکھا تو با آواز بلند بولیں۔

"تمہاری بیوی گھر پہ نہیں ہے۔ کچھ پتا ہے کہ کہاں گئی ہے؟" اس کے قدم آہستہ ہوئے۔ حیرت سے انہیں

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

دیکھا۔
"کہاں گئی ہے؟" وہ تو یہی سمجھ رہا تھا کہ حریم حسب عادت وشوق کچن میں گھسی ہوگی۔
"یہی تو پتا نہیں ہے۔ اور اسے دیکھو، کچھ بھی بتائے بنا ہمارے گھر سے نکلتے ہی کہاں نکل گئی ہے۔"
"گاڑی پہ گئی ہے؟" وہ موبائل نکالتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔
"ظاہر ہے..... نئی نئی امیر ہوئی ہے۔ سارے ہی شوق پورے کرے گی۔ چاہے چوری ہی سہی۔" نزہت ناپسندیدگی سے بولیں۔ بھتیجی کی آزردگی کا اثر ابھی تک ان کے دل وذہن پر تازہ تھا۔
"ہوں..... شفقت کا موبائل بھی آف جا رہا ہے۔" وہ بڑبڑایا۔ اس نے ڈرائیور کو کال ملائی تھی۔
"ڈرائیور کو کال ملا کر اب تم اس سے پوچھو گے کہ وہ تمہاری بیوی کو کہاں لے کر گیا ہے..... حد ہوگئی اب یہ عزت رہ گئی ہے ہماری؟"
نزہت نے اسے گھر کا تو وہ خفیف سا ہوا۔ اسے دھیان آیا کہ حریم کے پاس موبائل نہیں تھا۔ اسے اپنی کوتاہی پر افسوس ہوا، اسے حریم کو موبائل لے کر دینا چاہیے تھا کبھی اچانک رابطے کی ضرورت بھی پیش آسکتی تھی۔ جیسے کہ آج.....
"پریشان مت ہوں۔ ابھی آجاتی ہے۔ شاپنگ کے لیے گئی ہوگی۔ ڈرائیور گاڑی ساتھ ہے ڈونٹ وری۔ میں بھی دیکھتا ہوں۔"
وہ اپنی پریشانی چھپاتے ہوئے مسکرا کر انہیں تسلی دیتا باہر کی طرف بڑھا۔
"یہی تو فکر ہے۔ ٹٹ پونجیوں کی اولاد گاڑی لے کر ایسے اڑ رہی ہے جیسے باپ کی کمائی سے جہیز میں لے کر آئی ہے۔"
اسے حریم کے پیچھے باہر جاتے دیکھ کر وہ ناگواری سے اونچی آواز میں بولیں مگر وہ ان سنی کرتا باہر نکل گیا۔ نزہت غصے سے تلملا کر رہ گئیں۔
"اسے تو آج میں بتاتی ہوں۔" ان کا ارادہ آج اچھی طرح سے حریم کی طبیعت صاف کرنے کا تھا سو جم کر وہیں بیٹھی رہیں۔

☆☆☆

وہ بہت ٹوٹی پھوٹی کیفیت میں سارے راستے ڈرائیور سے منہ چھپائے چادر میں روتے ہوئے آئی تھی۔ وہ تو شکر تھا کہ اس نے ڈرائیور کو واپسی کے لیے روک لیا ورنہ اسے یوں دلیں نکالا ملنے پر گھر واپسی کا ایڈریس بھی پتا نہ تھا۔ اکیلی تو شاید سڑکوں پہ ہی رلتی رہتی۔
ابا نے تو ایک منٹ کے لیے بھی نہیں سوچا تھا کہ اس کی واپسی کیسے ہوگی۔ کیا میکے آئی بیٹی کے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا ہے۔ اسے کھڑے قدموں سوکھے منہ واپس لوٹا دیا جاتا ہے؟ ابا..... میرے پیارے ابا..... آپ ایسے ظالم تو کبھی نہ تھے۔
اس کی آنکھیں چادر کے پیچھے ساون برسا رہی تھیں مگر اس کے سوالوں کے جواب دینے والا اس سے سب ہی رشتے توڑ اور منہ موڑ چکا تھا۔ وہ چادر سے چہرہ رگڑ کر شکست وریخت کے نشان مٹاتے ہوئے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

☆☆☆

"نہیں ہے..... کیا مطلب نرمین نہیں ہے گھر میں؟" ابا زبردستی مسکرائے۔ جیسے اس صدمے سے بچنے کے لیے کسی جھوٹی تسلی کی پناہ، کسی جھوٹے بہانے کی آڑ لینا چاہتے ہوں۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

"پیارے ابا!
آپ کہا کرتے تھے کہ بیٹیاں پھول ہوتی ہیں اور پھولوں کی ناقدری کرنے سے انسان کی بدذوقی اور بد فطرتی ظاہر ہوتی ہے.....تو اب آپ کی یہ پاکیزہ اور خاندان بھر سے الگ سوچ کہاں گئی ابا.....
آپ نے ہمیں بیٹوں سے بڑھ کر مان دیا۔ خاص طور پر مجھے۔ میری فراک۔ سینڈل۔ پنسل بیگ سے لے کر پڑھائی کے جیکٹس اور کالج یونیورسٹی مجھے میری مرضی سے چُننے کا اختیار دینے والے ابا۔ جب میرا آئندہ تمام زندگی گزارنے کا فیصلہ کرنے کا وقت آیا تو آپ ایک دم سے وہی روایتی بیٹیوں کے باپ کیوں بن گئے؟ اور "میری" زندگی کیسے گزرے گی اس کا اختیار "آپ نے" اپنے ہاتھ میں کیوں لے لیا؟
اگر یہاں زلفی کی جگہ کوئی پڑھا لکھا اور اچھا کاروباری انسان ہوتا تو شاید میں ہاں کر بھی دیتی ابا! لیکن آپ نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ ترازو کے دو پلڑے بے ایمانی سے برابر کرنے پر کوئی ثواب نہیں ملا کرتا۔ میں اور زلفی ترازو کے وہی دو پلڑے تھے ابا! جو کبھی بھی برابر نہ ہو پاتے۔ ماسوائے بے ایمانی سے رشتہ جوڑنے کے.....
اپنی محبت اور مہربانیوں کا صلہ کسی کی زندگی مانگ کر نہیں لیا جاتا۔ میں خوش ہوں اور آپ کو بھی تمام عمر پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں رہے گی کیونکہ میں نے جس شخص کو ہمراہی کے لیے چُنا ہے وہ شکل و صورت تعلیم یا پیسے کے لحاظ سے کسی ایک بھی خوبی میں مات نہیں کھاتا۔
ابا! اگر آپ میری چھوٹی سی درخواست مان کر عباد سے مل لیتے تو مجھے یہ انتہائی قدم نہ اٹھانا پڑتا۔ لیکن بات یہی ہے کہ والدین ساری عمر بچوں کی ہر بات مان کر ان کی زندگی کا اہم ترین فیصلہ اپنے ہاتھ میں رکھ لیتے ہیں۔
زلفی کسی بھی طور میرے قابل نہ تھا ابا ورنہ میں آپ کی زبان کا پاس رکھنے کی کوشش ضرور کرتی۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔
معافی کی خواستگار آپ کی بیٹی۔
نرمین مصطفیٰ!"
ابا ڈھے گئے۔ حریم نے روتے ہوئے اس کا آخری خط پڑھ کر سنایا تھا۔ اماں چھاتی پیٹنے لگیں۔
"ہائے.....نرمین.....تجھے میری آہ لگے۔ ہمارے بالوں میں خاک ڈال گئی۔ تیرا ستیاناس....."
اور ہمیشہ کی طرح بیٹیوں کے لیے کوئی غلط لفظ استعمال نہ کرنے والے ابا کی آج زبان تو کیا پورے ہی وجود پر لرزہ طاری تھا وہ اماں کو کیا روکتے ٹوکتے۔ ان کا تو اپنا رواں رواں آج نرمین مصطفیٰ کے لیے بددعا بنا ہوا تھا۔

☆☆☆

"کہاں سے آرہی ہو؟"
وہ غم کی شدت برداشت کر کے آئی تھی اب خود فراموشی کی کیفیت میں تھی۔ نزہت نے لاؤنج میں ہی روک لیا تو بری طرح چونکی۔ اور چونک تو اس کی حالت دیکھ کر نزہت بھی گئی تھیں۔ رو رو کر سوجی ہوئی آنکھیں سپید پڑتی رنگت اور خود میں گم وہ جیسے اردگرد سے بے پروا ہو کر چل رہی تھی۔ ان کے باآواز بلند ٹوکنے پر گڑبڑا سی گئی۔
"جی؟"
"میں پوچھ رہی ہوں کہ ہمارے گھر سے نکلتے ہی کہاں گئی تھیں.....اور کس سے مل کے آرہی ہو؟"
وہ شک وشبے سے لبریز لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔ حریم کے حواس آہستہ آہستہ پگھلنے لگے۔ کچھ کوڑے وہ روح پر ابھی کھا کر آرہی تھی انہی کی تکلیف نہیں گئی تھی کہ نئے سرے سے ان ہی زخموں کو پھر سے ادھیڑا جا رہا تھا۔
"مم.....میں.....اماں سے ملنے گئی تھی۔" اس نے ٹوٹی پھوٹی وضاحت دی۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

"کیوں۔ کس سے پوچھ کر؟ اور یہ ڈرائیور تمہارے باپ کا نوکر ہے کیا کہ اپنے اشاروں پہ نچا رہی ہو اسے؟"

نزہت نے تنک کر کہا۔ وہ پہلے ہی روحانی و ذہنی ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھی اب تو بالکل ہی ڈھے گئی۔

"وہ جو تمہارا نام نہاد کاغذی شوہر ہے نا۔ دولت کے لالچ میں اپنی بہن کی طرح تم نے بھی جسے بے وقوف بنا رکھا ہے۔ وہ بھی بے خبر ہے کہ اس کی بیوی اس کی غیر موجودگی میں کس سے ملنے گئی ہوئی ہے۔"

وہ متنفر سے گویا ہوئیں۔ وہ ایک ہی وار اور ایک بار میں اس کی عزت نفس کی دھجیاں اُڑا دینا چاہتی تھیں تاکہ وہ کبھی ان کے سامنے آواز بلند کرنے کی ہمت ہی پیدا نہ کر سکے کجا کہ حق بات کرنا۔

"میں نے کہا نا کہ میں اپنے گھر گئی تھی اپنے ماں باپ سے ملنے۔" حریم نے اپنی پوری ہمت مجتمع کر کے بامشکل کہا۔ لیکن وضاحتیں وہاں کارگر ہوتی ہیں جہاں سامنے والا آپ کے متعلق اچھے خیالات رکھتا ہو اور یہاں تو ویسی بات ہی نہیں تھی۔

"یہ بہانے جا کر اپنے شوہر کو سناؤ۔ جو پورے شہر میں ڈھونڈ کے آیا ہے تمہیں۔" وہ بے اعتنائی سے ہاتھ جھٹک کر بولی تھیں پھر بڑبڑاتی ہوئی اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

"اللہ....." حریم کا دل چاہا، یہیں سے باہر نکل جائے اور پھر کبھی اس گھر میں نہ لوٹے۔ وہ من من بھر کے قدموں کے ساتھ سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

اس وقت شام کے سات بج رہے تھے۔ اس نے نا چاہتے ہوئے بھاری دل کے ساتھ کمرے کا دروازہ کھولا تو نیم تاریکی اور پنکھے کی ٹھنڈی ہوا نے اس کا استقبال کیا۔ وہ میرب کو سلا رہا تھا، چونک کر سر اٹھا کر دیکھا پھر حریم کو اندر آتے دیکھ کر اطمینان کی سانس لی۔ کروٹ کے بل سوئی میرب کو شانے تک چادر اوڑھاتے ہوئے وہ اٹھ بیٹھا۔ حریم مشینی انداز میں چپ چاپ جا کر کاؤچ پر بیٹھ گئی۔

"تم نہیں پوچھو گے کہ میں کہاں گئی تھی؟" وہ جوتے پہن رہا تھا جب اس نے حریم کی سپاٹ آواز سنی۔

"تم آ گئی ہو، یہ بات زیادہ امپورٹنٹ ہے۔" وہ ہلکے پھلکے انداز میں بولا۔ جانتا تھا کہ ممانے اسے آتے ہی خوب سنائی ہوں گی۔

"پھر بھی..... شک تو ہوا ہوگا۔ کہیں بھاگ نہ گئی ہوں یا کسی کے ساتھ....."

"حریم۔ شٹ اپ۔" وہ برہمی سے کہتا اس کی بات کاٹ گیا تھا۔ اس کے پاس جا کر اسے بازو سے تھام کر اٹھایا اور درمیانی دروازہ کھول کر اسے ڈریسنگ روم میں لے آیا کہ وہاں بات کرنے سے میرب کے اٹھ جانے کا ڈر تھا۔ وہ کسی بے جان گڑیا کی طرح اس کے ساتھ گھسٹتی ہوئی چلی گئی۔

"کیا فضول بکواس ہے یہ؟" لائٹ آن کرتے ہوئے سابقہ برہم لہجے میں پوچھا پھر اس کا متورم چہرہ اور سوجی ہوئی سرخی مائل آنکھیں دیکھ کر چپ رہ گیا۔

"گھر گئی تھیں؟" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے پوچھا تو حریم کا دھاڑیں مار کر رونے کو دل چاہا۔

"نہیں۔ تم اسی بات کو سچ مانو کہ میں گھر سے بھاگ کر کسی سے ملنے گئی تھی کیونکہ یہ تمہاری ماں نے مجھ سے کہا ہے۔"

اس کی آواز بھاری ہو رہی تھی۔ لہجے کی تلخی و ترشی کا امتزاج اپنے جوبن پر تھا۔

"کوئی جو بھی کہے۔ بس چپ کر کے سن لو۔ میں تو جانتا ہوں نا کہ سچ کیا ہے۔"

اپنی طرف سے اس نے بہت ہمدردانہ انداز اپنایا مگر وہ اس بری طرح ری ایکٹ کرے گی مقابل کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

"چپ کر کے سن لوں؟" حریم کو اس کی بات سن کر جھٹکا لگا۔ بے یقینی سے سامنے کھڑے شخص کو دیکھا۔
"کوئی کہے کہ میں کہیں منہ کالا کرنے گئی ہوئی تھی تو میں چپ کر کے سن لوں؟ کوئی کہے کہ ڈرائیور میرے باپ کا نوکر ہے اور میں اسے اپنی انگلیوں پر نچا رہی ہوں تو مجھے خوش ہو کر اس الزام کو خود پر لینا چاہیے۔ کیونکہ "تم" جانتے ہو کہ ایسا کچھ نہیں ہے۔"
حریم نے کہتے ہوئے بے اختیار غصے میں اس کی شرٹ کے کالر کو دونوں ہاتھوں کی مٹھیوں میں جکڑ کر جھٹکا دیا۔
"تم..... تم ہو کون؟ وہ۔ جس نے خود میری پوری زندگی کو ایک الزام بنا کر رکھ دیا ہے اور اب مجھے مشورے دے رہے ہو کہ ہر الزام چپ کر کے سہہ جاؤں..... کیوں کس کے لیے؟ اس ذلت بھری زندگی کے لیے؟"
حریم چیخی جبکہ وہ ساکت کھڑا اس کے غضب کو ابلتے۔ جوش کھاتے اور اب جذبات سے کناروں سے بہہ نکلتے دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنا کالر حریم کے ہاتھوں سے چھڑانے کی کوشش نہیں کی تھی۔
"میں بری لڑکی نہیں ہوں۔ تم جانتے ہو یہ بات مگر آج..... میرے باپ نے..... میرے پیارے ابا نے..... مجھے کھڑے کھڑے گھر سے نکال دیا۔ ایک لمحہ بیٹھنے نہیں دیا۔ ایک گھونٹ پانی نہیں پوچھا۔ تم..... تمہاری وجہ سے وہ مجھے بدکار..... بے ایمان اور جھوٹی سمجھتے ہیں کیونکہ تم نے ان کے سامنے مجھے ایسا بنا کر پیش کیا تھا..... اور اب تم کہتے ہو کہ کوئی چاہے کچھ بھی کہے۔ تم سچ جانتے ہو..... تو پھر میرے ابا کے سامنے تم نے جھوٹ کیوں بولا؟ کیوں میرے لیے رحمت اور برکت والے دروازے اور دعاؤں والے لب بند کروا دیے..... کیوں۔" وہ اس کے کالر کو جھنجھوڑتے ہوئے اونچی آواز میں رونے لگی۔
"شش..... بس کرو اب۔" اس نے بے اختیار حریم کو اپنے ساتھ لگا کر تسلی دینا چاہی مگر حریم نے فی الفور دونوں ہاتھ اس کے سینے پر رکھ کر اسے پیچھے دھکیل دیا۔
"تم اس قابل نہیں ہو کہ میں تسلی و تشفی کے لیے تمہارا سہارا لوں۔" وہ نفرت سے کہتے ہوئے دروازہ کھول کر کمرے میں چلی گئی تھی جبکہ وہ اپنی اس "پیش قدمی" پر شرم سار سا وہیں کھڑا رہ گیا۔

☆☆☆

"طوبیٰ کے ابا۔ کھانا کھا لیں۔" وہ حریم کے جانے کے بعد سے اندھیرے کمرے میں پڑے ہوئے تھے۔ کھانے کا وقت ہو گیا، تب اماں نے ہمت کر کے ان کے کمرے کی لائٹ آن کی۔
"مت پکارا کرو مجھے ان کے ناموں سے۔ پہلے نرمین۔ پھر حریم اور اب یہ....." وہ پھٹ پڑے ان کی آواز ہوئے سے ٹی وی لاؤنج کی میز پر کھانا لگاتی طوبیٰ کے کانوں سے ٹکرائی تو اس کے آنسو بہہ نکلے۔
یا اللہ! تیری دنیا کے دستور..... کرے کوئی بھرے کوئی۔ نرمین کا کیا تمام عمر کے لیے ان دونوں کو والدین کے لیے بے اعتبار کر گیا تھا۔
"دفع ہو گئی ہے وہ۔ اب کبھی نہیں آئے گی۔ آپ چھوڑ دیں اس کے بارے میں سوچنا۔ کھانا کھا لیں۔"
"تھوڑا سا زہر لے آؤ اس کھانے میں ملا کر زاہدہ! اس سے پہلے کہ ہماری تیسری بیٹی بھی ہمارے سروں پر راکھ ڈال جائے۔"
طوبیٰ نے منہ پہ ہاتھ رکھ کر اپنی ہچکیاں روکیں۔
"ایسی باتیں مت کریں۔ آپ نے تو ہمیشہ مجھے ایسی باتیں کرنے سے منع کیا ہے۔" اماں تڑپ اٹھیں۔
"غلط کرتا تھا میں..... خاندان کی طرح میں بھی انہیں جوتیاں سیدھی کرنے پر لگائے رکھتا تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔" انہوں نے آہ بھری۔

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

اور جب کوئی اپنے غلط عمل پر ڈٹا رہے کہ وہ زیادتی کا مرتکب نہیں ہو رہا تو وہ درحقیقت سب سے زیادہ زیادتی کر رہا ہوتا ہے۔

اگر زمین سراسر غلط کر گئی تھی تو صحیح مصطفیٰ صاحب بھی نہیں کر رہے تھے۔ ایک ناپسندیدہ بندے کو اس کے سر تھوپ کر۔ ساری زندگی کے معاملات محض اپنے رشتہ داروں کو خوش رکھنے کے لیے نہیں کیے جاتے۔ بلکہ جن کی زندگی کا فیصلہ ہو، ان کی رضامندی بھی ضروری ہے۔ لیکن یہ بات انہیں کون سمجھاتا؟

"آئندہ اگر ان دونوں میں سے کسی نے بھی اس گھر کی دہلیز سے اندر قدم رکھا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا زاہدہ! یہ بات لکھ کر رکھ لو۔ اور سلا دو اپنی بے وقوف ماما کو۔ جس کا پہلے ہی وہ کافی فائدہ اٹھا گئی ہیں۔"

وہ ستے چہرے کے ساتھ کہتے اماں کو بہت کمزور لگے۔ وہ آنسو پیتے ہوئے ان کا ہاتھ تھام کر انہیں اٹھنے میں مدد دینے لگیں۔

☆☆☆

"عباد..... کہاں ہو تم..... آفس کو تالا لگا دوں کیا؟ میں اپنا کام دیکھوں یا تمہارا؟" وسیم سیٹھی کی کال نے ہنی مون کا سارا نشہ ہرن کر دیا۔ وہ کم ہی غصے میں آتے تھے لیکن جب غصہ کرتے تو پھر عباد کو بھی سنبھلنا پڑتا تھا۔

"بتایا تو تھا۔ دو ہفتوں کے لیے دوستوں کے ساتھ گھومنے کا پروگرام ہے۔ میرے کاروبار کی فکر مت کیجیے آؤٹ لیٹ ثمینہ اور فرحان کے حوالے ہے، وہ بہت اچھے سے مینیج کر رہے ہیں۔"

"شاباش..... میرا تو خیال ہے کہ تمہارا کاروبار ان ہی دونوں کے حوالے کر دوں اگر اتنے ہی بے فکر ہو تم ان کی مینجمنٹ کو لے کر۔" انہوں نے جما کر طنز کیا تو وہ زور سے ہنسا۔

"مذاق بہت اچھا کرتے ہیں آپ۔"

"یہ مذاق نہیں ہے الو کے پٹھے۔" انہوں نے اسے گھر کا تھا۔

"میں کون سا جوان لڑکی ہوں جو گھر سے باہر ہے تو آپ کو اتنی فکر لگی ہوئی ہے۔" وہ ایک ہاتھ سے زمین کا بازو تھام کر اسے اپنے پاس بٹھاتے ہوئے شرارت سے بولا تو وہ منہ پہ ہاتھ رکھ کر بے آواز ہنس دی۔

زمین ہواؤں میں اُڑ رہی تھی..... تھوڑا بہت گھر سے چوری چھپے نکل کر نکاح کرنے کا دکھ اگر تھا بھی تو نکاح کے تیسرے ہی دن عباد کے ساتھ نادرن ایریاز کے سفر نے اسے سب کچھ بھلا دیا۔

"ہنہ..... یہی تو اصل زندگی ہے۔ اپنی زندگی کو بنا کسی "افسوس اور کمی" کے اپنی من مرضی سے گزارنا۔" اس کا ہر دن عید اور ہر رات گویا شب برأت تھی۔ اس نے عباد کو ایک روایتی امیر زادہ ہی سمجھا تھا لیکن وہ اس سے اتنی محبت کرے گا۔ یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

فون بند ہوتے ہی وہ جی جان سے اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"بتایا کیوں نہیں ڈیڈی کو کہ ہنی مون پہ آئے ہوئے ہو؟" زمین نے اسے چھیڑتے ہوئے پوچھا تو وہ ہنسنے لگا۔

"ہاہ..... ان کو بتا دیتا تو جہاں لوگ کسی کی تلاش میں کنوؤں میں بانس ڈلواتے ہیں ڈیڈ نے "مون" پہ بانس ڈلوا دینے تھے۔" وہ برجستہ بولا اور پھر دونوں ہنسنے لگے۔ ان دنوں تو بنا بات کے بھی ہنسی ہی آ رہی تھی۔

"خوش ہونا، دیکھ لو۔ میں اپنے قول سے نہیں پھرا ہوں۔" وہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر کر اس کے شانے پہ بکھراتے ہوئے شرارت سے کہہ رہا تھا۔

"تم نے تو ایک قول نبھایا ہے عباد! میں تو اپنی پوری زندگی کا داؤ کھیل آئی ہوں تمہاری محبت کی خاطر۔" زمین نے جواباً کہا تھا۔

یہ محبت کی ایک نگاہ اور چار لفظوں پہ مر جانے والی قوم نہیں جانتی کہ آپ کو ''میری جان سے پیاری'' کہنے والے اکثر آپ کے جان سے پیاروں کو چھڑوا دیا کرتے ہیں۔

مگر ابھی وہ نئی فضاؤں میں پر پھیلائے محو پرواز تھی تو صرف ''ملن'' ہی حقیقت لگ رہا تھا ''جدائی'' کا تو وہ سوچ ہی نہیں رہی تھی۔ وفا تو اس نے صرف اس ملن کے لیے نبھائی تھی۔ جن کو جدائی دے آئی تھی انہیں ساتھ بے وفائی کا درد بھی دیا تھا۔

بے تحاشا ہی تجھے یاد کیا۔۔!
اور بھلایا بھی بہت ہے تجھ کو
ساری رونق ہی تیرے دم سے ہے
اور ترے بکھرے ہوئے غم سے ہے
جس قدر
میں نے تعلق ترا محسوس کیا
اتنی گہرائی تو روحوں میں ہوا کرتی ہے
جس قدر
میں نے تیری ذات کو خود میں پایا
اتنی یکتائی صحیفوں کہاں ملتی ہے؟
فاصلے وقتیں کھو بیٹھے ہیں، دوریاں پھیکی پڑیں
اتنی شدت سے تجھے سوچا ہے
اتنی شدت سے تجھے چاہا ہے
شدتیں عشق کی معراج ہوا کرتی ہیں

عباد نے آخری لائن گنگنائی تو اس کی نگاہ زمین پر مرکوز تھی، وہ طمانیت سے مسکرا دی۔

☆☆☆

"میں تو طے کر کے بیٹھی ہوں عباد کے آتے ہی اس کی اور مائرہ کی شادی کی تاریخ طے کرنی ہے بس۔" نزہت نے اپنا تکیہ ٹھیک کرتے ہوئے قطعی لہجے میں کہا تو وسیم صاحب نے موبائل کیلکولیٹر پہ حساب کتاب چھوڑ کر گھورتے ہوئے انہیں دیکھا۔

''میں کہہ رہا ہوں، کوئی فضول حرکت مت کرنا۔ تمہارا لاڈلا کچھ اور ہی ٹھانے ہوئے ہے۔ نئے گل ہی کھلائے گا کوئی۔ ادھر تم بھائی بھتیجی کے رشتے کو بھی گنوا بیٹھو گی۔''

"اوہو۔ آپ بھی نا۔ جوان لڑکے اور اڑیل گھوڑے میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ دونوں کو بڑی ہوشیاری سے قابو کرنا پڑتا ہے۔ اس نے کچھ الٹا سیدھا کہہ دیا تو کیا میں اب اپنی زبان سے پیچھے ہٹ جاؤں۔ زندگی میں کئی لڑکیاں پسند آتی ہیں لڑکوں کو پر شادی تو کسی ایک سے ہی کرنی ہوتی ہے انہوں نے۔ تو مائرہ ہی سہی۔'' وہ مطمئن تھیں۔

"میں اسے سارے لالچ دے کر دیکھ چکا ہوں۔ اس کی سوئی اٹک چکی ہے اسی لڑکی پر..... مائرہ کو بیچ میں لا کر تم بھی اپنی رشتہ داری خراب مت کرو۔ وہ پہلے ہی اس کے ساتھ کافی بکواس کر چکا ہے فون پر۔'' انہوں نے سختی سے نزہت کو منع کیا تھا۔

"میں آپ سے کہے دیتی ہوں وسیم! میں کسی ٹٹ پونجیے کی بیٹی کو اس گھر کی بہو بننے نہیں دوں گی۔ میں نے

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

ہمیشہ سے مائرہ کو ہی اس گھر کی بہو کے روپ میں دیکھا ہے۔'' وہ جذباتی ہونے لگیں تو وسیم صاحب چڑ کر بولے۔

"ذرا اپنی آنکھیں اپنے لاڈلے کو بھی لگا دیتیں تاکہ وہ بھی صرف مائرہ ہی کو اپنی دلہن کے طور پہ دیکھتا۔'' ان کے لطیف سے طنز پر نزہت جز بز ہوئیں۔

"میں نے تو ہمیشہ سے ہی یہی سوچ رکھا تھا اور عباد کی بھی تو کتنی اچھی دوستی تھی مائرہ کے ساتھ..... وہ راہ چلتی پتا نہیں کہاں سے چمٹ گئی میرے بچے کو۔'' نزہت کف افسوس مل رہی تھیں۔

"وہ تو کیا چمٹی ہوگی تمہارا بیٹا بھی کم بدنام نہیں اس فیلڈ میں۔''

"آپ کو تو اتنی سیریس گفتگو میں بھی مذاق سوجھ رہا ہے۔'' سر جھٹک کر خفگی سے کہتی وہ سونے کے لیے لیٹ گئیں تو بے کار کی بحث ختم ہوتے دیکھ کر وسیم صاحب بھی اپنے حساب کتاب میں مصروف ہو گئے۔

☆☆☆

"اب تو اٹھا دو اس کمبخت کو۔ دن کے بارہ بج رہے ہیں۔ لوگوں کے دوپہر کے کھانے کا وقت ہو چکا ہے اور اس پوستی کی نیند ہی پوری نہیں ہو رہی۔'' پھپھا کو آج کھانا لینے خود آنا پڑا تھا اور زلفی کو ابھی تک نیند میں دھت پڑا دیکھ کر ان کا پارہ ہائی ہو گیا۔

"ارے کیا کرتے ہو، کبھی تو بخش دیا کرو۔ صدمے میں ہے بے چارہ۔'' نصرت فوراً آنکھوں میں موٹے آنسو بھر لائیں۔

"صدمے میں ہے تین ماہ سے کمبخت یا نیند میں؟ اتنی بے عزتی کے بعد لوگوں کی آنکھیں کھل جاتی اور نیندیں اڑ جاتی ہیں۔ یہ انوکھا اور ہی حرام ہو گیا ہے۔ نیندیں پوری کر رہا ہے۔ میں نے کہا تھا نا۔ مت اڑو ان ہواؤں میں۔ وہ بھی اپنے نالائق اور نکمے بیٹے کی ہمراہی میں۔ چکھ لیے سارے مزے تم نے؟ کر لی بیٹے کی شادی پڑھی لکھی بھتیجی سے؟''

پھپھا کو تو حریم کی شادی کے بعد موقع مل گیا تھا نصرت پھپھو کی بے عزتی کرنے کا۔ نصرت نے دوپٹے کے کونے سے آنسو پونچھے۔

"بس کرو زلفی کے ابا! مت چھڑکو میرے زخموں پہ نمک۔''

"میں کیا نمک چھڑکوں گا، تمہاری بھتیجیوں نے ہی بھر بھر کے خاک ڈالی ہے ہمارے سر پر۔ کہا بھی تھا مت پڑو اس چکر میں دوبارہ۔ ایک بہن کسی کے ساتھ نکل گئی تو دوسری کے خواب بھی چھوٹے نہیں ہوں گے..... مگر تمہیں تو شوق تھا عزت بیچ چوراہے میں رکھنے کا۔ لو اب ستھری ہو گئی۔''

پھپھا کے تو مانو منہ سے کف نکل رہا تھا۔ دو بار خاندان والوں کے سامنے نکو بن چکے تھے اور کرتے بھی تو کیا۔ سو شور مچا کر اندر کا غبار نکال لیا کرتے تھے۔ اور زلفی کی نیند اڑنے کے بجائے صدمے کے مارے اور گہری ہوتی جا رہی تھی۔ نصرت نے پھپھا کی مزید جلی کٹی سننے سے بچنے کے لیے جلدی سے ٹفن پیک کر کے ان کے ہاتھ تھمایا تب جا کر جان چھوٹی۔

ان کے جانے کے بعد نصرت نے جا کر بیٹے کے سرہانے بیٹھ کر اس کے الجھے بالوں میں ہاتھ پھیرا تو وہ جواباً گھر کیاں اور طنز سنتے ہوئے بدستور آنکھیں موندے سونے کی اداکاری میں مصروف تھا۔ ناراضی سے ماں کو دیکھنے لگا۔

"اٹھ گیا میرا شہزادہ۔'' نصرت کے لہجے میں اتنی ہی شیرینی گھلی ہوئی تھی جتنا کہ چند لمحے پہلے پھپھا کے لہجے میں زہر بھرا تھا۔

"شہزادہ نہ کہو اماں! گرہن لگا چاند کہو۔ چونا لگا گئیں تمہاری دونوں بھتیجیاں مجھے..... گلی، محلے میں نکلنا دوبھر

Waqar Azeem Pakistanipoint.com
www.pakistanipoint.com

ہو گیا ہے میرا۔" زلفی روہانسا ہو گیا۔

"تجھے بھی وقت سے پہلے یار دوستوں میں شوبازی کی کیا ضرورت تھی۔ جب ہو جاتی شادی تو آپ ہی دنیا کو پتا چل جاتا۔" نصرت کو بھی بیٹے کا دل ٹوٹنے کا قلق تھا۔

"تو جس کی شادی نہ ہو، اس کو جینے کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ اسے خودکشی کر لینی چاہیے؟" وہ تلخ ہوا نصرت تڑپیں۔

"اللہ نہ کرے۔ کیا بدفال منہ سے نکال رہا ہے؟"

"ابا کی باتیں سن کر تو یہی لگتا ہے مجھے کہ جس کی منگنی ٹوٹ جائے، اسے جینے کا کوئی حق نہیں اور جس کی دو منگنیاں ٹوٹیں، اسے تو لازماً ہی ڈوب مرنا چاہیے۔" وہ بھنایا ہوا تھا۔

"تو نے بھی تو چارپائی توڑنے میں نام پیدا کیا ہوا ہے..... ہائے۔ کمبخت مارے..... اتنی حسین اور پڑھی لکھی لڑکیاں ہاتھ سے گنوا دیں..... ہڈحرام کہیں کا۔ تو نہ ہوا اس قابل کہ کوئی ایک تیرے لیے بھی گھر چھوڑ آتی۔"

نصرت کا نزلہ اب زلفی کی ہڈحرامی اور نالائقی پر گرنے لگا تھا۔ وہ چادر اتار کر پرے پھینکتا اٹھ گیا۔

"اس گھر میں تو دکھ بھی ٹھیک سے نہیں منا سکتا انسان۔" وہ چپلیں گھسیٹتا واش روم کی طرف بڑھا۔

"ارے کم بخت مارے۔ تین ماہ تو ہو گئے تجھے لیٹ کر سوگ مناتے..... تیری کون سی طلاق ہوئی ہے جس کی عدت پوری کر کے ہی اٹھے گا چار مہینے بعد۔"

نصرت کے سارے نرم جذبات اڑ گئے۔ انہیں اکثر احساس ہوتا تھا کہ زلفی کی نالائقی کی وجہ سے قسمت ان سے دغا کر گئی تھی۔ زلفی بڑبڑاتا ہوا واش روم میں گھس گیا تو وہ گہری سانس بھرتے ہوئے آزردہ سی باہر نکل گئیں۔

☆☆☆

"میں سمجھا دوں گا اسے۔ تم فکر مت کرو۔" پال نے مارک کی شکایت سن کر نرمی سے کیتھی کو دلاسا دیا مگر وہ شدید غصے میں تھی۔ اس نے انگلی سے منگنی کا چھلا اتار کر پال کی طرف بڑھایا تو وہ متحیر سا اس کا منہ تکنے لگا۔

"میں اس رشتے کا بوجھ مزید برداشت کرنے کی سکت نہیں رکھتی پاپا۔" اس نے صاف گوئی سے کہا تھا پال سے آنکھ تک نہ جھپکی گئی۔

"تم ایک چھوٹی سی بات پر ہم دونوں بھائیوں کے درمیان خلیج بنا رہی ہو کیتھ!"

"یہ چھوٹی بات نہیں ہے پاپا۔"

"یہاں گوروں اور کالوں میں مار پیٹ چلتی رہتی ہے..... میں سمجھا دوں گا مارک کو۔" پال اسے کیتھی کی وقتی جذباتیت سمجھ رہا تھا۔

"زیڈ اس وقت میرے ساتھ تھا پاپا! جب مارک نے اس پر حملہ کیا۔" کیتھی اپنے لفظوں پر زور دے کر بولی۔ وہ درحقیقت شدید صدمے اور غصے کی کیفیت میں تھی۔

"میرا خیال ہے کہ تمہیں جلد بازی میں کوئی فیصلہ نہیں لینا چاہیے۔" ڈورس نے کھنکھارتے ہوئے بڑے سبھاؤ سے گفتگو میں حصہ لیا۔ "پال تم مارک کو شام کی چائے پہ انوائٹ کرو۔ پھر بات کرتے ہیں تفصیل کے ساتھ۔" کیتھی ہاتھ سے اتارا چھلا سینٹر ٹیبل پر رکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"شیور..... لیکن جاتے ہوئے یہ انگوٹھی اس کے ہاتھ پہ ضرور رکھ دیجیے گا۔" اس کے رکھائی سے کہنے پر ان دونوں کے منہ کھلے رہ گئے۔

"اتنی جلد بازی مت کرو کیتھ! مارک بے شک جذباتی ہے۔ دماغ کے بجائے زیادہ تر ہاتھ سے کام لیتا ہے لیکن اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ وہ ایک اچھا انسان نہیں ہے۔" ڈورس نے اسے اس کے فیصلے سے باز رکھنے کے لیے مارک کی حمایت کی۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

"بس کر دیں مام! اگر میں آپ سے مارک کی کوئی ایک ڈھنگ کی تعریف کرنے کا کہوں تو آپ سوچ میں پڑ جائیں گی تین دن کے لیے۔" کیتھی آزردہ سی مسکرائی پھر خاموش بیٹھے پال کی طرف مڑی۔

"آئم سوری ڈیڈ! لیکن میرا یہ فیصلہ بالکل بھی وقتی یا جذباتی نہیں۔ میں نے اس سارے عرصے میں مارک کو اچھی طرح جانچ لیا ہے وہ میرے ذہن کے مطابق لڑکا نہیں ہے۔"

"تو پھر اس کا نام بتا دو جو تمہارے ذہن اور ذوق کے مطابق ہے؟" وہ اپنے کمرے میں جانے لگی تھی جب پال کا چبھتا ہوا سوال کیتھی کی سماعت سے ٹکرایا۔

"جب ہوگا تب وہ بھی بتا دوں گی ڈیڈ!"

وہ مسکرا کر کہتے ہوئے چلی گئی تھی۔ ڈورس نے فکرمندی سے شوہر کی طرف دیکھا۔ وہ جانتی تھی کیتھی کو یہ فیصلہ پال کو بہت ڈسٹرب کر دے گا۔ اور اس نے پریشانی کو اس کے چہرے سے جھلکتے دیکھ بھی لیا۔

"فکر مت کرو، سب ٹھیک ہو جائے گا ابھی وقتی جذباتیت ہے کیتھی کی۔ تم ذرا مارک کی بھی تو کلاس لو۔ اسے بھی اپنے رویے کو ٹھیک کرنے کی بہت ضرورت ہے۔" ڈورس نے ہمدردی سے مشورہ دیتے ہوئے اپنے شوہر کا شانہ تھپتھپایا تھا۔

"کیتھ کو میرے خیال میں ڈینئیل ہی ٹھیک طرح سے سمجھا سکتا ہے۔" پال نے امید افزا نظروں سے بیوی کو دیکھا تو اس نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆☆☆

"میرا تو دل بہت گھبرا رہا ہے عباد!" نرمین متفکر تھی۔

"ہیں..... اتنی جلدی۔ "خوش خبری" تو نہیں کوئی؟" بیگ بند کرتے ہوئے وہ شرارت سے پوچھ رہا تھا۔ اس کا مطلب سمجھتے ہوئے نرمین نے اس کے شانے پہ ہاتھ مارا۔

"شٹ اپ۔" وہ بھی ہنسنے لگی۔

"خود ہی تو کہہ رہی تھیں بار بار کہ گھر والوں کو شادی کی خوش خبری دے دینی چاہیے اور اب جب واپس جا رہے ہیں گھر تو خود ہی گھبرا رہی ہو۔" وہ اس کی گھبراہٹ کا مزہ لیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"تم مجھے فلیٹ پہ چھوڑ جانا عباد! میں یہ جنگ و جدل والا ماحول نہیں دیکھ سکتی۔ جب سب کچھ سیٹل ڈاؤن ہو جائے تو مجھے لے جانا گھر۔"

نرمین نے کہا تو اس نے نرمین کا بازو تھام کر سہولت سے کھینچتے ہوئے اسے اپنے سامنے بٹھایا۔

"اچھا..... یعنی قصور دونوں کا ہے اور شیر کی کچھار میں بس میں اکیلا ہی جاؤں گا؟" عباد نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

"کیونکہ شیر تمہارے ابا ہیں..... میرے نہیں۔" نرمین مسکرائی..... مگر پھر مسکرا نہ سکی۔ اسے اپنے ابا یاد آئے تھے۔ نرمین کے پیارے ابا۔ اس کی ہر چھوٹی بڑی فرمائش پہ آمنا و صدقنا کہنے والے ابا..... اس کی آنکھ بے اختیار بنا شعوری کوشش کے ہی بھر آئی۔

"ارے..... اتنے خوفناک نہیں ہیں میرے ڈیڈ....." عباد نے حیران سا ہو کر بے ساختہ اسے ساتھ لگا لیا۔

"میرے ابا بھی بہت اچھے ہیں عباد!" اس کی آواز مدھم تھی۔ عباد نے پل بھر میں ہی معاملہ سمجھتے ہوئے گہری سانس لی۔

"ابا سب ہی کے اچھے ہی ہوتے ہیں بس یونہی ان کو "ہڑکا" ہوتا ہے اولاد کی خوشیوں کے بیچ آنے کا۔" وہ اس کا موڈ ٹھیک کرنے کی خاطر مزاحیہ انداز میں بولا تو واقعی وہ ہنس دی۔ عباد نے دوسراہٹ کے احساس کے لیے اس کی

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

پشت تھپتھپائی۔ یہ اس کے ساتھ ہونے کا احساس ہی تھا جس کے بعد زمین کو آگے کی منزل آسان دکھائی دینے لگی۔

☆☆☆

"آر یو کڈنگ برو؟" گھر جاتے ہوئے راستے میں ڈرائیو کے دوران اس نے بلیوٹوتھ کان میں اڑستے ہوئے چھوٹے بھائی کو واٹس اپ کال پہ شادی شدہ ہو جانے اور باقاعدہ ہنی مون منا کر آنے کی خوش خبری سنائی تو وہ دنگ رہ گیا۔

"مذاق کر رہے ہو نا؟"

عباد اس کی بے یقینی پہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔

"اب اس بات کا کیا ثبوت دوں تمہیں کہ شادی شدہ ہو چکا ہوں؟" زمین نے جھینپ کر اس کے بازو پر چٹکی بھری تھی۔

"گھر میں پتا ہے کسی کو؟" وہ شدید پریشانی کا شکار تھا۔

"آج واپسی ہے۔ وہی کے ٹو سر کرنے جا رہا ہوں۔ ابھی تو ہنی مون کا خمار طاری ہے میرے بھائی!" عباد بے حد خوش تھا۔

"شٹ اپ برو! ہمارے گھر کی بنیاد ہلا دی ہے تم نے۔ یہ تو گھر جا کے تمہارے سارے خمار اتریں گے۔" وہ ناراضی بھرے غصے سے بولا۔

"چلو۔ دیکھ لیتے ہیں۔ سب سود و زیاں دیکھ کر ہی یہ قدم اٹھایا ہے میں نے۔ تم فکر مت کرو۔" عباد نے چھوٹے بھائی کو پچکارا تو وہ تلخ ہوا۔

"فکر.....؟ فکر تو چھوٹا لفظ ہے اس حادثے کے لیے۔ میں تو وہاں نہ ہوتے ہوئے بھی وہ قیامت دیکھ رہا ہوں جس کا تم وہاں ہو کر بھی تصور نہیں کر رہے۔"

زمین کو چاہے دوسری طرف کی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی لیکن عباد کی گفتگو سے جتنی سمجھ رہی تھی وہ اسے متفکر کر رہی تھی۔ جب یک جان دو قالب ہونے کا دعوا کرنے والا بھائی عباد کے اس اقدام پر اتنے تحفظات رکھتا تھا تو اس کے گھر والوں کے کیا حالات ہونے والے تھے۔ یہ اب آنے والا وقت ہی بتا سکتا تھا۔ واپس آ کر عباد نے اسے فلیٹ میں چھوڑا اور خود اپنا مقدمہ لڑنے گھر کی راہ لی۔ جہاں ایک قیامت اس کی منتظر تھی۔

☆☆☆

"کیتھ....."

ڈینیل اسے پکارتا ہوا دروازہ بجا کے اس کے کمرے میں آیا.... کیتھی واش روم میں تھی۔ ڈینیل کو افراتفری میں کیتھ اور مارک کا رشتہ ختم ہونے سے بچانے کے لیے بلایا گیا تھا۔ وہ اس کی بک شیلف کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ کیتھی کتابیں پڑھنے کی شوقین تھی وہ اکثر اسے کتابیں تحفے میں دیتا رہتا تھا۔ ڈینیل کو یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ کیتھی نے پچھلے ماہ دو نئی کتابیں خریدی تھیں۔ وہ اس کے بستر کے کنارے ٹک گیا۔ یونہی وقت گزاری کرتے ہوئے اس نے بلا ارادہ ہی سائیڈ ٹیبل کی دراز کو کھینچا تو وہ کھل گئی وہ مسکرا کر دوبارہ اسے بند کرنے والا تھا جب ازکی نظر دراز میں موجود چیز پر پڑ گئی۔ متجسس ہو کر ایک نظر واش روم کے بند دروازے پر ڈال کر ڈینیل نے وہ چیز اٹھا کر دیکھی۔ لمحہ بھر اس نے سمجھنے کی کوشش کی کہ وہ کیا تھی؟ اور جب وہ سمجھا تو گویا ہفت آسمان اس کی نظروں کے سامنے گھوم گئے۔

☆☆

باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ

waqarazeem www.pakistanipoint.com

نمرہ احمد

حالم

انتیسویں قسط

"آپ کو ڈھونڈنا ان جڑی بوٹیوں کو ڈھونڈنے سے زیادہ مشکل تھا۔ مگر..... چے تالیہ..... آپ کوئی غلط کام تو نہیں کرنے جا رہیں۔"

تالیہ نے تیزی سے پوٹلی جھپٹی اور کھولی۔ پھر گہری سانس لے کر اسے دیکھا۔

"اگر ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا تو خاموشی سے اس کو نبھاؤ۔ میں کچھ ایسا نہیں کروں گی جس سے کسی دوسرے کا کوئی نقصان ہو۔"

ایڈم کو ذوالکفلی کی بات یاد آئی۔ اس نے لمحے بھر کے لیے سوچا کہ وہ کہے 'اپنی جان مت لینا' مگر نہیں..... جس تالیہ کو وہ جانتا تھا..... وہ ایسا کبھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیے اس نے کچھ نہیں کہا۔ بس ہامی بھر لی۔

"میں آپ کے ہر فیصلے میں آپ کے ساتھ ہوں۔"

وہ چلا گیا تو تالیہ دروازہ بند کر کے راہداری میں آئی تاکہ نیچے جا سکے مگر اسی پل دوبارہ گھنٹی بجی۔ وہ چونکی۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

دو دفعہ۔ تین دفعہ۔ کوئی بے چینی سے بار بار گھنٹی بجا رہا تھا۔ پھر دروازہ دھڑ دھڑایا جانے لگا۔

اس نے پوٹلی سینے سے لگائے' اضطراب سے بند دروازے کو دیکھا۔ اب کون آیا تھا؟

☆☆☆

اندھیرا ملاکہ شہر کو دھیرے دھیرے نگل رہا تھا۔ اسٹریٹ پولز کی روشنیاں مغرب ڈھلتے ہی جل اٹھی تھیں مگر وہ اندھیرے سے لڑنے میں ناکام نظر آتی تھی۔ آسمان پہ آج ایک بادل تک نہ تھا۔

صرف سناٹا تھا۔ اور تارے تھے۔ اور تارے خاموشی سے یان سوفو کے کنویں کو دیکھ رہے تھے جو خستہ حال دیواروں سے گھرے احاطے میں واقع تھا۔

کنویں کی منڈیر پہ وہ بیٹھا تھا۔ ہاتھ میں گھاس کا تنکا تھا جسے وہ دھیرے دھیرے توڑ رہا تھا۔ ٹھنڈ کے باوجود اس نے سویٹر یا جیکٹ نہیں پہنی تھی۔ بار بار وہ کلائی کی گھڑی دیکھتا پھر دوبارہ سے تنکے کے ٹکڑے کرنے لگ جاتا۔

اسے احساس بھی نہ ہوا اور کب فضا میں اس کی مانوس خوشبو گھلتی گئی۔ فاتح نے چونک کے سر اٹھایا۔ پھر تنکا ہاتھ سے پھسل جانے دیا۔

وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔

آج اس نے سفید رنگ کا باجو کرنگ پہن رکھا تھا اور گردن میں مفلر کی طرح سرخ اسٹول لے رکھا تھا۔ بال پن لگا کے آدھے باندھ رکھے تھے اور دائیں کان کے اوپر ننھا سا چیری بلاسم کا نقلی پھول اٹکا تھا۔ کانوں میں قدیم ملاکہ سے لائے ٹاپس اور ہاتھ میں وہی سرخ یاقوتی انگوٹھی تھی۔

تالیہ کا چہرہ اسی طرح سفید اور بے رونق تھا مگر وہ تیار لگ رہی تھی۔ کس شے کے لیے تیار؟

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں چند لمحے خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے اور آسمان پہ بکھرے تارے ان کو۔

''تو آپ کو یاد آ گیا کہ آپ مجھے کیسے اکیلا چھوڑ گئے تھے؟'' وہ آنکھوں میں گلہ لیے بولی تھی۔

''آپ نے میرے بابا سے سودا کر لیا.... اپنی یادداشتوں کا سودا.... اور مجھے اعتماد میں لینا بھی ضروری نہ سمجھا۔''

اس کے پاس بہت سے شکوے تھے۔

''میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں وقت کی قید سے نکال لاؤں گا۔''

''آپ مجھے بتا تو سکتے تھے۔ کیا میرا اتنا بھی حق نہیں تھا کہ میں نہ جان پاتی؟ جانتے ہیں جب ہم واپس آئے اور میں آپ سے پارٹی میں ملی تو مجھے کیسا دھچکا لگا۔'' اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ ''آپ مجھے بھول گئے تھے اور مجھے لگا مجھے ساری دنیا بھول گئی ہے۔''

''آئی ایم سوری!'' وہ اس سے نگاہ ہٹائے بغیر دھیرے سے بولا۔ ''میں تمہیں وقت سے پہلے پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔''

''تو پھر مجھے آزاد کر دیتے۔ اس زبردستی کے رشتے سے۔ اس بنا ثبوت کے تعلق سے۔ مجھے خود سے باندھ کے کیوں رکھا؟'' بے بسی بھرے غصے سے لبریز آواز بلند ہونے لگی۔

''میں نے سوچا تھا کہ میں یہ کروں گا مگر میں نہیں کر سکا۔'' وہ شکستگی سے کہہ رہا تھا۔ ''میں تمہیں تحریری طور پہ آزاد کرنا چاہتا تھا مگر جب ذوالکفلی نے مجھے وہ تین سوال بتائے تو مجھے اندازہ ہوا کہ تم میرے لیے سب سے اہم ہو۔ تمہارے بغیر میں کبھی اپنی زندگی کے ان بھولے ہوئے چار ماہ کو یاد نہیں کر سکتا تھا۔''

''میں آپ کے لیے سب سے اہم ہوں؟'' وہ تلخی سے سر جھٹک کے ہنسی۔ پھر آگے آئی اور کنویں کی منڈیر پہ بیٹھی اور گردن اٹھا کے اسے دیکھا۔

''میں اہم تھی تو مجھے بتا دیتے کہ میرے باپ سے سودا کر لیا ہے۔ میں اہم تھی تو مجھے بتا دیتے کہ آریانہ کی موت میں عصرہ کا ہاتھ تھا۔ میں اہم تھی تو اتنے ماہ مجھے ایک باڈی وومن کی طرح ٹریٹ کیوں

Pakistanipoint www.pakistanipoint.com

کیا؟ آپ تو سب بھول گئے تھے۔ اپنی زندگی، الیکشن اور ہائی ایمبیشنس میں مصروف ہو گئے تھے۔ میرے دل پہ کیا گزر رہی تھی، آپ کو اندازہ بھی ہے۔"

وہ دھیرے سے اس کے ساتھ بیٹھا۔ وقت کے دونوں مسافر اب شکستہ حال سے کنویں کی منڈیر پہ بیٹھے اندھیری دیوار کو دیکھ رہے تھے۔

"میں سمجھا تھا میرا بھول جانا ہی ٹھیک ہے۔ تم آزاد ہو جاؤ گی اور میں واپس اپنی زندگی میں چلا جاؤں گا۔ میرے ایمبیشنس مختلف تھے۔ مجھے اپنے ملک کو تسخیر کرنا تھا۔ میں وہ سب بھلا دینا چاہتا تھا۔"

"مجھے بھی؟" شہزادی نے گلہ آمیز نظروں سے اسے دیکھا تو فاتح نے چہرہ اس کی طرف موڑا۔

"میں غلط تھا۔ مجھے راجہ سے سودا کرنے کے بعد علم ہوا کہ آریانہ کو کس نے مروایا تھا۔ مجھے لگا کہ میں اس بات کو نہیں بھولنا چاہتا۔ میں نے وہ نشانیاں تمہارے لیے چھوڑیں تاکہ تم مجھے وہ یاد کروا دو۔"

"آپ نے مجھے خود سے صرف اس لیے باندھے رکھا تاکہ میں آریانہ کے قتل کا معمہ حل کر سکوں۔ آپ نے یہ میرے لیے نہیں کیا۔ آپ نے خود کو چنا۔ آپ خود غرض ہیں، وان فاتح۔"

"میں غلط تھا۔ انسان کو بعض دفعہ خود اپنے آپ کو سمجھنے میں زمانہ بیت جاتا ہے۔ وہ نہیں جان پاتا کہ اس کا دل کیا چاہتا ہے۔ میں نے خود کو کہا تھا کہ میں صرف آریانہ کے لیے تمہیں اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں لیکن....." وہ پھر سے سامنے دیکھنے لگا۔

"لیکن دل چاہتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔"

"اور تالیہ کے دل کا کیا؟" وہ زخمی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ "آپ کے لیے کام کرنے کی وجہ سے میری ساری زندگی داؤ پہ لگ گئی۔ میں پبلک فگر بن گئی۔ میرے خلاف انکوائریز کھل گئیں۔ اور اب.... اب آپ کی وجہ سے میں ایک قاتل کے طور پہ جانی جا رہی ہوں۔ آپ کے سارے فیصلے غلط تھے، وان فاتح۔ آپ کے فیصلوں کی سزا میں نے بھگتی ہے۔ کیونکہ میں نے ہمیشہ آپ کو چنا۔ اور آپ نے خود کو۔"

"کیا تم مجھے ایک موقع دے سکتی ہو کہ میں تمہیں چنوں؟" وہ اسے دیکھ کے سنجیدگی سے بولا تو یکدم وقت ٹھہر گیا۔ وہ سانس روکے اسے دیکھے گئی۔ شاید اوپر بکھرے تاروں نے بھی دم سادھ لیا تھا۔

"آپ.... مجھے.... چنیں گے؟" اسے یقین نہیں آیا تھا۔

"دل چاہتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔" وہ اداسی سے مسکرایا۔ "میری زندگی میں اس وقت تم سے زیادہ اہم کوئی بھی نہیں ہے۔ تم میری وجہ سے اس سب میں پھنسی ہو۔ مجھے خود کو اس میں سے نکالنے دو۔"

"میں آپ کے لیے اہم ہوں؟" وہ پھر سے تلخی سے ہنسی۔ سارا فسوں ٹوٹ گیا۔ اس کو جیسے بے یقینی سی تھی۔ وہ بھلا فاتح کے لیے اہم کیسے ہو سکتی تھی۔

"ہم نے ایک زمانہ ساتھ گزارا ہے، تالیہ۔ میں مانتا ہوں کہ میرے فیصلے غلط تھے مگر میں تمہیں اس قدیم دنیا سے نکال کے واپس یہاں لانا چاہتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ تم ایک نئی زندگی شروع کرو۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

دل ایک گلشن

رضیہ جمیل

قیمت -/300 روپے

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی

فون نمبر: 32735021

www.pakistanipoint.com
Nasir Azeem

جرائم اور دھوکا دہی سے پاک زندگی۔"

"اور اس زندگی میں وان فاتح کو کبھی تالیہ یاد نہ رہے' ہے نا؟ آپ اپنے فیصلوں کی جتنی صفائیاں دے ڈالیں' آخر میں سچ یہی ہے کہ آپ نے تالیہ کو بھول جانا مناسب سمجھا' مگر پھر صرف اپنی یادداشتیں واپس لانے کے لیے اسے اپنے سے جوڑے رکھا۔ اب آپ کو سب یاد آ گیا ہے۔ اب آپ کو میری ضرورت نہیں ہونی چاہیے۔"

"تمہیں معلوم ہے تم خود بھی کسی چیری بلاسم کی طرح ہو۔" وہ اس کے کان میں اٹکے پھول کو دیکھ کے بولا۔ وہ نقلی تھا مگر اصلی کا گمان ہوتا تھا۔ "اور چیری بلاسم نازک ہوتے ہیں۔ وہ تنہا سروائیو نہیں کر سکتے۔"

"ہاں۔ وہ جلدی مرجاتے ہیں۔ انہیں جلدی مرجانا چاہیے۔" وہ تلخی سے بولی تھی۔

"تم ایک دفعہ مجھ پہ اعتبار کر کے دیکھو۔ میں تمہیں گرنے نہیں دوں گا' تالیہ۔"

"آپ کیا چاہتے ہیں؟ میں کیا کروں؟"

فاتح نے گہری سانس لی۔ کنویں کا پانی.....

اور اس میں گرے لاتعداد سکے دم سادھے سننے لگے۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ رہو۔ تمہیں میری ضرورت ہے اور مجھے تمہاری۔"

"آپ چاہتے ہیں کہ میں خود کو پولیس کے حوالے کر دوں؟" اس نے ملامتی نظروں سے فاتح کو دیکھا اور نفی میں سر ہلایا۔ "مجھے آپ پہ اعتبار نہیں ہے وان فاتح۔ آپ بیچ راستے کے چھوڑ دینے والوں میں سے ہیں۔"

"میں نے تم سے وعدہ کیا تھا اس جنگل سے تمہیں نکالوں گا۔ کیا میں نے وہ وعدہ پورا نہیں کیا تھا؟ میں نے کہا تھا کہ تمہیں جدید ملاکہ میں واپس لاؤں گا وقت کی قید سے نکال کے۔ کیا میں نے وہ وعدہ توڑا تھا؟ مجھے وعدے نبھانے آتے ہیں' تالیہ۔"

"اور آپ کے وعدوں کی قیمت میں نے چکائی تھی۔"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میں آپ کی بات نہیں مان سکتی۔"

وان فاتح کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ دکھ سے اسے دیکھنے لگا۔

"تم مجھ سے ملنے آئیں تو مجھے لگا تم میری بات مان لوگی۔"

"میں کسی اور شے کے لیے آئی تھی۔" وہ منڈیر کنارے بیٹھا تھا اور وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کا سفید لباس چمک رہا تھا۔ اندھیرے میں کفن کی مانند.....

"کس لیے؟" وہ چونکا۔

"میں آپ کو خدا حافظ کہنے آئی تھی۔ ہم آج کے بعد کبھی نہیں ملیں گے۔"

فاتح کے ابرو پریشانی سے اکٹھے ہوئے۔ وہ دھیرے سے اٹھا۔ "کیوں؟"

"کیونکہ میں اب تھک چکی ہوں۔ میں دولت اور اس کے آدمیوں سے اب نہیں لڑ سکتی۔ تالیہ کی ہمت ٹوٹ چکی ہے۔"

"تم کیا کرو گی؟"

مگر وہ نہیں سن رہی تھی۔

"میرے سارے راستے بند ہو چکے ہیں۔ میں ملک نہیں چھوڑ سکتی۔ داتن مجھ سے الگ ہو گئی۔ میں ایک مفرور مجرم بن کے رہ گئی ہوں۔ میرا گھر' میرے بینک اکاؤنٹس' سب مجھ سے چھن گیا ہے۔"

"اور وان فاتح؟"

تالیہ چند لمحے کچھ بول نہ سکی۔ "آپ کو تو میں نے عرصہ ہوا کھو دیا تھا۔"

"تالیہ.... میرے ساتھ چلو۔ میں تمہیں بچا لوں گا۔"

"کوئی کسی کو نہیں بچا سکتا۔"

"تم نے سفید کپڑے کیوں پہن رکھے ہیں؟"

اسے ایک دم عجیب سا احساس ہوا۔ جیسے کچھ غلط تھا۔

"یہ آخری ملاقات تھی اور لوگ الوداع کرتے

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

ہوئے سفید لباس ہی پہنتے ہیں۔ یا پھر کیا وہ سیاہ پہنتے ہیں؟ آج کل مجھے چیزیں ٹھیک سے یاد نہیں رہتیں۔"

اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ وہ قدم قدم پیچھے ہٹ رہی تھی۔ "آپ مجھے میری چوائسز کے لیے معاف کر دیجیے گا۔ میرے پاس دوسرا کوئی راستہ نہ تھا۔"

"تم کیا کرنے کا سوچ رہی ہو؟" وہ واقعی سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

"کسی نے مجھے کہا تھا کہ میرے اندر killer instinct نہیں ہے۔ کسی کے دل پہ پیر رکھ کے فیصلے کرنے کا حوصلہ نہیں ہے۔ مگر اب.... اب میں یہ کر سکتی ہوں۔"

وہ چوکھٹ تک پہنچ چکی تھی اور اس سے پہلے کہ وہ آگے بڑھتا' تالیہ مڑی اور اندھیرے میں گم ہو گئی۔

وہ اس کے پیچھے لپکا۔ دوسرا احاطہ سنسان پڑا تھا۔ وہ کہیں نہیں تھی۔ مگر اس کا آخری چہرہ فاتح کے ذہن کے پردے پہ نقش ہو چکا تھا۔

بھیگی سیاہ آنکھیں۔ آدھے بندھے چھوٹے سیاہ بال..... کان پہ لگا پھول۔ کیا تھا اس کے انداز میں جو ڈسٹرب کر رہا تھا؟

تالیہ واپس آئی تو اپنے آنسو خشک کر چکی تھی۔ ذوالکفلی واپس آ چکا تھا۔ اس وقت وہ دیوان خانے میں بیٹھا کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھا۔ اسے تیزی سے راہداری سے گزرتے دیکھ کے ٹھٹکا۔

"تالیہ۔"

مگر وہ سنے بغیر سیدھی نیچے آئی۔ اس کے چھوٹے سے کمرے میں چائے کا سامان رکھا تھا۔

تالیہ نے آنکھیں دوبارہ رگڑیں اور کیٹل میں پانی گرم کرنے رکھا۔ پھر اسٹول کے پلو سے بندھی گرہ کھولی۔ اس میں ایک پڑیا تھی جس کے اندر پسا ہوا جامنی سفوف نظر آتا تھا۔ اس کی کوئی خوشبو نہ تھی۔ اس کا کوئی ذائقہ نہ تھا اور دیکھنے میں وہ بے ضرر سا پاؤڈر لگتا تھا۔

کیا سارے راستے بند ہو چکے تھے؟ کیا یہی واحد راستہ تھا؟ سارے مسئلے ختم کرنے کا؟

ہاں۔

اس نے لب بھینچے اور بہت سے دلوں پہ پیر رکھ کے سفوف پیالی میں ڈال دیا۔ پھر گرم پانی اس میں انڈیلنے لگی۔ آنکھیں ایک دفعہ پھر بھیگنے لگیں۔

☆☆☆

وان فاتح کتنی دیر اس احاطے کی چوکھٹ پہ کھڑا رہا۔ اس کے ابرو فکر مندی سے بھنچے ہوئے تھے اور آنکھوں میں پریشانی تھی۔

وہ جیسے ہی گئی تھی' فاتح کو اس کی فکر شروع ہو گئی تھی۔

بالآخر وہ وہاں سے نکلا اور کار کو بے مقصد سڑک پہ ڈال دیا۔ ڈرائیو کرتے ہوئے وہ بار بار اپنا فون دیکھتا تھا۔ ایڈم کو کال ملائے؟ یا نہیں؟ کس سے پوچھے تالیہ کے بارے میں؟

اس کی فکر مندی اب شدید پریشانی میں بدل رہی تھی۔ وہ ٹھیک نہیں تھی' اور اسے نجانے کیوں محسوس ہونے لگا کہ وہ خود کو نقصان پہنچانے کی کوشش کر سکتی ہے۔ شدید مایوسی میں انسان سے کچھ بعید نہیں ہوتا کہ وہ کب کیا کر ڈالے۔

بالآخر اس نے ایڈم کو کال ملائی۔ کار فون کے اسپیکرز پہ اس کا ہیلو گونجا تو فاتح نے اسٹیرنگ وہیل گھماتے ہوئے پریشانی سے پوچھا۔

"ایڈم..... تالیہ کہاں ہے؟"

"کیا وہ ملنے نہیں آئیں؟"

"آئی تھی۔ مگر وہ ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔"

ایڈم چپ ہو گیا۔ "وہ خوف زدہ ہیں اور....."

"نہیں ایڈم۔ کچھ غلط ہے۔ کیا تم اس سے ابھی رابطہ کر سکتے ہو؟"

"میں.... کوشش کر سکتا ہوں مگر...."

"اس نے تمہیں کیا کام کہا تھا؟" یکدم اسے یاد آیا۔

"وہ.... وہ ان کا ذاتی کام تھا اور اگر میں نے

http://Aiizem.blogspot.com
www.pakistanipoint.com

آپ کو بتایا تو وہ برا مانیں گی۔"

"ایڈم.... اس نے.... کیا کام کہا تھا؟" وہ درشتی سے زور دے کر بولا۔ ایڈم تذبذب سے چپ ہو گیا۔ فاتح نے تیسری دفعہ بات دہرائی اور ایڈم کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سچ بولے یا جھوٹ۔

"وہ چند مخصوص جڑی بوٹیوں کی تلاش میں تھیں جن سے وہ لیانہ صابری کے لیے دوائی بنا سکتی ہیں۔"

"کیسی جڑی بوٹیاں؟" اس نے بریک پہ پاؤں رکھا اور کار کو سڑک کنارے روک لیا۔

"انہوں نے کہا تھا کہ ان کے پاس کوئی نسخہ ہے۔"

"میں پوچھ رہا ہوں کہ کس قسم کی جڑی بوٹیاں تھیں وہ؟"

"وہ زہریلی تھیں مگر بہت سی دوائیں زہریلی بوٹیوں سے بھی بنتی ہیں اور...."

"ڈیم اِٹ' ایڈم!" اس نے جھڑک کے اسے خاموش کروایا۔ "وہ کہاں ہے؟ ذوالکفلی کے گھر میں؟"

"پلیز وہاں مت جایئے گا۔ اگر آپ وہاں گئے تو وہ مجھ پہ خفا ہوں گی کہ....."

مگر فاتح نے سنے بغیر فون بند کیا اور تیزی سے کار اسٹارٹ کی۔ اس کے ماتھے پہ پسینے کی بوندیں نمودار ہوئی تھیں۔ ایکسیلیٹر پہ زور سے پیر رکھے' اس نے کار کو دوبارہ سڑک پہ ڈال دیا۔ وقت کم تھا۔ سارے کھیل وقت کے ہی تھے۔

ذوالکفلی کا دروازہ اس نے جتنی زور سے پیٹا تھا' بوڑھا جادوگر پریشانی سے باہر آیا تھا.... اسے دیکھ کے وہ ٹھٹکا۔ "وان فاتح؟"

"تالیہ کہاں ہے؟" اس کے چہرے سے شدید اضطراب جھلک رہا تھا اور اس کے انداز میں کچھ ایسا تھا کہ وہ مزاحمت نہیں کر سکا۔ راستہ چھوڑ دیا اور راہداری کی طرف اشارہ کیا۔

"وہ نیچے گئی ہے۔ ابھی کچھ دیر کے لیے اوپر آئی تھی۔ میرے پاس بیٹھی تھی مگر وہ پریشان لگ رہی تھی۔ کچھ ہوا ہے کیا؟"

فاتح نے جواب نہیں دیا۔ بس ہاتھ سے اشارہ کیا تو ذوالکفلی آگے آیا اور جھک کے ٹریپ ڈور کھولا۔

نیچے موجود کتابوں کا مقبرہ نیم روشن تھا۔ وان فاتح تیزی سے زینے اترتے نیچے آیا تو دیکھا۔ وہاں ایک کونے میں ڈھیروں موم بتیاں جلی ہوئی تھیں۔ قدیم کتابوں کے ریک قطار در قطار رکھے تھے اور دور.... سامنے.... ایک دیوار کے ساتھ تالیہ زمین پہ اکڑوں بیٹھی تھی۔ ہاتھ میں ایک چھوٹی سی گھڑی تھی جس کی ٹک ٹک وہ سن رہی تھی۔

جیسے لمحہ لمحہ گن رہی ہو۔ جیسے انتظار کر رہی ہو۔ اس کا چہرہ اداس تھا۔ بے رونق اور مرجھایا ہوا۔

"تالیہ!" وہ پھولے تنفس کے ساتھ کہتا سامنے آیا تو وہ چونکی۔ اسے دیکھ کے ابرو حیرت سے اٹھے۔ وہ اس کی توقع نہیں کر رہی تھی۔

"آپ؟ یہاں؟" وہ پریشانی سے کہتی اٹھی' پھر فاتح کے عقب میں آتے ذوالکفلی کو دیکھا جو متعجب نظر آتا تھا۔

"تم مجھ پہ اعتبار نہیں کرنا چاہتیں' ٹھیک ہے' مگر تم اپنی زندگی ختم کرنے کے بارے میں کیسے سوچ سکتی ہو؟" وہ اس کے سامنے آ رکا اور غصے سے بولا۔

تالیہ نے چونک کے اسے دیکھا۔ "آپ کو کس نے...."

"مجھے ایڈم نے کہا ہے کہ اس نے تمہیں زہریلی جڑی بوٹیاں لا کے دی ہیں۔"

"کیا؟ میں نے اسے منع کیا تھا۔" ذوالکفلی تیزی سے آگے آیا اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔

تالیہ نے لب کاٹے۔ وہ اس سب کے لیے تیار نہیں تھی۔

"میرے پاس اس زندگی میں کوئی امید نہیں بچی تھی۔ آئی ایم سوری!"

فاتح کے دل کو دھکا سا لگا۔ اس کے اعصاب

www.pakistanipoint.com

ڈھیلے پڑ گئے۔

''مجھے وہ زہر دو جو تم نے بنایا ہے۔'' اس نے ہتھیلی سامنے کی مگر یہ الفاظ کہتے ہوئے بھی اس کو اندازہ تھا کہ اب دیر ہو چکی تھی۔

تالیہ نے بے بسی سے شانے اچکا دیے۔ آنکھیں پھر سے بھیگنے لگیں۔

''مجھے معاف کر دیجیے گا' مگر میرے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں بچا تھا۔'' اس نے نظریں جھکا لیں۔

وہ چند لمحے کے لیے کچھ بول نہیں سکا۔ ہاتھ ڈھیلا ہو کے پہلو میں جا گرا۔ ذوالکفلی البتہ تیزی سے آگے آیا اور اس کو کہنی سے پکڑ کے جھنجھوڑا۔

''کون سا زہر کھایا ہے تم نے' ہاں؟ مجھے بتاؤ۔ میرے پاس اس کا تریاق ہو گا۔'' وہ پریشانی سے پوچھ رہا تھا۔

تالیہ نظریں جھکائے کھڑی لب کاٹتی رہی۔ وہ کچھ نہیں بولی۔ فاتح کی نظریں اس کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔ اور تب اسے احساس ہوا کہ وہ اپنے ہاتھ میں پکڑی گھڑی کو دیکھ رہی تھی۔ ٹک ..... ٹک..... ٹک.....

''تالیہ.... میں پوچھ رہا ہوں تم نے کون سا زہر کھایا ہے؟ ہر زہر کا تریاق ہوتا ہے۔'' ذوالکفلی نے چلا کے پوچھا تھا۔

تالیہ مراد نے سر جھکائے گہری سانس لی۔ پھر اس نے آنکھیں رگڑیں اور پلکیں اٹھائیں۔

اس کی آنکھوں میں اب آنسو نہیں تھے۔ ان میں ایک مخصوص چمک تھی۔

''کس نے کہا کہ زہر تالیہ نے کھایا ہے؟'' وہ ہلکا سا مسکرائی۔

ذوالکفلی ایک لمحے کے لیے ساکت رہ گیا۔ پھر وہ بے اختیار پیچھے ہٹا۔

''زہر میری کافی میں نہیں تھا' شکار باز۔ زہر تمہاری کافی میں تھا جو ابھی تم نے میرے ساتھ پی تھی۔''

وہ تلخی سے مسکرا کے کہہ رہی تھی۔

ذوالکفلی سکتے میں تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔ وان فاتح نے البتہ کراہ کے آنکھیں بند کیں۔ ایڈم، تالیہ کو جانتا تھا۔ صرف ایڈم اسے اچھے سے جانتا تھا۔ وہ جانتا تھا تالیہ مراد کبھی اپنی جان نہیں لے سکتی۔

''جانتے ہو سب سے مشکل کام کیا ہوتا ہے؟ کسی کو مین کو کون کرنا۔'' وہ سینے پہ بازو لپیٹے کہتے ہوئے دھیرے دھیرے چلنے لگی تھی۔ ''تم نے میرے باپ کو اپنے جیسا جادوگر بنایا تھا۔ تم نے ہم سب کی زندگیاں برباد کی تھیں۔ تمہاری وجہ سے ہم وقت کے چکر میں پھنسے تھے۔ مجھے تم پہ رحم نہیں آتا' ذوالکفلی۔ میں تمہارے پاس پناہ کے لیے نہیں آئی تھی۔ میں تمہیں کون کرنے آئی تھی۔'' وہ دھیرے دھیرے اس کے گرد دائرے میں ٹہل رہی تھی۔

''تمہارے پاس کچھ ہے جو مجھے چاہیے تھا۔ مگر میں وہ تم سے کیسے لوں؟ اس کے لیے مجھے تمہیں یہ یقین دلانا تھا کہ میں خودکشی کرنے جا رہی ہوں۔ تمہارے پاس مجھے اپنے ہاں ٹھہرانے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اور میں یہ بھی جانتی تھی کہ تمہارے پاس ایک کتب خانہ ہے۔ بابا نے مجھے بتایا تھا کہ ہر شکار باز کے پاس ہوتا ہے۔ تم نے مجھے بالکل وہیں ٹھہرایا جہاں میں ٹھہرنا چاہتی تھی۔ اور ایڈم نے میری مدد کی ایسا زہر تیار کرنے میں جس کو کھانے کے بعد تمہیں تب علم ہو گا جب دیر ہو چکی ہو گی۔''

اور اس وحشت ناک لمحے میں ذوالکفلی نے اپنے ہاتھوں کی پشت کو دیکھا۔ اس کے ناخن ہلکے ہلکے نیلے پڑنے لگے۔ اس نے بے یقینی سے تالیہ کو دیکھا۔

''کون سا.... زہر تھا وہ؟'' وہ ہلکا سا غرایا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہوئیں۔

''اس کا تریاق تمہارے پاس نہیں ہے۔ میرے پاس ہے اور میں نے تمہارے گھر میں کہیں چھپایا ہے۔'' وہ اس کے مقابل کھڑی کہہ رہی تھی۔

www.pakistanipoint.com

"تالیہ.... تم کیا کر رہی ہو؟" فاتح نے پریشانی سے اسے ٹوکا مگر بولنے کی باری شہزادی کی تھی۔

"میں کوئی چیری بلاسم نہیں ہوں جو ذرا سی ہوا سے گر جائے گا۔ میں ملاکہ کی شہزادی تاشہ بنتِ مراد ہوں اور میں اپنی اس زندگی کو ختم کر کے واپس اپنی اصل زندگی میں جا رہی ہوں۔"

پھر اس نے نظروں کا رخ ذوالکفلی کی طرف موڑا اور ہتھیلی پھیلائی۔

"تم مجھے وقت کی چابی دے دو تو میں تریاق تمہیں دے دوں گی۔"

"تم میرے ساتھ یہ کرو گی.... میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔" ذوالکفلی نے کراہ کے آنکھیں بند کیں پھر جب ان کو کھولا تو ان میں بے بسی بھرا غصہ تھا۔

"تم جھوٹ بول رہی ہو۔ تم نے مجھے زہر نہیں دیا۔" مگر اس کا لہجہ شکستہ تھا۔ تالیہ نے مسکرا کے کندھے اچکائے۔

"اور اگر میں سچ بول رہی ہوں؟ تب؟ تمہارے پاس چانس لینے کا وقت ہے کیا؟"

اس کی ہتھیلی اب تک پھیلی تھی اور آنکھیں ذوالکفلی پہ جمی تھیں جس کی رنگت سفید پڑتی جا رہی تھی۔ ہونٹ جامنی ہو رہے تھے۔

"تالیہ.... یہ مت کرو۔" فاتح آہستہ سے بولا۔ وہ افسوس سے اسے دیکھ رہا تھا مگر آج تالیہ کو کسی کی نہیں سننی تھی۔

"چابی! وہ چابی جو تم نے میری ہیئر پن سے بنائی تھی اور اس دفعہ بوتل کا پانی تم خود پیو گے۔ کیونکہ ہم میں سے کوئی یادداشت نہیں کھونا چاہتا۔" اس نے زور دے کر دہرایا تو ذوالکفلی الٹے قدموں مڑا اور زینے کی طرف لپکا۔

"میں نے وہ سب.... وہ سب تمہیں واپس لانے کے لیے کیا تھا اور تم...." وہ صدمے اور پریشانی سے کہتا قریب آیا۔ "تم اس قید میں پھر واپس جانا چاہتی ہو؟"

تالیہ نے اجنبی نظروں سے اسے دیکھا۔

"آپ کی دنیا نے میرے اوپر زندگی تنگ کر دی ہے۔ آپ کو آپ کی دنیا مبارک ہو۔ مجھے میرے بابا کے پاس واپس جانا ہے۔"

مگر فاتح نے سختی سے نفی میں سر ہلایا۔

"تم.... واپس.... نہیں جا سکتیں۔ تم ہماری ریاضت کو ضائع نہیں کر سکتیں۔"

"آپ نے مجھے بھول جانے کا انتخاب کیا تھا۔ میں آپ کو بھول جانے کا انتخاب کر رہی ہوں۔"

"تم یہ کیوں کر رہی ہو؟" وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

"کیونکہ جب میں کچھ دن پہلے داتن سے ملی اور اس سے پوچھا کہ اس کے پاس کینسر کی دوا کی بوتل کیوں تھی؟ تو جانتے ہیں اس نے مجھے کیا کہا؟"

وہ تکلیف سے کہہ رہی تھی۔

اس کے اردگرد کا منظر بدلنے لگا۔

وہ جھونپڑے میں داتن کے سامنے بیٹھی تھی۔ دیوار پہ چیری بلاسم کے گرتے پھولوں کا عکس ہنوز چل رہا تھا۔

"کیا تم سچ جاننا چاہتی ہو؟" تاؤ سوشی رول کو ٹھک ٹھک کاٹ رہا تھا اور داتن کہہ رہی تھی۔

"میں سچ جانتی ہوں۔ تمہیں کینسر ہے اور تم نے اسے مجھ سے چھپایا ہے۔ اس تصویر میں تمہاری دوا کی بوتل....."

"یہ بوتل میری نہیں ہے' تالیہ۔" داتن دکھ سے بولی اور وہ ٹھہر گئی۔

"اس تصویر میں ایک تیسرا شخص بھی ہے جسے تم ہمیشہ نظرانداز کر جاتی ہو۔ یہ دوا ایڈم کی ہے۔ ایڈم بیمار ہے۔ میں نہیں۔"

دیوار پہ گرتے پھول جیسے فضا میں ٹھہر گئے تھے۔

"ہم دونوں اس وقت تمہیں اس لیے نہیں تلاش کر سکے تھے کیونکہ میں ایڈم کی بیماری کے علاج میں الجھی تھی۔ اس نے صرف مجھے بتایا تھا۔ تمہیں وہ

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔"

"ایڈم کو..... ایڈم کو کیا ہوا ہے؟"

"وہ جب سے وقت میں سفر کر کے واپس آیا ہے اس کی طبیعت دھیرے دھیرے خراب ہونے لگی تھی۔ مگر وہ اسے نظر انداز کر کے کام میں جتا رہا۔ میں زبردستی اسے چیک اپ کے لیے لے گئی تو اس کا کینسر ڈائیگنوز ہوا۔ لیکن یہ کینسر نہیں تھا۔ یہ کوئی ایسی بیماری تھی جو بظاہر کینسر کی طرح لگتی تھی اور اسے اندر سے کھا رہی تھی مگر ڈاکٹر اسے سمجھنے سے قاصر تھے۔ پھر ایڈم اپنی کتابوں کی طرف پلٹا اور اس نے مختلف جڑی بوٹیوں کے ساتھ کینسر کی کچھ دوائیں ملا کے اپنا علاج کرنے کی کوشش کی۔ دو ماہ وہ اپنی بنائی دوا کھاتا رہا مگر اسے فرق نہ آیا۔ پھر وہ اپنی کتاب میں لگ گیا اور اس نے خود کو موت کے خوف سے بے نیاز کر لیا لیکن..... لیکن میں اس بیماری کو جاننے کے لیے پمبورو کی کتابوں کو کھنگالنے لگی۔"

"وقت کا چکر..... یہ اسے وقت کی وجہ سے ہوا ہے۔" تالیہ نے کراہ کے آنکھیں بند کیں۔

"ہاں اور مجھے یہی سمجھ میں آیا کہ وقت کا سفر انسانی جسم کو شدید تکلیف سے گزارتا ہے اور اس تکلیف کو زائل کرنے کے لیے بوتل کا وہ پانی پینا پڑتا ہے جس کو پی کر ہی چابی ملتی ہے۔ وہ پانی دراصل اس مرض سے مدافعت کی دوا تھی۔ یادداشت کا کھو دینا اس دوا کا ایک سائیڈ ایفیکٹ تھا۔ تم نے وہ دوا پی تھی۔ فاتح نے پی تھی۔ ایڈم نے نہیں پی تھی۔ اس لیے اس کا جسم اس چکر سے نکلنے کے بعد اس کے اثرات کو برداشت نہیں کر پایا۔"

"اس کا حل..... اس کا حل کیا ہے؟"

"اس کا حل صرف شکار باز کے پاس ہو سکتا ہے۔ میرے پاس ایسی کتابیں نہیں ہیں جو ذوالکفلی کے پاس ہوں گی۔ اگر تم اس سے پوچھو تو....."

"ذوالکفلی نے کبھی بدلے میں کچھ مانگے بنا کوئی کام نہیں کیا۔ وہ مجھے نہیں بتائے گا۔ مجھے اس کے کتب خانے تک رسائی چاہیے۔ چینج آف پلان۔ مجھے ملاکہ جانا ہے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"میں اسی لیے ملاکہ آئی تھی۔ ایڈم کے لیے۔ مگر....." نیم اندھیر کتب خانے میں کھڑی تالیہ نے اردگرد کتابوں کو دیکھا اور زخمی سا مسکرائی۔ "مگر ان کتابوں سے معلوم ہوا کہ اس بیماری کا تریاق ذوالکفلی کے پاس نہیں ہے۔ اس بیماری سے وقت کے ایک صرف ایک مسافر کو آج تک شفا ملی ہے اور جانتے ہیں اس کا تریاق کس شکار باز نے بنایا تھا؟"

"مراد راجہ نے۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔ اسے تالیہ کا پلان سمجھ میں آنے لگا تھا۔

"تم وقت میں واپس جانا چاہتی ہو..... اپنے باپ سے ایڈم کی دوا لینے۔"

"ہاں..... بابا کو نہیں معلوم تھا کہ ایڈم بھی ہمارے ساتھ آیا تھا۔ مجھے ان کی وہ افسوسناک نظریں یاد ہیں جن سے انہوں نے ایڈم کو ہمارے ساتھ واپس جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اسی لیے ان کو معلوم تھا کہ میں واپس آؤں گی۔" وہ رکی اور تصحیح کی۔

"ہم..... ہم واپس جائیں گے۔"

وہ کونے میں لگے ایک بک ریک تک گئی تھی اور پھر اسے دھکیلنے لگی۔

جیسے جیسے ریک ہٹتا گیا..... ایک دروازہ سامنے آتا گیا۔ بھوری لکڑی کا دروازہ جس کے اوپر لگا تالا ٹوٹا ہوا تھا۔

تالیہ نے دروازہ دھکیل دیا۔ وہ کھلتا چلا گیا۔ اندر ایک طویل راہداری بنی تھی جس کے اندر مشعلیں روشن تھیں۔ زرد سا اندھیرا ابھی تھا۔ اور سامنے کوئی کھڑا تھا۔ بے چینی سے بار بار گھڑی دیکھتا۔

اسے دیکھ کے فاتح نے گہری سانس خارج کی۔ "تم دونوں اس کام میں شریک تھے۔"

ایڈم بن محمد نے ہلکے سے کندھے اچکا دیے۔ وہ کرتے اور پاجامے میں ملبوس تھا اور سر پہ ٹوپی تھی۔ اس کے کندھے پہ ایک سفری بیگ بھی تھا۔

وہ وہاں کھڑا ساری بات سن چکا تھا۔ جانے وہ کب سے وہاں موجود تھا۔

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

''میں اکیلی جانا چاہتی تھی۔ مگر ایڈم جب صبح مجھے جڑی بوٹیاں دینے آیا تو.....''

''تو چند قدم دور جانے کے بعد مجھے خیال آیا کہ داتن واقعی کیٹو کر رہی تھی جس سے اس کے بال جھڑے تھے اور چے تالیہ میری دوا لینے کے لیے کچھ کرنے جا رہی ہیں۔ اسی لیے میں الٹے قدموں واپس آیا اور انہوں نے مجھے سب بتا دیا۔ اب ہم دونوں واپس جا رہے ہیں۔ ان قاتلانہ حملوں نے مجھے یہ احساس دلایا ہے کہ میں مرنا نہیں چاہتا۔''

فاتح نے افسوس سے اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ عرصے سے اسے اداس اور مضمحل نظر آتا تھا۔ مگر وہ اداس اور مضمحل نہیں تھا۔

وہ بیمار تھا۔

''سوری سر.... مگر ہم واپس جا رہے ہیں۔ کیونکہ ہم نے وقت کا دوسرا دروازہ بھی ڈھونڈ لیا ہے۔''

تالیہ اس کے برابر میں جا کے کھڑی ہو گئی۔

وان فاتح اکیلا رہ گیا۔

''تو یہ طے ہے کہ تم دونوں اپنے خفیہ منصوبوں میں مجھے کبھی شامل نہیں کر سکتے۔'' اسے افسوس ہوا تھا۔

''آپ ہمیں بھول چکے تھے' سر۔ ہم نے آپ کو واپس لانے کی بہت کوشش کی مگر آپ ہمارے ساتھ نہیں تھے جب ہمیں آپ کی ضرورت تھی۔ اب ہم آزاد ہو چکے ہیں۔ ہم اپنے پروں پہ اڑنا سیکھ چکے ہیں۔''

ان دونوں کی آنکھوں میں ایک ہی طرح کے تاثرات تھے۔ بغاوت۔ ہٹ دھرمی۔ تنفر.....

''میں نے تم لوگوں کو واپس لانے کے لیے وہ سب کیا اور تم؟''

''ہم ہمیشہ کے لیے واپس نہیں جا رہے۔ میرا علاج ہو جائے گا تو ہم واپس آ جائیں گے۔''

''اور ہم بنگارایا ملایو کو مکمل کرنے جا رہے ہیں۔ ذوالکفلی نے غلط کہا تھا کہ وہ کتاب مراد راجہ نے مکمل کروائی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ اسے ایڈم ہی مکمل کرے گا۔''

''اور تم دونوں کو لگتا ہے کہ مراد راجہ تمہیں واپس آنے دے گا؟'' وہ تلخی سے بولا۔

''یہ ہمارا مسئلہ ہے۔'' وہ سپاٹ انداز میں بولی۔

زینے اترنے کی آواز آئی تو فاتح نے پلٹ کے دیکھا۔ ذوالکفلی سفید چہرے کے ساتھ تیزی سے چلا آ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بوتل تھی جو خالی تھی۔ اس نے ابھی ابھی اس کا پانی پی لیا تھا اور چابی نکال لی تھی۔

کھلے دروازے کو دیکھ کے وہ چونکا۔ پھر گہری سانس لی۔

''میں نے تمہیں پناہ دینے کی غلطی کی۔ تم نے مجھے ہی دھوکا دے ڈالا۔'' وہ تلخی سے کہتے ہوئے قریب آیا۔

''مجھے یہ سب سکھانے والا استاد بہترین تھا۔'' شہزادی نے مسکرا کے کندھے اچکائے اور ہتھیلی پھیلا دی۔

''پہلے تریاق!''

''پہلے چابی۔'' وہ غرائی۔

ذوالکفلی چند لمحے بے بسی سے اسے دیکھتا رہا۔ چابی ہاتھ میں دبوچی ہوئی تھی۔ پھر اس نے فاتح کو دیکھا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''چابی مت دینا' ذوالکفلی۔ مجھے یقین ہے اس نے تمہیں زہر نہیں دیا۔ یہ دونوں تمہارے ساتھ کھیل کھیل رہے ہیں۔''

وہ تنبیہ کر رہا تھا۔

ذوالکفلی نے لب کاٹتے ہوئے واپس ان دونوں کو دیکھا۔ جو برابر کھڑے' اس پہ چبھتی نظریں جمائے ہوئے تھے۔ جیسے اسے چیلنج کر رہے

Waqar Azeem Pakistanipoint.com
www.pakistanipoint.com

ہوں۔
پھر اس نے اپنے ناخن دیکھے وہ مزید نیلے پڑتے جا رہے تھے۔
وہ آگے بڑھا اور چابی تالیہ کے ہاتھ پہ رکھی۔
"تم وقت کے ساتھ خطرناک کھیل کھیل رہی ہو پتری تالیہ.... تمہیں اس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔"
"دیکھیں گے۔" وہ جتا کے بولی اور راہداری میں آگے بڑھ گئی۔ سامنے دوسرے سرے پہ ایک قدیم دروازہ نظر آ رہا تھا۔
"میرا تریاق!" وہ چیخا تھا۔ شہزادی نے جواب نہیں دیا۔ البتہ ایڈم نے مڑتے مڑتے کہا تھا۔
"بے فکر رہو۔ جو بے ذائقہ سفوف ہم نے بنایا تھا' وہ زہر نہیں تھا۔ تمہیں کسی تریاق کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ تمہاری یہ علامات قے اور پانی پینے سے صبح تک ٹھیک ہو جائیں گی۔"
ذوالکفلی نے زور سے زمین پہ پیر مارا۔ پھر فاتح کو دیکھا جو اسے افسوس سے دیکھ رہا تھا۔
"تم اب ان سے چابی نہیں لے سکتے؟"
"جبراً یا چوری کر کے اس چابی کو واپس نہیں لیا جا سکتا۔ تم اس قدم کی قیمت چکاؤ گی تالیہ۔" آخری فقرہ اس نے چلا کے ادا کیا تھا۔
وہ دونوں اب راہداری میں دور ہوتے جا رہے تھے۔ ذوالکفلی کو گردن پہ دباؤ محسوس ہو رہا تھا۔ شاید اسے قے آنے والی تھی۔ وہ الٹے قدموں زینے کی طرف لپکا۔
"تھینک یو ایڈم۔" وہ دوسرے سرے تک آئی اور اس دروازے تک رکی۔
وقت کا دروازہ اس کے سامنے تھا۔ بس تالے میں چابی گھمانے کی دیر تھی۔
پھر کسی احساس کے تحت مڑی تو لمحے بھر کو ساکت رہ گئی۔
فاتح اس کی طرف چلا آ رہا تھا۔ "تالیہ.... مت جاؤ!" وہ دکھ سے کہہ رہا تھا۔ "تمہاری دنیا یہ ہے۔ وہ نہیں۔ مراد راجہ تمہیں بھی واپس نہیں آنے دے گا۔"
تالیہ نے اجنبی نظروں سے اسے دیکھا۔ "میں فین گرل بن کے آپ کے پیچھے بھاگتے بھاگتے تھک گئی ہوں۔ اب مجھے کسی کے پیچھے نہیں بھاگنا۔"
"میں تمہیں بہت مشکل سے واپس لایا تھا" تالیہ۔ میں تمہیں دوبارہ نہیں کھو سکتا۔" وہ زخمی لہجے میں کہہ رہا تھا۔
"آپ نے مجھے کبھی نہیں چنا' فاتح۔ آپ نے ہمیشہ خود کو چنا ہے۔ آپ کے سارے فیصلے خود غرض تھے۔" وہ کہہ کے مڑی اور تالے کو چھونا چاہا۔ مگر اسی لمحے.....
وہ تیزی سے آگے آیا.... اور دونوں کے درمیان سے گزر کے اس نے تالے کو پکڑا۔
ایڈم اور تالیہ بے اختیار پیچھے ہٹے۔
فاتح نے ہتھیلی بڑھائی تو لمحے بھر کو اسے سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔ پھر اس نے خود کو چابی فاتح کی ہتھیلی پہ رکھتے دیکھا۔
"تم مجھ پہ گیواپ کر سکتی ہو۔ میں تم پہ گیواپ نہیں کر سکتا۔ سوری تالیہ.... مگر میں تمہیں اس سونے کے جہنم میں اکیلے نہیں جانے دے سکتا۔"
وہ شدید تکلیف سے یہ الفاظ کہتا چابی تالے میں گھما رہا تھا۔ ایڈم کے لب بے یقینی سے کھل گئے اور تالیہ پلک تک نہ جھپک سکی۔
"آپ کیا کر رہے ہیں۔" تالا کھول کے اس نے دروازہ دھکیلا تو سامنے راہداری میں پانی پڑا تھا۔ وہاں ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ دو دریا ان کے سامنے تھے۔
وہ اس کی طرف گھوما اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔
"میں تمہارا چناؤ کر رہا ہوں۔"
اور پھر وہ خود سب سے پہلے آگے بڑھا۔

www.pakistanipoint.com
waqar azeem

جیسے وہ ہمیشہ بڑھتا تھا۔سب سے آگے۔ راستہ دکھاتے ہوئے۔

اور وہ دونوں کسی معمول کی طرح اس کے پیچھے آتے تھے.....

''آپ.....نہیں جا سکتے.....آپ کے پاس پیچھے....ایک....ایک زندگی ہے۔ شاندار مستقبل ہے۔آپ وہ سب نہیں چھوڑ سکتے۔'' وہ حواس باختہ سی اس کے پیچھے آئی۔

''آپ....پلیز....واپس جائیں۔'' ایڈم بھی پریشانی سے کہہ رہا تھا۔

مگر وہ تینوں دہلیز پار کر چکے تھے۔جب تک ایڈم نے مڑ کے دیکھا' وقت کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔

وہ ماضی اور مستقبل کے دریا کے دہانے پہ کھڑے تھے۔

''آپ نے یہ کیوں کیا؟'' وہ بے یقینی سے اسے آگے چلتا دیکھ رہی تھی۔

''میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں وقت کی قید سے نکال کے لاؤں گا۔اور وعدے کبھی پرانے نہیں ہوتے۔''

وہ آگے چلتا جا رہا تھا۔ان دونوں کو بھی اب آگے ہی جانا تھا۔ پیچھے کے سارے راستے بند ہو چکے تھے۔

فاتح نے درمیان میں رک کے ایک مشعل دیوار سے نکالی اور اسے فضا میں بلند کیے آگے راستہ دیکھتا چلتا گیا۔پانی کی بوندیں مسلسل ان پہ گر رہی تھیں۔وہ بھیگتے جا رہے تھے.....

آخری سرے پہ ایک بڑا سا لکڑی کا دروازہ تھا۔اس پہ بھی اسی طرح زنجیریں اور تالا بندھا تھا۔وان فاتح اس کے قریب پہنچا تو وہ جیسے کسی خواب سے جاگی اور ایک دم آگے آئی ایسے کہ دروازے اور فاتح کے درمیان حائل ہو گئی۔وہ ٹھہر گیا۔

''آپ واپس چلے جائیں۔'' وہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھ کے بولی۔''آپ کے پاس آپ کی دنیا میں کھونے کو بہت کچھ تھا' فاتح۔''

وہ اسے دیکھ کے مسکرایا۔اس کے گیلے بال ماتھے پہ آگے کو گر رہے تھے۔

''میرے پاس وہاں کھونے کے لیے کچھ بھی نہیں رہا تھا۔''

''غلط۔آپ وزیر اعظم بننے جا رہے تھے۔'' وہ بے چینی اور تکلیف سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''جانتی ہو میں نے وقت کے تینوں سوال کیسے حل کیے؟ جب ملاکہ آنے سے پہلے میں ایک تحریر اپنی اسٹڈی میں لکھ کے رکھ آیا تھا۔''

''کیسی تحریر؟''

''میں نے جان لیا تھا کہ اس کو لکھنے کا بہترین وقت ابھی ہے۔اور میری زندگی کا اہم ترین شخص تم ہو۔اور تمہیں بچانا میرے لیے سب سے اہم کام ہے۔اسی لیے وقت نے مجھے میری یادیں واپس کر دی تھیں۔''

''کیسی تحریر؟ کیا لکھا آپ نے؟''

''میں نے بی این کی چیئرمین شپ سے استعفیٰ دے دیا ہے۔میں اب ملک کا وزیر اعظم نہیں بننے جا رہا۔''

تالیہ کے اوپر جیسے ایک دم کسی نے گھڑوں پانی الٹ دیا تھا۔وہ گنگ رہ گئی۔ ایڈم بھی سکتے میں آ گیا۔

''مگر کیوں؟ اس آف شور کمپنی کی وجہ سے؟ وہ عصرہ نے بنائی تھی۔''

''سر...آپ نے مسز عصرہ کا نام کیوں نہیں لیا؟ آپ نے....آپ نے ان کاغذات کا الزام اپنے سر کیوں لیا جو بلینک تھے اور دھوکے دہی سے سائن کروائے گئے تھے؟''

ایڈم افسوس سے کہہ رہا تھا اور وہ مارے صدمے کے مزید کچھ بول نہیں پا رہی تھی۔

وان فاتح زخمی سا مسکرایا۔پھر سر اٹھا کے دیکھا۔اوپر اندھیرا تھا۔اور بارش ہو رہی تھی..... مگر.....یکا یک.....

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

پانی کی گرتی بوندیں.... چیری بلاسم کے پھولوں میں تبدیل ہوتی گئیں۔

وہ سڑک کنارے بنچ پہ بیٹھا تھا۔ سڑک اور گھاس پہ گلابی پھولوں کی تہ بچھی تھی۔ سامنے چلتا بچہ گلابی کاٹن کینڈی کی اسٹک ہاتھ میں گھما رہا تھا۔ اس کے پیروں سے سکے چھنکنے کی آواز آرہی تھی.....

عصرہ ساتھ آکے بیٹھی تھی۔ اس کی کافی ذرا سی چھلکی تھی۔

''تمہیں مجھ پہ اعتبار نہیں ہے کیا؟''

فاتح نے فائل کھولی تو ایک دم ڈھیر سارے پھول اوپر سے آن گرے۔ سفید کاغذ گلابی پھولوں سے بھر گیا۔

اس نے ہاتھ سے پھول ایک طرف گرائے تھے تو نیچے سے کاغذ نظر آنے لگا۔

وہ بلینک نہیں تھا۔

اس پہ سیاہ چھپی ہوئی تحریر واضح تھی۔

''یہ کیا ہے؟'' اس نے اچنبھے سے پوچھا۔

عصرہ نے گہری سانس لی۔ ''کاش تم بغیر بحث کے اسے سائن کر دیتے... لیکن..... میں یہ ہماری فیملی کے لیے کر رہی ہوں۔ ہم اس رپورٹر کو ڈائریکٹ پے نہیں کر سکتے' فاتح۔ انکوائری شروع ہوئی تو اسکینڈل بن جائے گا۔ میں ایک آف شور کمپنی بنا رہی ہوں۔ اس کے اکاؤنٹ سے ہم اسے آف شور پے کر دیں گے تاکہ وہ اپنا منہ بند کرے۔

''وہ کاغذ اٹھا کے دیکھ رہا تھا۔ ماتھے پہ بل تھے۔ کوئی اور طریقہ نہیں ہے؟''

''ہم رسک نہیں لے سکتے۔ اور یہ صرف تھوڑے سے وقت کے لیے ہوگا۔ رپورٹر کا منہ بند ہو جائے گا تو ہم اس کو بند کر دیں گے۔ آف شور کمپنی بنانا غیر قانونی نہیں ہے۔ اسے چھپانا غیر قانونی ہے۔ جب الیکشن قریب آئیں گے اور اثاثے ظاہر کرنے ہوں گے تو ہم اس کو بند کر چکے ہوں گے۔ میرے پاسپورٹ کا آج کل مسئلہ بنا ہوا ہے ورنہ میں خود کھول لیتی۔ پلیز فاتح.... سائن کر دو۔''

چیری بلاسم بارش کی بوندوں میں بدل گئے۔ وہ تینوں نیم اندھیرے میں اس قدیم دروازے کے سامنے کھڑے تھے۔

''میں نے بلینک ڈاکیومنٹ پہ دستخط نہیں کیے تھے۔ کمپنی ہم دونوں نے بنائی تھی۔ صرف آریانہ کو اسکینڈل بننے سے بچانے کے لیے۔ ہم سمجھے تھے کہ رپورٹر کو ایک ہی دفعہ پے کرنا ہوگا مگر وہ بار بار بلیک میل کرنے لگا تو میں نے عصرہ سے کہا کہ کمپنی بند کر دو کیونکہ اثاثوں کی ڈکلیریشن کا وقت آگیا تھا۔ میں رپورٹر کو اپنے ایک دوسرے اکاؤنٹ سے پیسے بھیجنے لگا۔ میں سمجھا تھا عصرہ نے کمپنی بند کر دی ہوگی مگر اس نے نہیں کی۔ وہ اسے استعمال کرتی رہی۔ میں اس کو بھول بھی چکا تھا۔ اس لیے میں اس کو پہلی نظر میں نہیں پہچان سکا مگر پھر مجھے یاد آگیا تھا۔ کمپنی رکھنا جرم نہیں ہے۔ اس کو چھپانا جرم ہے اور میں اس جرم کا مرتکب ہو چکا تھا۔ مجھے استعفیٰ دینا تھا۔ کیونکہ میں اپنے لوگوں کو سچ بولنے کی تلقین کر کے خود جھوٹ نہیں بول سکتا۔''

''آپ ..... آپ لوگوں کو وضاحت دے دیتے.... آپ بتا دیتے کہ آپ بلیک میل ہو رہے تھے اور.....''

''میں چاہتا تو جھوٹ بول دیتا کیونکہ میری سیکرٹری ہو یا وکیل' سب خود سے فرض کر چکے تھے کہ مجھ سے بلینک ڈاکومنٹ پہ سائن کروائے گئے ہوں گے۔ مگر وہ کاغذ بلینک نہیں تھے۔ میں واقعی چاہتا تھا کہ میرے ملک میں بہتری آئے۔ لیکن کبھی کبھی انسان کو خود کو اس بہتری کی مثال بنانا ہوتا ہے۔ میں سچ بول کے..... اپنے کیریئر اور خواب کی قربانی دے کر.... اپنے لوگوں کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ سچ دنیا کی ہر شے سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ میں اپنی سچائی نہیں کھو سکتا تھا۔''

وہ صدمے سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اور وہ.... وہ کندھے اچکا کے تکلیف سے کہہ رہا تھا مگر اس کے انداز میں اطمینان بھی تھا۔ پھر وہ آگے بڑھا اور

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

دروازہ کھولنے لگا۔

''مجھے کوئی افسوس نہیں ہے۔ دکھ ہے مگر افسوس نہیں۔ میں نے اپنے آپ کو بچالیا ہے اور اب....''

اس نے زنجیر علیحدہ کی اور تالیہ کو دیکھا۔ ''اب میں تمہیں بچاؤں گا۔'' پھر دروازہ کھول دیا۔

باہر سے ڈھیر ساری روشنی اندر آئی تھی۔ چند لمحوں کے لیے تالیہ کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

پھر اس نے چوکھٹ سے باہر قدم رکھا۔ سامنے زینے بنے تھے۔ وہ زینے قدم قدم چڑھنے لگی۔ اوپر سے روشنی آرہی تھی۔

وہ تینوں باہر نکلے تو خود کو سن باؤ وانگ لی کے گھر کے صحن میں پایا۔

فضا زرد تھی۔ آسمان صاف تھا۔ سارے میں بارش کے بعد کی مٹی سوندھی سی مہک بسی تھی۔ کونے میں تازہ پانی کا کنواں تھا۔ دوسری طرف وانگ لی کا مجسمہ تھا۔ سرسبز پودے اس صحن میں لہلہا رہے تھے۔

قدیم زمانے کی خوشبو اس کے اندر تک اترتی چلی گئی۔

تالیہ نے آنکھیں بند کیں اور سانس اندر کو کھینچی۔

وہ اپنی دنیا میں واپس آچکی تھی۔

''ہم جنگل میں کیوں نہیں ہیں۔'' ایڈم نے تعجب سے ادھر ادھر دیکھا۔ وہ کندھے پہ رکھے بیگ میں جنگل کے مقابلے کے لیے بہت سا سامان لایا تھا۔

''کیونکہ وقت کے دروازے مختلف جگہوں پہ کھلتے ہیں شاید۔ ہم پچھلی دفعہ وانگ لی کے گھر سے دروازے میں داخل ہوئے تھے اور جنگل میں باہر نکلے تھے۔ اس دفعہ ذوالکفلی کے گھر میں داخل ہوئے اور وانگ لی کے گھر سے نکلے ہیں۔''

وہ کہہ کے آگے بڑھی تو فاتح نے پکارا۔ ''تم اب کیا کرو گی؟''

تالیہ اس کی طرف پلٹی۔ دھوپ اس کے عقب سے آرہی تھی اس لیے فاتح کو اسے دیکھنے کے لیے ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنانا پڑا۔

''میں..... ملاکہ پہ حکومت کروں گی۔'' اس نے اپنے سفید لباس میں کچھ چھپا کے رکھا ہوا نکالا اور سر پہ پہنا۔ فاتح نے آنکھیں چندھیا کے دیکھا۔ وہ ہیروں سے مزین نازک سا تاج تھا۔

پھر وہ مڑی اور آگے بڑھ کے گھر کا بیرونی دروازہ کھولا۔

باہر چند سپاہی کھڑے تھے۔ اسے دیکھ کے وہ سیدھے ہوئے۔

''تم کب سے یہاں کھڑے ہو؟'' شہزادی نے ماتھے پہ بل ڈال کے پوچھا۔

''چار دن سے' شہزادی۔ جب سے آپ گئی تھیں' مراد راجہ نے حکم دیا تھا کہ ہم یہیں آپ کا انتظار کریں۔ انہوں نے کہا تھا کہ آج آپ واپس آجائیں گی۔''

سپاہی نے ادب سے اطلاع دی۔ تالیہ نے مڑ کے اسے دیکھا جو برآمدے میں کھڑا' سینے پہ بازو لپیٹے غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پیچھے ایڈم گھوم پھر کے گھر کا جائزہ لے رہا تھا۔

شہزادی مسکرائی۔ ''مجھے اب جانا چاہیے' غلام فاتح۔ مجھے اپنی شادی کی تیاری کرنی ہے۔''

وان فاتح کے ماتھے پہ بل پڑے۔

''تم سلطان سے شادی نہیں کرسکتیں۔''

شہزادی نے ابرو اٹھائے۔

''واچ می۔'' اور پھر وہ مڑ گئی۔

قطار صورت کھڑے سپاہی اطراف میں ہٹتے گئے۔ تالیہ مراد ان کے درمیان سے گزرتی' فخر سے سر اٹھائے' قدم اٹھا رہی تھی۔

سورج تیز تھا اور دن کی روشنی میں وہ بنا کسی خوف کے اپنی شاہی سواری کی طرف بڑھ رہی تھی۔

اسے یہاں کوئی گرفتار نہیں کرسکتا تھا۔ اسے یہاں کے عوام چور یا قاتل کے طور پہ نہیں جانتے تھے۔

وہ آزاد تھی۔

www.pakistanipoint.com

ایک اعلا عہدیدار وردی میں ملبوس بگھی کے ساتھ کھڑا تھا۔ وہ اس تک رکی اور تحکم سے بولی۔

''میرے محل پہنچنے سے پہلے بابا کو اطلاع مل جانی چاہیے کہ میں آ گئی ہوں۔ اس کے علاوہ....'' وہ رکی۔ ''ابوالخیر سے کہو وہ رات کا کھانا میرے اور بابا کے ساتھ کھائے گا۔ مجھے اس سے بات کرنی ہے۔''

سپاٹ چہرے کے ساتھ حکم جاری کیا اور بگھی میں سوار ہو گئی۔ سپاہی نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے دروازہ بند کر دیا۔ گھوڑے بگھی کو کھینچتے آگے قدم بڑھانے لگے۔

''مجھے بھی ان کے ساتھ جانا چاہیے۔'' شاہی مورخ نے ایک معذرتی نظر اس پہ ڈالی اور ان کے پیچھے لپکا۔

چوکھٹ پہ کھڑے وان فاتح نے خاموشی سے ان دونوں کو جاتے دیکھا تھا۔

''اب آپ کیا کریں گے' ڈیڈ؟'' عقب میں کھڑی آریانہ بولی تو اس نے گردن موڑی۔ وہ آنکھوں میں ڈھیروں سادگی لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

''میں اسے واپس لے جانے کے لیے آیا ہوں۔ میرے بغیر وہ دونوں کبھی واپس نہیں جا سکیں گے۔''

وہ سنجیدگی سے زیرِ لب بولا تھا۔ کھلے دروازے سے باہر کچے راستے پہ شاہی سواری دھول اڑاتے ہوئے دور جاتی دکھائی دے رہی تھی۔

☆☆☆

مراد راجہ اپنے دیوان خانے میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا جب چوکھٹ پہ آہٹ ہوئی تو وہ رکا اور اس طرف گھوما۔ سامنے وہ کھڑی تھی۔ سیاہ بالوں والی..... سادہ سفید لباس پہ تاج پہنے..... وہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے دیکھ کے مراد نے گہری سانس خارج کی.....

''مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گی۔''

''بابا۔'' وہ تیزی سے آگے بڑھی اور اس کے گلے لگ گئی۔ مراد کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ جانتا تھا کہ اسے اس کی یادداشتیں واپس مل گئی ہیں۔ اسے اس کا باپ یاد آ گیا ہے۔

''کیا وہ دونوں بھی ساتھ آئے ہیں؟'' وہ اس سے الگ ہوئی تو مراد نے اسے شانوں سے تھام کے پوچھا۔ تالیہ نے آنکھیں رگڑتے ہوئے اثبات میں گردن ہلائی۔

''ہاں۔ مگر وہ واپس جانے کے لیے آئے ہیں۔''

''تو چلے جائیں..... مگر تم؟'' اسے دھڑکا لگا۔

تالیہ کی آنکھوں میں تکلیف ابھری۔ ''میں جان گئی ہوں کہ وہ میری دنیا نہیں تھی۔ اس دنیا نے اور اس کے باسیوں نے آپ کی بیٹی کو بہت تکلیف دی ہے' بابا۔ میں نے ان دونوں سے یہی کہا ہے کہ میں واپس چلی جاؤں گی مگر.....'' وہ نم آنکھوں سے مسکرائی۔ اور تمکنت سے گردن کڑائی۔

''میں واپس جانے کے لیے نہیں آئی۔ میں ملاکہ پہ حکومت کرنے آئی ہوں۔''

بنداہارا مراد راجہ جانتا تھا کہ وہ سچ کہہ رہی تھی۔ اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اب وہ اپنی بیٹی کو کبھی واپس جانے نہیں دے گا۔

☆☆☆

بیسواں باب:

''شہزادی کی آخری مانگ۔''

اور شہزادی تاشہ کی سات مانگوں میں سے
آخری مانگ کچھ یوں اس طرح
کہ بھر دے سلطان مرسل ایک پیالا
اپنے خون سے....
ایسا خون کہ جس میں شامل ہو اس کے ماں
باپ کا خون....
اور پاک ہو وہ ہر ملاوٹ سے....
پھر ہم تمہیں بتلاتے ہیں کہ....
جب سلطان مرسل شاہ کر چکا باقی چھ مانگیں
پوری....

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

تو ایک دن تنہا' اداس بیٹھے اپنے محل میں....
اس نے رکھا ایک خنجر کلائی پہ....
اور قریب تھا کہ کاٹ ڈالتا اپنی رگ جان کو....
کہ بند دروازوں والے دیوان خانے میں
کسی جادو سے نمودار ہوئی شہزادی تاشہ....
اسے دیکھ کے رہ گیا سلطان مبہوت....
اور پھسلا خنجر اس کے ہاتھ سے....
سامنے آئی پری چہرہ شہزادی اور گویا ہوئی مسکرا کے....
''مقصد تھا میرا آپ کا امتحان لینا....
نہ کہ آپ کی جان لینا۔
سات مانگوں کے اس کھیل کو روک ڈالیں یہیں پہ۔
کہ میرے اور آپ کے راستے ہیں جدا جدا۔''
یہ کہہ کہ وہ دھوئیں میں ہوگئی غائب....
اور جھکا دیا مرسل شاہ نے اپنا سر....
اور اس روز پہلی دفعہ اس نے لقب دیا تھا اسے.....
تاشہ پسونا کا.....
(بنگارایا ملایو۔ باب ۱۳۔ ''شہزادی کی آخری مانگ'')

☆☆☆

قدیم ملاکہ پہ شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ کہیں کہیں کوئی مشعل روشن نظر آتی 'باقی ہر طرف اندھیرے کا غلاف اوڑھے وہ شہر سونے کی تیاری کر رہا تھا۔

البتہ بنداہارا کے محل کا حال مختلف تھا۔ اس کی کھڑکیاں روشن تھیں۔ اوپر آسمان سے دیکھو تو وہ عمارت زردستاروں سے سجی دکھائی دیتی تھی۔

محل کا کتب خانہ اس وقت مکمل روشن تھا۔ ایک طرف دو غلام کتابوں کو ترتیب سے رکھتے دکھائی دے رہے تھے۔ اور چوکھٹ پہ ایڈم کھڑا تھا۔ کتب خانے کو دیکھ کے لبوں پہ اداس مسکراہٹ در آئی۔ سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا وہ چھوڑ کے گیا تھا۔ وقت صرف کے ایل میں گزرا تھا۔ قدیم ملاکہ میں تو وہ ٹھہر گیا تھا۔

سارے مسئلے وقت کے ہی تو تھے۔

غلام صفائی کر چکے تھے اور اپنے جھاڑن لیے رخصت ہوگئے تو ایڈم نے ٹوپی اتار کے میز پہ رکھی۔ کرتا پاجامہ پہنے' وہ ہلکی بڑھی شیو کے ساتھ اس ماحول میں ڈھلا ہوا نظر آتا تھا۔ وہ ایک دفعہ پھر ان کتابوں کے درمیان واپس آگیا تھا۔ ایک دفعہ پھر سارے مسائل کا حل کتابوں سے ملنا تھا۔

وہ پلٹا تو دیکھا۔ اس کی میز جسے وہ ''تین روز قبل'' چھوڑ کے گیا تھا' اس پہ بنگارایا ملایو کا مسودہ یونہی رکھا تھا۔ کاغذ کی خوشبو تک ویسی تھی۔ وہ چونکا۔ پھر میز کے پیچھے آیا اور کتاب اٹھائی۔

یہ اس کے ہاتھ سے لکھی کتاب تھی۔ بارہ ابواب کی۔ وہ اسے اشاعت کے لیے دے کر گیا تھا مگر یہ یہیں پڑی تھی۔

''یہ اشاعت کے لیے نہیں بھجوائی گئی؟'' اس نے پہریدار کو بلایا اور کتاب کے صفحے اچنبھے سے پلٹتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں' شاہی مورخ۔ مراد راجہ نے کہا تھا کہ ابھی طباعت و اشاعت کی ضرورت نہیں۔ یہ کتاب نامکمل ہے۔ آپ واپس آکے اسے آگے لکھیں گے۔''

وہ سادگی سے بتا رہا تھا۔

ایڈم نے ہنکارا بھرا اور قدیم کتاب واپس رکھ دی۔ پھر ہاتھ کے اشارے سے اسے باہر جانے کو کہا۔

ایڈم کی لکھی بنگارایا ملایو میں بارہ ابواب تھے۔ مگر جو بنگارایا ملایو جدید دور میں پڑھی اور پڑھائی جاتی تھی' اس میں کل پندرہ ابواب تھے۔ یہ تین اضافی باب ایڈم نے جدید کے ایل میں جا کے پڑھے تھے۔ تیرہویں باب کے آغاز میں یہ سطور پڑھ کے کہ شہزادی سفر سے واپس لوٹ آئی تھی اور اس کے بالوں کا رنگ سیاہ ہو چکا تھا' وہ گھبرا گیا تھا۔ مگر جب اس نے ان تینوں ابواب کو مکمل پڑھ لیا تو وہ

www.pakistanipoint.com

جہاں الجھا' وہاں اسے ایک اطمینان بھی نصیب ہوا کہ یہ باب اس نے نہیں لکھے تھے۔

یہ تین ابواب ایڈم بن محمد نہیں لکھ سکتا تھا۔

وہ تین ابواب عجیب تھے۔ احمقانہ' سوپر نیچرل' بغیر لاجک کے واقعات پہ مبنی... جیسے کسی نے خانہ پری کے لیے لکھے ہوں۔ جیسے ان تین ابواب کی سوجھ بوجھ نہ بنتی ہو۔ ایک اچھی بھلی کہانی کو جیسے مصنف نے گھما کے عجیب سوپر نیچرل اور غیر فطری رخ دے دیا ہو اور آخر میں ایک ٹریجک اختتام پہ کہانی ختم کر دی ہو۔

پچھلے چند ماہ میں..... جب سے ایڈم نے ان تین ابواب کو پڑھا تھا۔ اس کو لگتا تھا یہ راجہ نے کسی اور سے لکھوائے تھے۔ خانہ پری۔ دیو مالائی سا اینڈ۔ مگر اب جبکہ وہ واپس آ گیا تھا' وہ واقعی یہ سوچنے لگا کہ اس کتاب کو کون مکمل کرنے جا رہا تھا؟

وہ تو یہاں چند دن کا مہمان تھا۔ بیمار تھا مگر پر امید تھا کہ دوا ملے گی اور وہ واپس اپنی زندگی میں چلا جائے گا۔ لکھنے کے لیے تو ڈھیروں سکون اور تحریک چاہیے ہوتی ہے۔ اور ساتھ دل کا درد بھی۔ دل کے درد کے بغیر کوئی لکھ بھی کیسے سکتا ہے۔ اور اس کے دل و دماغ دوسرے کاموں میں الجھے تھے۔

نہیں۔ وہ ابواب ایڈم نے نہیں لکھے تھے، نہ اس نے کچھ مزید لکھنا تھا۔ اسے صرف اپنی دوا کے حصول پہ توجہ مرکوز کرنی تھی۔ اسے دوا مل جائے' اور وہ تینوں واپس چلے جائیں۔ یہی ان کی کہانی کا منطقی انجام تھا۔

اس نے مسودے پہ کپڑا ڈال دیا۔ کل وہ اسے دوبارہ اشاعت کے لیے بھجوا دے گا۔ بنگارایا ملایو یہیں پہ ختم ہو جانی چاہیے۔

☆☆☆

تاریکی کا غلاف وانگ لی کی سرخ حویلی پہ بھی چڑھا ہوا تھا۔ پھاٹک کے باہر ابھی ابھی گھوڑے آن رکے تھے اور فرہبی مائل چینی سفیر اپنی سواری سے اتر رہا تھا۔

وہ دروازے تک پہنچا تو ٹھٹک کے رکا۔ باہر ایک مشعل روشن تھی۔ اس نے دروازہ دھکیلا تو وہ چرچراتا ہوا کھلا۔ اندر راہداری بھی روشن تھی۔ گھر میں کوئی تھا۔

جب سے غلام فاتح گیا تھا' اس نے ابھی تک دوسرا غلام نہیں رکھا تھا جو گھر کے اندرونی کاموں کے لیے ہو۔ پہرے دار اور سپاہی کافی تھے۔ وہ سارا وقت امور سلطنت میں الجھا رہتا اور رات دیر سے گھر آتا تو گھر تاریک ملتا تھا۔

آج ایسا نہیں ہوا تھا۔

وہ چوکنا سا چلتا اندر تک آیا۔ ہاتھ کمر سے بندھے خنجر کے دستے پہ جما تھا۔ مگر برآمدے تک پہنچ کے اس کا ہاتھ ڈھیلا ہو کے پہلو میں آن گرا۔

برآمدے کے ستون کے ساتھ... اس کی طرف پشت کیے.... سفید کرتے پاجامے والا شخص کھڑا مجسمے کو دیکھ رہا تھا۔

چاندنی میں نہایا مجسمہ صحن میں اپنے پورے قد کے ساتھ کھڑا تھا۔

وانگ لی نے گہری سانس لی اور ماتھے پہ بل ڈال لیے۔

"تم واپس آ گئے؟ اتنی جلدی۔"

فاتح نے گردن موڑی اور ایک بے نیاز سی نظر اس پہ ڈالی۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ پھر فاتح نے رخ واپس پھیر لیا۔

"تم میرے گھر کیوں آئے ہو؟ میں نے تو تمہیں آزاد کر دیا تھا۔" وانگ لی اس کے قریب آ کے رکا۔ اس کے چہرے پہ فاتح کو دیکھ کے واضح غصہ در آیا تھا۔

"جانتا ہوں۔ اس لیے تمہارے آگے سر جھکائے نہیں کھڑا۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے سامنے کنویں کو دیکھ رہا تھا۔

"تمہیں آزاد کرنے کا مطلب تھا کہ میں تمہیں اپنے گھر میں نہیں دیکھنا چاہتا۔"

"یہ میرا بھی گھر ہے۔" وہ زیرِ لب بولا مگر

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

وانگ لی سن نہ سکا۔ تیوریاں چڑھائے' پہلوؤں پہ ہاتھ جمائے تلخی سے بولا۔

"تمہیں ملکہ اور میرے ساتھ دھوکا کرنے کے بعد یوں اتنے نڈر انداز میں واپس نہیں آنا چاہیے تھا۔ تم بھول رہے ہو کہ تم یہاں سے جاتے وقت بہت سے دشمن بنا کے گئے تھے۔"

وان فاتح بے تاثر مگر پرسکون چہرے کے ساتھ اس کی طرف پلٹا اور غور سے اسے دیکھا۔

"مجھے سب یاد ہے اور میں اسی لیے واپس آیا ہوں کہ مجھے سب یاد ہے۔"

"تم نے نہ صرف ملکہ سے دھوکہ کیا بلکہ تمہیں یہاں دیکھ کے معلوم ہوتا ہے کہ بے چاری شہزادی کو بھی تم اپنے گاؤں چھوڑ آئے ہو جس نے تم پہ بھروسہ کر کے....." وانگ لی کہتے کہتے رکا۔ اس کا ماتھا ٹھنکا۔ "شہزادی کہاں ہے؟"

"جہاں انہیں ہونا چاہیے۔ اپنے باپ کے محل میں۔"

وانگ لی کا رنگ بدلا۔ آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "تم اسے واپس لے آئے؟"

"ہاں۔ وہ بھی دن کی روشنی میں۔"

"ملکہ نے..... ملکہ نے تمہاری جان اس لیے بخشی تھی کیونکہ تم شہزادی کو یہاں سے لے جا رہے تھے۔ یہ ایک شرط پوری کی تھی تم نے اور وہ بھی...."

وانگ لی نے ضبط سے مٹھیاں بھینچ لیں۔ اس کا چہرہ سرخ پڑنے لگا۔

فاتح نے کندھے اچکائے۔ "یہاں سے لے جانے کا وعدہ کیا تھا۔ یہ نہیں کہا تھا کہ وہ کبھی واپس آنا چاہے گی تو اسے روک لوں گا۔"

"تم.... تم چار دن بھی اپنے وعدے کو پورا نہیں کر سکے۔ چار دن بھی...."

"سن باؤ۔ کتنا اچھا ہوا گر تم وقت کے حساب کتاب مجھے نہ سمجھاؤ۔" پھر ایک بے نیاز نظر اس پہ ڈالی۔ "صبح چلا جاؤں گا۔ رات مجھے یہیں ٹھہرنا ہے۔"

"یہ میرا گھر ہے اور تم میرے غلام نہیں ہو جو...."

"یہ میرا بھی گھر ہے' سن باؤ۔ یہ میرے باپ کا گھر ہے۔"

وہ سنجیدگی سے کہہ کے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ اس کی گردن اٹھی تھی اور چہرہ کسی بھی تاثر سے پاک تھا۔ وانگ لی ضبط کا سانس بھر کے رہ گیا۔ پہلے سوچا پہرے داروں کو آواز دے، وہ حویلی کے باہر کھڑے تھے' پھر کسی خیال کے تحت خاموش ہو گیا۔

وہ لکھائی کی میز تک آیا اور قلم دان سے قلم نکال کے جلدی جلدی ایک رقعہ تحریر کرنے لگا۔

اسے ملکہ کو اس خطرے سے آگاہ کرنا تھا جو ٹلتے ٹلتے واپس ان کے سروں پہ منڈلانے لگا تھا۔

☆☆☆

بنداہارا کے محل کی کھڑکیاں ہنوز روشن تھیں۔ ایسی ہی ایک روشن بالکونی میں وہ اس وقت کھڑی تھی۔ سیاہ بال جوڑے میں باندھے' سر پہ تاج سجائے' وہ گہرے نیلے کامدار باجو کرنگ میں ملبوس تھی۔ اس کے بالوں کا رنگ دیکھ کے کنیزوں کی آنکھیں پھیلی تھیں مگر سوالات پہ پابندی تھی اس لیے انہوں نے خاموشی سے اسے تیار کر دیا تھا۔ وہ اپنے "اصل" روپ میں... ایک شہزادی کے روپ میں واپس آ چکی تھی... مگر کیا یہ اس کا اصل تھا؟

محل کی بالکونی سے دور نظر آتے سیاہ سمندر کو دیکھتے ہوئے تالیہ مراد کا دل بالکل خالی تھا۔

"شہزادی۔" کنیز نے پیچھے آ کے ادب سے پکارا تو وہ چونکی۔ اس طرز تخاطب کی عرصہ ہوا عادت نہ رہی تھی۔

"ابوالخیر اور مراد راجہ آپ کا کھانے پہ انتظار کر رہے ہیں۔"

"ہوں۔" شہزادی نے ابرو سے اس کو اشارہ کیا اور پھر..... کندھے سیدھے کیے اور گردن اکڑائی۔ اسے اب شہزادی کی طرح رہنا تھا۔ کسی پولیس سے بھاگتی مفرور ملزمہ کی طرح نہیں۔ (میری زندگی کا

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

فیز اب پیچھے رہ گیا ہے۔ کوئی پولیس' کوئی دولت اب میرے پیچھے نہیں آسکتے۔ میں آزاد ہوں اور میرے لیے یہی زندگی کافی ہے۔)

وہ خود کو ایسے خیالات سے تسلی دے رہی تھی اور واقعی بجھے دل کو یہ خیالات تسلی دے بھی رہے تھے۔

ایک خوبصورت دیوان خانے میں طعام سجا تھا۔ وسط میں چھوٹی میز رکھی تھی اور اس کے گرد مراد اور ابوالخیر آمنے سامنے زمین پہ بیٹھے تھے۔ انواع و اقسام کے کھانے چنے گئے تھے۔ پیچھے غلام ہاتھ باندھے پانی اور قہوے کی صراحیاں پکڑے کھڑے تھے۔

تالیہ نے ایک نظر چھت سے لٹکتے فانوس پہ ڈالی۔ پھر اطراف میں دیکھا۔ محل کی شان' اس کی دیواروں سے ٹپکتی ہیبت' غلاموں کی اس کو دیکھتے ہی جھک جانے والی نظریں۔ یہ وہ دنیا تھی جہاں وہ چٹکیوں کے اشارے سے گردنیں مار سکتی تھی۔ جہاں کوئی دولت امان نہ تھا۔ جہاں اسے کسی کو یقین نہیں دلانا تھا کہ وہ ایک اچھی لڑکی بن چکی ہے۔ یہاں کسی کا اس پہ احسان نہ تھا۔ کسی کا ہاتھ اس کے اوپر نہ تھا۔ وہ یہاں کسی کی باڈی وومن نہیں تھی۔

تالیہ مراد بالآخر آزاد تھی۔

شہزادی کو مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوتے دیکھ کے وہ دونوں افراد اپنی جگہوں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ مراد شاہی قبا میں ملبوس' ماتھے پہ سرخ پٹی باندھے' کندھوں تک آتے سیاہ بالوں میں ہمیشہ کی طرح بارعب اور مغرور دکھائی دیتا تھا۔ البتہ تالیہ کو دیکھ کے لبوں پہ اپنائیت بھری مسکراہٹ در آئی تھی۔

ابوالخیر کی آنکھوں میں البتہ طنزیہ تاثرات ابھرے تھے۔

''آپ سے مجھے بہت گلے ہیں' شہزادی۔'' وہ مسکرا کے بولا مگر لہجے کا طنز اور شاکی پن واضح تھا۔

''مجھے افسوس ہے اس سب کے لیے جو آپ کے غلاموں کے ساتھ ہوا۔'' وہ مسکرا کے کہتی ہوئی بیٹھی۔ لباس پھول کی طرح اردگرد پھیلا دیا۔ وہ دونوں بھی اپنی جگہوں پہ بیٹھے۔

''اور اسی لیے میں آپ سے مل کے ہمارے درمیان تمام ابہام رفع کرنا چاہتی تھی۔''

اسے اب یہاں رہنا تھا تو ملاکہ کے تالاب کے سارے مگرمچھوں سے اچھے تعلقات بھی رکھنے تھے۔

دیوان خانہ زرد روشنیوں سے روشن تھا۔ وسط میں رکھی میز کے تینوں اطراف میں وہ تینوں بیٹھے تھے۔ ایک غلام نے ڈونگے کا ڈھکن ہٹا رکھا تھا اور مراد اپنی طشتری میں کھانا نکال رہا تھا۔ سارے میں اشتہا انگیز خوشبو پھیلنے لگی۔ ابوالخیر البتہ تالیہ کو مسکرا کے دیکھ رہا تھا۔

''شہزادی..... آپ نے ہمارے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اگر آپ غلاموں کو نہ اکساتیں تو وہ ''جیا'' سے نکل کے آپ کے محل کے سامنے نہ کھڑے ہو جاتے اور ہمیں ان کو آزاد نہ کرنا پڑتا۔ مجھے آپ سے گلہ ہے کہ آپ نے میرے مقابلے میں اس غلام کا ساتھ دیا ہے۔''

تالیہ کی رنگت ذرا دیر کو بدلی مگر وہ سنبھل کے مسکرا دی۔ ''کون سا غلام؟''

''وہی جو سن باؤ کا خدمت گار ہے..... اس کے گھر میں رہتا ہے.....''

(اور بنداہارا کے محل سے دور..... سفید کرتے پاجامے میں ملبوس وان فاتح سرخ حویلی کی بالکونی میں کھڑا اندھیرے میں ڈوبتے ملاکہ کو دیکھ رہا تھا۔)

''وہ غلام جس کو مراد راجہ نے قید کر رکھا تھا اور آپ کو چاہیے تھا کہ اس معاملے سے دور رہتیں مگر آپ اس غلام سے ہمدردی کرنے لگیں.....''

(سن باؤ سونے جا چکا تھا۔ سرخ حویلی خاموش پڑی تھی۔ ایسے میں فاتح کچھ سوچ کے حویلی سے باہر نکل آیا اور آہستہ سے دروازہ بند کیا۔ وانگ لی کا سفید گھوڑا اس کو پہچانتا تھا۔ فاتح نے نرمی سے گھوڑے کو پہلے تھپکا' پھر اس کی لگام کھولنے لگا۔)

''آپ کو لگا آپ کے والد نے اس کے ساتھ

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

ظلم کیا ہے مگر آپ یہ نہیں جانتی تھیں کہ اتنے دن سے وہ غلام جیا میں دوسرے غلاموں کو بہکا رہا تھا۔ وہ غدار تھا۔ باغی تھا۔ اس کا ٹھکانہ قید ہی ہونا چاہیے تھا۔"

(اس نے گھوڑا بازار کے دہانے پہ روکا اور نیچے اترا۔ بازار کی بتیاں ابھی تک گل نہیں ہوئی تھیں۔ فاتح گھوڑے کی لگام تھامے دھیرے دھیرے آگے بڑھنے لگا۔ دکانیں ہنوز کھلی تھیں اور لوگ کام کرتے دکھائی دے رہے تھے۔)

"آپ نے خدا جانے کس شے کی بنا پہ اپنے بابا کو مجبور کیا کہ وہ ہم سب کو حکم دیں کہ ہم ناجائز غلاموں کو آزاد کر دیں اور ہمیں ایسا کرنا پڑا۔ ہم نے اتنے سارے غلام کھو دیے۔"

(وہ آنکھوں میں تحیر لیے ان دکانوں کو دیکھ رہا تھا۔ چند لوگ وہاں سے سامان اٹھا اٹھا کے مال گاڑی میں لاد رہے تھے۔ سامنے ابوالخیر کی حویلی تھی۔ وہ اس طرف بڑھنے لگا۔)

"سن باؤ نے اس غلام کو بھی آزاد کر دیا اور وہ جانے کہاں غائب ہو گیا۔ مگر مجھے آپ سے گلہ رہے گا' شہزادی کہ میں نے آپ کو مسجد تک بنوا کے دی' ہر شے میں آپ کا ساتھ دیا مگر آپ نے میرے سارے غلام مجھ سے دور کر دیے۔" شکوہ کرتے ہوئے بھی وہ مسکرا رہا تھا۔

(حویلی کی دیوار تک پہنچ کے وہ رک گیا۔ پھاٹک کھلا تھا اور اس پہر کسی دوسرے شہر سے آنے والا سامان اندر رکھوایا جا رہا تھا۔ ابوالخیر کی حویلی پہ قریباً ہر وقت ہی یہی منظر ہوتا تھا۔ پہلے اس کے پاس غلاموں کی فوج ہوتی تھی' اس لیے یہ کام فوراً ہو جاتا تھا۔ اور آج..... فاتح اندھیرے میں کھڑا دم سادھے دیکھنے لگا۔ آج غلاموں کی مدد کے بغیر ابوالخیر کے سارے کام کیسے ہو رہے تھے؟)

"سوال یہ ہے ابوالخیر....." شہزادی نے مسکرا کے قہوے کی پیالی اٹھائی' گھونٹ بھرا اور اسے نیچے رکھا۔ "آپ راضی کیوں ہوئے؟ میرے بابا کو انکار کرنا اتنا مشکل تو نہ تھا۔"

(فاتح یک ٹک کھڑا سامان ڈھوتے ان نفوس کو دیکھ رہا تھا۔ وہ وہی تھے۔ سارے غلام وہی تھے۔ وہ فاقوں کے مارے' چیتھڑوں میں ملبوس لوگ..... وہ اسی طرح ابوالخیر کے کام کر رہے تھے جیسے کرتے آئے تھے.... مگر اب تو وہ آزاد تھے؟ پھر کیوں؟)

"کیونکہ آپ کے بابا کی بات ماننے کے سوا میرے پاس کوئی چارہ نہ تھا۔ اور مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ یہ سارے غلام اگلے روز ہی میرے پاس واپس آ جائیں گے۔"

وہ چونکی..... "وہ کیسے؟" (دل ایک دم ڈوب کے ابھرا تھا۔)

(وان فاتح پتلیاں سکوڑے ان کام کرتے غلاموں کے چہرے دیکھ رہا تھا۔ کچھ چہرے نئے تھے۔ تعداد بھی زیادہ تھی۔ وہ چونکا۔)

"صرف میرے غلام نہیں' شہزادی.... دوسرے رؤساء کے غلام بھی میری چاکری کے لیے آ چکے ہیں۔"

(ایک درخت کی اوٹ میں کھڑے فاتح کو احساس ہوا کہ ابوالخیر کے غلاموں کی تعداد بڑھ چکی تھی۔ ابھی تین چار دن پہلے تو وہ انہیں آزاد کروا کے گیا تھا.... تو... پھر...؟)

"کیونکہ آپ نے اور سن باؤ کے اس غلام نے یہ نہیں سوچا کہ خالی خولی آزادی بے معنی ہوتی ہے۔ برسوں اور مہینوں سے میری غلامی کرنے والے کچھ اور کرنا بھول چکے تھے۔ ان کے پاس نہ پیسا تھا نہ کھانے کو کچھ تھا۔ نہ ان کے گھر بار تھے۔ وہ کنوارے' اکیلے' بھوکے لوگ تھے۔ میں نے اگلے دن ہی اعلان کروا دیا کہ جو بھی میرے کام میں ہاتھ بٹائے گا میں اس کو یومیہ اجرت دوں گا۔" ابوالخیر مسکرا کے کہہ رہا تھا۔

"شام تک آدھے واپس آ گئے اور جب ان کو اجرت ملی تو اگلی صبح دوسرے رؤسا کے غلام بھی

www.Teemi.com
www.pakistanipoint.com

میرے پاس تھے۔اب وہ آزاد ہیں مگر ان کو آزادی نہیں چاہیے تھی۔ان کو دو وقت کی روٹی چاہیے تھی اور روز کے چند سکے۔میں ان کو صرف اتنے سکے دیتا ہوں جن سے ان کی جان حلق سے نہ نکلنے پائے۔مگر وہ کچھ جمع بھی نہ کر پائیں۔ان کو روز کی روٹی کے لیے میرے پاس واپس آنا پڑے۔اتنا ہی خرچہ پہلے ان کی روٹی پہ آتا تھا' اب ان کو اتنے ہی سکے دے دیتا ہوں۔میرا تو کچھ نہیں بگڑا۔اور وہ بھی خوش ہیں۔ہاں جس روز کوئی غلام کوئی غلطی کرتا ہے تو سزا کے طور پہ اس کی یومیہ اجرت سے کٹوتی ہوتی ہے۔یوں وہ میرے پاس سے بھاگ نہیں سکتے۔وہ میرے ''غلام'' نہیں رہے' شہزادی' مگر وہ میرے ''ملازم'' بن چکے ہیں۔''

(وہ اندھیرے میں کھڑا افسوس سے وہ منظر دیکھ رہا تھا۔سامان رکھا جا چکا تھا اور ایک داروغہ صورت آدمی کھڑا قطار میں لگے 'ملازموں' کو باری باری چند سکے دے رہا تھا۔ایک کو اس نے البتہ سکوں کی جگہ جھانپڑ رسید کیا' اور اس کی غلطی یاد کروائی' تو وہ سر جھکائے خالی ہاتھ آگے بڑھ گیا۔)

''آپ کے اس عمل کی وجہ سے وہ 'ملازم' زیادہ برے حال میں ہیں۔ان کے پاس رہائش نہیں ہے۔وہ شہر میں کہیں نہ کہیں سو پڑے رہتے ہیں۔اور جو میرے احاطے میں سونا چاہیں' تو ان کی اجرت مزید کم ہو جاتی ہے۔میرا کام پہلے سے زیادہ اچھا جا رہا ہے' شہزادی۔اس لیے اب میں آپ سے مزید گلہ کرنا نہیں چاہتا۔''

تالیہ کی مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی۔اس نے بے اختیار باپ کا چہرہ دیکھا جس نے کھانا کھاتے ہوئے کندھے اچکا دیے۔''میں نے کہا تھا' یہ بے مقصد ہوگا۔''

وہ بہ دقت سنبھلی اور زبردستی مسکرا کے اتنا ہی بولی۔

''امید ہے اب ہمارے درمیان کوئی شکوہ شکایت نہیں ہوگی۔کل سے ہم پہلے کی طرح کام شروع کر دیں گے۔'' اور کھانا نکالنے لگی۔البتہ اس کی رنگت بجھ گئی تھی۔

وہ یہاں آزاد تھی۔وہ ملکہ بننے والی تھی۔

مگر صرف آزادی کافی نہیں تھی۔آزادی کے بعد بھی بہت سی لڑائیاں لڑنا تھیں۔

(وہ جھکے کندھوں کے ساتھ گھوڑے کی لگام تھامے حویلی کی طرف واپس جا رہا تھا۔ملاکہ کو وہ جس حال میں چھوڑ کے گیا تھا' اس کا یہ قدیم شہر اس سے برے حال میں تھا۔اس کے لوگ ''نوکریوں کے غلام'' بن چکے تھے۔کچھ بھی نہیں بدلا تھا۔)

''ابو الخیر نے کھانے کے دوران مجھے کہا کہ.....'' ابو الخیر چلا گیا تو تالیہ نے خادموں سے کمرہ خالی کروایا اور سنجیدگی سے مراد کی طرف متوجہ ہوئی۔

''کہ آپ ملکہ بننے والی ہیں۔''

''تم واپس آئی ہو.....ملکہ بننے کے لیے!'' وہ رک کے اسے دیکھنے لگا۔

''میں سلطان مرسل کی ملکہ بننے نہیں آئی۔میں آپ کے ساتھ اس ملک پہ حکومت کرنے آئی ہوں مگر مجھے سلطان سے شادی نہیں کرنی۔'' وہ جھنجھلا کے بولی۔مراد نے غور سے اسے دیکھا۔پھر چاولوں کا لقمہ منہ میں رکھتے ہوئے بولا۔

''تمہاری دنیا میں کتنا وقت گزرا تھا؟''

''چھ سات ماہ.....'' اس نے گہری سانس بھری۔

''اور ان چھ سات ماہ میں تم نے وہ تعلق ختم نہیں کیا جس کو بنانے کی وجہ سے یہ سب ہوا تھا؟''

''اس تعلق کی اب کوئی حیثیت نہیں ہے۔وہ دونوں واپس چلے جائیں گے اور میں نہیں جاؤں گی۔مگر میں مرسل شاہ سے شادی بھی نہیں کروں گی' بابا۔مجھے اس مسئلے سے نجات دلائیں۔''

مراد نے گہری سانس لی۔''یہ تمہیں واپس آتے وقت معلوم تھا۔پھر تم اس مسئلے سے نجات کیوں چاہتی ہو؟''

تالیہ نے ناک سے مکھی اڑائی۔''کیونکہ کتاب

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

کے مطابق..... یعنی بنگارایا ملایو کے مطابق..... جو ہم نے اپنے زمانے میں پڑھی ہے۔ میری شادی سلطان سے نہیں ہوئی تھی۔"

مراد چونکا۔ پھر دلچسپی سے اسے دیکھا۔ "اسی لیے غلام فاتح کو ہمارا مستقبل معلوم تھا۔ اس نے ایسا کچھ دعویٰ کیا تھا۔ کیا اس کتاب میں ہماری ساری کہانی لکھی ہے؟"

"پہلے بارہ ابواب تک تو ساری کہانی درست لکھی گئی ہے جو ایڈم..... (وہ رکی) آدم بن محمد سے میں نے لکھوائی تھی۔ باقی کے تین ابواب غالباً میرے جانے کے بعد آپ نے لکھوائے تھے۔" وہ ناک سکوڑے کہہ رہی تھی۔

"تمہیں کیوں لگتا ہے کہ آخری تین ابواب میں نے لکھوائے تھے؟ میں نے تو ایسا کوئی حکم نہیں دیا۔"

"کیونکہ ان تین ابواب میں لکھے کام میں نہیں کرسکتی۔"

"کیوں؟ ان میں کیا ہوا تھا؟" وہ دلچسپی سے پوچھ رہا تھا۔

"ان میں میں سلطان مرسل سے شادی کے لیے راضی ہوگئی تھی سات شرائط کے عوض۔ اور آخری شرط یہ تھی کہ سلطان اپنے آپ کو مار دے۔ باقی چھ شرائط مزید مضحکہ خیز تھیں۔ میں کسی کو اس کی اپنی جان لینے کا نہیں کہہ سکتی' بابا۔ اس لیے جیسے بھی ہو' مجھے اس سلطان سے نجات دلائیں۔"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور سر جھکا کے تعظیم پیش کی۔

مراد نے فکرمندی سے اسے دیکھا۔

"تم واپس تو نہیں جاؤ گی' تالیہ؟" اس نے کسی خدشے کے تحت پکارا۔

وہ اداسی سے مسکرائی۔ "اگر مجھے جانا ہوتا تو میں سلطان سے نجات نہ مانگتی۔ یہاں رہنا ہے تو اس سے نجات چاہیے۔ البتہ میرے دوست.... وہ واپس جائیں گے اور آپ ان کو جانے دیں گے۔ وہ یہاں ایک شے کی تلاش میں آئے ہیں' جب وہ مل جائے گی تو وہ واپس چلے جائیں گے۔"

مراد نے ابرو اٹھا کے غور سے اسے دیکھا۔ "وہ کیا؟"

"آپ آرام کریں بابا۔ میں صبح آپ کو آدم سے ملواؤں گی اور سارے معاملے سے آگاہ کروں گی۔" جھک کے دوبارہ تعظیم پیش کی اور الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگی۔ مگر مراد راجہ ٹھوڑی کو ناخن سے کھجاتے ہوئے دلچسپی سے کچھ سوچنے لگا تھا۔

اسے وان فاتح کی باتیں یاد آئی تھیں۔

تو کیا کوئی کتاب ایسی بھی تھی.... دوسری دنیا میں.... جس میں ان سب کے انجام لکھے تھے؟ کیا اس کتاب کو حاصل کیا جا سکتا تھا؟ کیا اپنا مستقبل جان کے اس سے بچا جا سکتا تھا؟

اس کا ذہن دوسری نہج پہ سوچنے لگا تھا۔

☆☆☆

اگلی صبح قدیم ملاکہ پہ خوب روشن سی اتری۔ فجر کے قریب خوب بارش برسی اور سارے شہر کو بھگو گئی۔ پھر بادل چھٹ گئے اور سورج نے ملاکہ کو روشن کر دیا تو یوں لگا جیسے ساری کائنات کی خوبصورتی ملاکہ سلطنت میں آبسی ہو۔ سرسبز درخت..... نیلے سمندر کا سفید جھاگ اڑاتا پانی..... گھاس کے درمیان بنے اونچے نیچے بھورے راستے....

سن تھا 1577ء اور شہر تھا ملاکہ کا.....

سن باؤ کی حویلی کے سامنے گھنے درختوں کی باڑ بنی تھی جس کے پار کھلا سبزہ زار تھا۔ وہاں گھاس پہ ایڈم بن محمد چلتا آرہا تھا۔ سر پہ ٹوپی جمائے' کندھے پہ تھیلا لادے' اس نے سنہری تاروں سے بنا ویسٹ کوٹ پہن رکھا تھا جو اس کے شاہی مورخ ہونے کا پتا دیتا تھا۔

سامنے ایک درخت کے نیچے بڑے پتھر پہ وان فاتح بیٹھا تھا۔ ایڈم کو دیکھ کے اس نے ہاتھ اٹھا کے دور سے سلام کیا۔ وہ اپنے لباس سے غلام نہیں لگتا تھا۔ بس ملاکہ کا عام سا آدمی لگتا تھا۔ بال ماتھے پہ بکھرے تھے اور کرتے کی آستین کلائیوں پہ موڑ رکھی

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

تھی۔ پتھر پہ بیٹھا وہ کچھ سوچتے ہوئے ایک سوکھی ٹہنی سے تنکے الگ کر رہا تھا۔ وہ کے ایل والے وان فاتح سے کتنا مختلف نظر آتا تھا۔

"قدیم ملاکہ آ کے معلوم ہوا ہے کہ میں اس جگہ کو مس کر رہا تھا۔ حالانکہ جب میں یہاں آیا تھا تو یہاں سے بھاگ نکلنا میری اولین ترجیح تھی۔"

ایڈم اس کے ساتھ دوسرے پتھر پہ بیٹھتے ہوئے خوش گوار انداز میں بولا تو فاتح نے سنجیدگی سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"تم کب سے بیمار ہو؟"

وہ دونوں پتھروں پہ یوں بیٹھے تھے کہ درختوں کی گھنی بیلٹ کی طرف پشت تھی اور سبزہ زار کی طرف چہرہ تھا۔ سبزہ زار کافی وسیع تھی اور اس کا اختتام افق پہ چمکتے سورج پہ ہوتا تھا۔

"آپ کو ہم یاد نہیں تھے تو میں آپ کو کیسے بتاتا؟ چے تالیہ کو بھی اسی لیے نہیں بتایا کہ وہ پریشان نہ ہوں۔" مورخ سادگی سے بتانے لگا۔ "مگر اس روز جب میں ذوالکفلی کے گھر الٹے قدموں واپس آیا تو مجھے احساس ہو گیا تھا کہ وہ جڑی بوٹیاں انہوں نے میرے لیے منگوائی ہیں۔ میں ان سے ملا تو معلوم ہوا کہ داتن انہیں سب بتا چکی ہے۔ تب ہم نے مل کے یہ پلان بنایا جو کہ دراصل چے تالیہ کا ہی پلان تھا کہ ذوالکفلی سے کسی طرح چابی لے کر مراد راجہ کے پاس واپس جایا جائے۔ وقت نے پیچھے سے رک ہی جانا تھا اس لیے ہم جانتے تھے کہ ہم کچھ نہیں کھوئیں گے اور کسی کو علم ہونے سے پہلے واپس آ جائیں گے۔"

"اور یہ بیماری .... یہ کتنی شدید ہے؟" وہ افسوس سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"پتا نہیں۔" ایڈم نے افق پہ نظر آتے سورج کو دیکھ کے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے کندھے اچکائے۔ "میں یہاں سے گیا تو بالکل ٹھیک تھا۔ مگر جب سے وہ سائمن کے حملہ آوروں نے مجھے ہسپتال پہنچایا تھا' اس کے بعد سے مجھے مسئلے رہنے لگے تھے۔ میں نے ٹیسٹ کروائے تو معلوم ہوا کہ کینسر نہیں ہے مگر کوئی ٹیومر ہے جو جگہیں بدل رہا ہے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ یہ قدیم ملاکہ کا کوئی آسیب ہے۔ کوئی بددعا اور پھر داتن کی کتابوں نے اس وہم کی تصدیق کر دی۔"

"اور اب؟ اب تم کیسے ہو؟"

ایڈم دھیرے سے مسکرایا۔ "میں ٹھیک ہوں۔ یعنی ذرا سی طبیعت خراب ہو جاتی ہے کبھی کبھی مگر ابھی بیماری اولین اسٹیج پہ ہے۔ عجیب بیماری ہے جو بڑھ نہیں رہی۔ رکی ہوئی ہے۔ سائمن کی وجہ سے جب میں ہسپتال پہنچا تھا اس کے فوراً بعد یہ جس طرح شروع ہوئی تھی' اب بھی ویسی ہی ہے۔"

"یعنی یہ بیماری وقت کے ساتھ پروگریس نہیں کر رہی۔"

"نہیں۔ حالانکہ بیماریاں پروگریس کرتی ہیں یا کم ہو جاتی ہیں۔ مگر یہ بیماری رکی ہوئی ہے اسی لیے تو کسی کو معلوم نہیں ہو پایا کہ میں بیمار ہوں۔" مسکرا کے کہتے ایڈم نے گردن موڑ کے اسے دیکھا اور پھر پوچھا۔

"کیا آپ نے واقعی استعفیٰ دے دیا ہے؟"

"ہاں۔ اور آج صبح کارمن اسے جمع بھی کروا دے گی۔"

"غلط سر۔ جدید دنیا میں وقت رکا ہوا ہے۔ ہمارے واپس جانے کے بعد وہ چلے گا۔ یعنی ابھی کارمن نے آپ کا استعفیٰ نہیں جمع کروایا۔ واپس جانے کے بعد بھی آپ کے پاس وقت ہو گا اس فیصلے کو واپس لینے کا۔"

"نہیں ایڈم۔ میں خود کو اس عہدے کا اہل نہیں سمجھتا۔" وہ سر جھکا کے تنکے سے پتے الگ کرنے لگا۔

"وہ آپ کا سب سے بڑا خواب تھا۔ آپ اس سے کیسے دستبردار ہو سکتے ہیں۔"

"مگر میں نے اخلاقی معیار بہت اونچے بنا لیے تھے اور میں خود ان پہ پورا نہیں اتر سکا۔ میں اب

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

اس معیار کو اپنے لیے بدل نہیں سکتا۔ میں اس کو پورا نہ کرنے کی سزا کاٹنا چاہتا ہوں۔ میرے لیے بہترین فیصلہ یہی تھا اس لیے میری یادداشت واپس آ گئی۔"

"نہیں سر۔ وقت کے سوال حل کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ فیصلہ بہترین تھا۔ ان سوالوں کا مطلب یہ تھا کہ آپ کو خود معلوم ہو جائے کہ آپ نے جو فیصلہ کرنا ہے' اسے کل پہ ٹالنے کے بجائے آج کرنا بہتر ہے۔ اگر آپ کوئی اور فیصلہ کرتے اور درست وقت پہ کرتے' تب بھی آپ کی یادداشت واپس آ جاتی۔ مگر.... خیر.... واپس جا کے....."

"ایڈم تمہیں اتنا یقین کیوں ہے کہ ہم واپس جائیں گے؟"

ایڈم لمحے بھر کو چپ ہوا۔ "کیونکہ ہم نے میری دوا لے کر واپس ہی جانا ہے۔"

"اچھا کیسے؟"

"چے تالیہ کے پاس پلان ہوگا۔ ان کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔"

فاتح چند لمحے افسوس سے اسے دیکھتا رہا۔ "وہ واپس نہیں جائے گی۔"

ایڈم حیران ہوا۔ "وہ واپس جانے کے لیے ہی آئی ہیں۔"

"وہ جس طرح کل اپنے سپاہیوں کو حکم دیتی باہر نکلی تھی' اس سے مجھے نہیں لگتا کہ وہ واپس جانے کے لیے آئی ہے۔"

"وہ کون گرل ہیں' سر۔ وہ ان سب کو کون کر رہی ہیں۔ ظاہر ہے اپنے بابا کو وہ یہی تاثر دیں گی کہ وہ یہاں رہنے آئی ہیں ورنہ وہ ہمیں چابی نہیں دیں گے اور....."

"ایڈم..... وہ کسی کو کون نہیں کر رہی۔ وہ واپس نہیں جانا چاہتی۔"

"میں ان کو جانتا ہوں۔ وہ....."

"تم اس کو جانتے ہو مگر اس کو بھولا میں بھی نہیں ہوں۔ ٹھیک ہے کہ اس نے زہر نہیں کھایا تھا مگر وہ ہماری دنیا سے مایوس ہو چکی تھی۔ اس نے اپنی "اُس" زندگی کو ختم کر دیا ہے اور وہ "اِس" زندگی میں واپس آ گئی ہے۔ اگر مجھے یہ یقین نہ ہوتا تو میں کبھی تمہارے ساتھ یہاں نہ آتا۔"

ایک دم ٹھنڈی ہوا کا تیز جھونکا آیا جس نے ایڈم کو چونکا دیا۔ اس نے جواب نہیں دیا۔ وہ کھڑا ہو گیا۔

سامنے سبزہ زار پہ وہ چلی آ رہی تھی۔ اپنی بگھی اس نے دور رکوا دی تھی اور سپاہیوں اور کنیزوں کو وہیں کھڑا کیے' وہ خود تنہا ان کی طرف آ رہی تھی۔ کامدار لباس دونوں پہلوؤں سے اٹھائے' سر پہ تاج سجائے' وہ ماتھے پہ سلوٹیں ڈالے' سنجیدہ نظر آتی تھی۔ ایڈم نے جھک کے سلام کیا۔ "شہزادی۔"

فاتح البتہ بے نیازی سے بیٹھا تنکے توڑتا رہا۔ پھر گردن اٹھا کے دھوپ کے باعث آنکھیں چندھیا کے اسے دیکھا اور سر کو ہلکا سا خم دیا۔ "تالیہ! کیسی ہو؟"

انداز گستاخانہ تھا۔ شہزادی نے تندہی سے گستاخ غلام کو دیکھا مگر پھر ضبط کر گئی۔ اس کو تو وہ گستاخی کی سزا بھی نہیں دے سکتی تھی۔

"تم کہاں تھے؟ تمہیں بابا سے ملوانا ہے۔ چلو میرے ساتھ۔" وہ اسے نظر انداز کر کے ایڈم سے کہنے لگی۔

"کیا تم صرف اپنے مورخ کو ڈھونڈنے یہاں تک آئی ہو؟" پتھر پہ بیٹھے شخص نے دلچسپی سے اسے دیکھ کے پوچھا تو تالیہ نے ایک سنجیدہ نظر اس پہ ڈالی۔

"نہیں۔ میں آپ کو یہ دینے آئی تھی۔" لباس سے ایک پوٹلی نکالی اور پتھر پہ اس کے ساتھ رکھی۔ اندر سے سونے کے سکوں کے کھنکنے کی آواز آئی تھی۔ "یہ رقم چند دن آپ کے لیے کافی ہوگی۔ آپ کسی قریبی شہر چلے جائیں۔ کسی سرائے میں رک جائیں اور چند دن ہم سے بالکل دور انتظار کریں۔"

"تمہیں میری اتنی فکر کب سے ہونے لگی؟"

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

وہ اسی سادگی سے گردن اٹھائے شہزادی کو دیکھ رہا تھا۔

"وان فاتح۔" وہ ضبط سے دانت جما کے بولی۔ "آپ ملاکہ میں بہت سے دشمن بنا کے گئے تھے۔ ملکہ' سن باؤ' اور میرے بابا..... سب آپ کے دشمن ہیں۔ آپ کے لیے بہتر یہ ہے کہ ہم سے دور چلے جائیں۔ جب ایڈم کو دوا مل جائے گی تو آپ اس کے ساتھ واپس چلے جایئے گا۔"

ایڈم نے ٹھہر کے اسے دیکھا۔ "میرے ساتھ؟ اور آپ؟"

تالیہ نے گہری سانس لی اور نظریں اٹھا کے اسے دیکھا جو ایک دم پریشان نظر آنے لگا تھا۔

"ایڈم..... میری بات سنو۔"

"نہیں چے تالیہ۔ ہماری یہی بات ہوئی تھی کہ ہم اکٹھے واپس جائیں گے۔ آپ نے کہا تھا کہ آپ کے پاس پلان ہے۔"

"یہی پلان ہے' ایڈم۔"

مگر ایڈم نے نفی میں سر ہلاتے دور بگھی کے ساتھ کھڑے سپاہیوں کو دیکھا اور انگریزی میں بولا۔

"آپ اپنے باپ کو کون کر رہی ہیں۔ یقیناً سپاہی ان کو رپورٹ کریں گے اس لیے آپ یہ تاثر دے رہی ہیں کہ....." بولتے بولتے اسے احساس ہوا کہ وہ جو کہہ رہا ہے اسے خود بھی اس پہ یقین نہیں ہے۔ اس کے سارے الفاظ ختم ہو گئے۔ وہ اس سب کے لیے تیار نہ تھا۔

"چے تالیہ۔ آپ یہاں نہیں رہ سکتیں۔"

"یہ میرا گھر ہے' ایڈم۔ یہاں میرے بابا رہتے ہیں اور وہ مجھے ویسے ہی عزیز ہیں جیسے تمہیں تمہارے ماں باپ۔ تم ان کے پاس جانا چاہتے ہو واپس اور میں اپنے بابا کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔"

"مگر..... آپ نے مجھے یہ پہلے کیوں نہیں بتایا؟ میں آپ کو کبھی یہاں نہ آنے دیتا۔"

"ہم اس بارے میں بعد میں بات کریں گے۔ ابھی تم میرے ساتھ چلو۔" اور ایک سنجیدہ نظر وان فاتح پہ ڈالی جو بنا تاثر ——— دونوں کو آمنے سامنے کھڑا دیکھ رہا تھا۔

"اور آپ..... آپ پلیز ہم سب سے دور رہیں۔ مراد راجہ کو بھنک بھی نہیں پڑنی چاہیے کہ آپ کہاں ہیں۔"

"حکم ہے یا مشورہ؟"

"حکم ہی سمجھیے۔" وہ ضبط سے بولی تو وان فاتح نے پوٹلی اٹھالی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"جیسے آپ کا حکم' شہزادی۔" مگر گردن نہیں جھکائی۔ اسے دیکھتا رہا۔ وہ ماتھے پہ بل ڈالے مڑ گئی تو الجھا الجھا ایڈم اس کے پیچھے چل دیا۔

وہ دونوں اب دور کھڑی بگھی تک جاتے دکھائی دے رہے تھے اور فاتح وہیں کھڑا ان کو سوچتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ پوٹلی کے اندر چھپے سکے انگلیوں میں چبھتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

☆☆☆

بندا ہارا کے محل کے کتب خانے کے باہر اس صبح دو پہریدار کھڑے تھے۔ مراد راجہ اپنے مصاحبوں کی ہمراہی میں چلتا دروازے تک آیا تو پہریدار فوراً چوکس ہوئے۔ ایک نے سر جھکا کے تعظیم پیش کی۔ دوسرے نے بڑھ کے دروازہ کھولا۔

مراد ہاتھ پیچھے باندھے' اکڑے کندھوں پہ شاہی قبا پہنے' سپاٹ تاثرات کے ساتھ چلتا اندر آیا۔ مصاحب باہر ٹھہر گئے۔

کتب خانے کے اندر ایڈم کرسی پہ بیٹھا تھا اور تالیہ دائیں بائیں منتظر سی ٹہل رہی تھی۔ مراد اندر آیا اور دروازہ پیچھے سے بند ہوا تو دونوں نے اسے دیکھا۔ ایڈم ہڑبڑا کے اٹھ گیا۔ اور وہ سیدھی مراد کی طرف آئی۔

"بابا..... یہ آدم بن محمد ہے۔" وہ مراد کا بازو تھامے دھیمی آواز میں تعارف کروا رہی تھی۔ "اتنے مہینے سے آپ اس کو شاہی مورخ کے طور پہ جانتے آئے ہیں مگر دراصل ایڈم میرا دوست ہے۔ میرے ساتھ میری دنیا....." رکی اور تصحیح کی۔ "یہ میرے

Waqar Azeem
www.pdfbooksfree.pk

ساتھ مستقبل کے زمانے سے آیا ہے۔"

"ہوں۔" مراد نے چمکتی ہوئی آنکھیں اس پہ مرکوز کیے اسے سر سے پیر تک دیکھا۔ وہ چپ کھڑا لب کاٹتا رہا۔

"کیا اس کو وہ زمانہ یاد ہے جو اس نے یہاں گزارا تھا۔" جھجکتے لہجے میں پوچھا۔

"جی بالکل۔" ایڈم نے فوراً جواب دیا۔ راجہ نے اسے گھورا۔

"مگر لگتا تو نہیں کہ تمہیں شاہی آداب یاد ہیں۔"

ایڈم بن محمد نے ہڑبڑا کے سر جھکایا۔ "راجہ!" اور پھر گردن واپس اٹھائی۔ وہ تالیہ کی باتوں پہ ایسا الجھا تھا کہ اتنی اہم بات بھول گیا۔ وہ 2017 کے جنوری سے واپس آیا تھا اور یہاں وہ کوئی سلیبریٹی رپورٹر نہ تھا۔ اسے بات بات پہ ان دنیاوی خداؤں کے سامنے سر جھکانا تھا۔

"ہوں۔ مسئلہ کیا ہے؟" مراد راجہ عام سے انداز میں کہتا میز تک آیا اور اس کے کونے پہ بیٹھا' پھر ایک گھٹنے پہ ہاتھ رکھے پوری توجہ سے ایڈم کو دیکھا۔

"اس نے وہ پانی نہیں پیا تھا۔" تالیہ اس کے پہلو میں آ کھڑی ہوئی اور بتانے لگی۔ "جس کی وجہ سے یہ ایک عجیب و غریب بیماری کا شکار ہو چکا ہے۔ بظاہر سرطان جیسی یہ بیماری ہمارے زمانے میں ناقابلِ علاج ہے اور اس کا حل ذوالکفلی کی کتابوں میں نہیں ملتا۔ لیکن....." وہ کھنکھاری۔ "میں نے پڑھا تھا کہ وقت کے اس مرض کا علاج تاریخ میں صرف ایک شکار باز نے کیا تھا جو کہ آپ ہیں۔ اس لیے میں ایڈم کو آپ کے پاس لائی ہوں۔ آپ اسے اس کی دوا دیں تاکہ یہ رخصت ہو سکے۔"

ایڈم نے صرف اپنے رخصت ہونے کی بات پہ زخمی نظروں سے تالیہ کو دیکھا مگر مراد کی موجودگی کے باعث چپ کر کے رہ گیا۔ وہ بھی نگاہ چرا کے رہ گئی۔

"تم نے وقت کے ساتھ دھوکا کیا ہے' مورخ۔" مراد راجہ سنجیدگی سے اسے دیکھ کے کہنے لگا۔ "پانی کسی اور نے پیا' چابی کسی اور نے گھمائی اور ساتھ تم آ گئے۔ وقت اپنے آپ سے دھوکا کرنے والوں کو سزا ضرور دیتا ہے۔"

"میں "وقت" سے معافی مانگنے کے لیے تیار ہوں۔" وہ جل کے زیرِ لب بولا مگر تالیہ کے گھورنے پہ چپ ہو گیا۔ پھر کھنکھارا۔ "میں نے یہ جان بوجھ کے....."

"تمہیں اس کے اثرات کب محسوس ہوئے تھے؟" راجہ نے بات کاٹی تو وہ سوچنے لگا۔

"جب میں ایک دفعہ زخمی ہو کے ہسپتال پہنچا تھا تو....."

"تمہارا خون بہا تھا؟"

"کچھ خاص نہیں مگر..... بعد میں شہزادی صاحبہ نے چاقو سے مجھے یہاں (بازو پہ ہاتھ رکھا) زخم دیا تھا جس کے باعث....."

"کتنا خون بہا تھا؟ ایک گھونٹ سے زیادہ؟" راجہ دوبدو سوال کر رہا تھا۔

"معاف کیجیے گا۔ مجھے ناپنے کا ہوش نہ تھا مگر اتنا تو بہا ہوگا۔"

"وقت کے چکر کو دھوکا دینے کے بعد تمہارے پاس تین مواقع تھے۔ پہلا تم نے ضائع کر دیا۔" راجہ نے افسوس سے سر ہلایا۔ "کیا دوبارہ بھی تم کبھی زخمی ہوئے؟"

"جی۔ ایک دفعہ کچھ دن قبل مگر چند خراشیں آئیں صرف۔" وہ سمجھا نہیں تھا۔

"چند خراشوں کی خیر ہے۔ یعنی ابھی تک تمہارا صرف ایک موقع ضائع ہوا ہے۔" راجہ حساب لگا رہا تھا۔ "وقت کے چکر سے نکل کے تمہیں صرف ایک بات کا خیال رکھنا تھا آدم بن محمد..... کہ کسی بھی صورت میں تمہارا خون نہیں بہنا چاہیے۔ پہلی دفعہ جب وہ بہا..... ایک گھونٹ سے زیادہ۔ تو تمہارا ایک موقع ضائع ہو گیا۔ تم بیمار ہو گئے مگر تم نے محسوس کیا

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

ہوگا کہ تمہاری بیماری بڑھی نہیں کیونکہ تمہارے پاس ابھی دو مواقع موجود ہیں۔"

"اوہ۔ اسی لیے ایڈم کی بیماری بڑھ نہیں رہی کیونکہ یہ دوبارہ زخمی نہیں ہوا۔" وہ چونکی۔

"ہاں۔ اس کے پاس زیادہ سے زیادہ ایک سال کا وقت ہے۔ لیکن اس دوران اگر یہ دوسری دفعہ زخمی ہوا تو اس کی بیماری خطرناک حد تک بڑھ جائے گی۔ دوسری بار خون بہنے کے ایک ماہ کے اندر یہ مرجائے گا۔ اور اگر اس کا تیسری دفعہ خون بہہ گیا تو یہ ایک ماہ سے پہلے اسی وقت مرجائے گا جب اس کا خون بہے گا۔ اس لیے..... جب تک تمہارا علاج نہیں ہوتا۔ تمہیں اپنا خون نہیں بہنے دینا۔"

ایڈم کی رنگت فق ہوچکی تھی۔ اس نے بازو سینے پہ لپیٹ لیے گویا خود کو محفوظ کرنا چاہا۔ وہ کسی ویڈیو گیم کی طرح تین باریوں کا محتاج ہوچکا تھا۔ ایک باری ضائع ہوچکی تھی اور دو باقی تھیں۔

"تو اب..... اب ایڈم کی بیماری اسی طرح چلتی رہے گی؟"

"ہاں۔ یہ اسے آہستہ آہستہ کھوکھلا کردے گی اور ایک سال تک علاج نہ ہوا تو یہ اسے ماردے گی۔" اب کے قدرے نرمی سے تنبیہ کی۔ "لیکن اگر اس کا دوسری دفعہ خون نہ بہے۔ ورنہ....."

"سمجھ گیا۔ دوسرا موقع ضائع ہونے سے میں ایک ماہ میں مرجاؤں گا۔" وہ جل کے بولا۔

"ہوں۔" مراد راجہ خاموش ہوگیا اور بس اسے گھورے گیا۔ تالیہ کھنکھاری۔

"مگر بابا..... ہمیں ایک برس انتظار نہیں کرنا۔ آپ کے پاس دوا ہے' آپ اسے وہ دیں اور اس کو صحت مند کردیں۔"

مراد نے گردن موڑ کے ساتھ کھڑی تالیہ کو دیکھا۔ "میرے پاس کوئی دوا نہیں ہے۔"

لمحے بھر کے لیے قدیم کتب خانے میں سناٹا چھا گیا۔ وہ کچھ بول نہ سکی۔

"مگر کتابوں میں لکھا ہے کہ آپ نے ایک مریض کا علاج کیا تھا۔ اور....."

"میں نے کسی ایسے مریض کا علاج نہیں کیا۔ میں نے صرف اس مرض کے بارے میں پڑھا ہے۔"

"یعنی وہ مریض میں تھا۔" ایڈم آہستہ سے بولا تو تالیہ نے چونک کے اسے دیکھا۔

"وہ مریض میں ہوں گا۔ وہ کتاب بعد میں لکھی گئی ہوگی۔" پھر اس نے اداسی سے تالیہ کو دیکھا۔ "وہ مریض زندہ رہا تھا یا مرگیا تھا؟"

"وہاں تو....." وہ ہکلائی۔ "لکھا تھا کہ اسے شفا ملی تھی..... مگر....." اس نے مراد کو دیکھا۔ "معلوم نہیں وہ کسی سے لکھوایا گیا تھا یا واقعی شفا ملی تھی۔"

تاریخ رقم کرنے والوں پہ اب ان دونوں کو اعتبار نہ رہا تھا۔

"مگر..... کوئی تو حل ہوگا' بابا؟" وہ پریشانی سے بولی۔ سر چکرانے لگا تھا۔ وقت کے چکر میں ایک دفعہ پھر سے پھنسنے کے بعد سب کچھ بے معنی لگنے لگا تھا۔

"میرے پاس اس بیماری کے علاج کا نسخہ ہے۔"

تالیہ کا چہرہ دمک اٹھا مگر راجہ کے اگلے الفاظ نے اس پہ گھڑوں پانی ڈال دیا۔

"مگر اس نسخے میں موجود اشیائے ترکیبی ڈھونڈنا ناممکن ہیں۔ وہ کم از کم ملاکہ میں موجود نہیں ہیں۔ وہ جڑی بوٹیاں دنیا میں کہاں سے ملیں گی..... یہ میں نہیں جانتا۔ مگر میں تمہیں وہ نسخہ دے سکتا ہوں۔" اس نے کھڑے ہوتے ہوئے سنجیدگی سے ایڈم کو دیکھا۔ "تم اپنی دوا خود ڈھونڈو۔ تم وہ چیزیں لے آؤ تو میں تمہیں دوا بنادوں گا۔ میرے ملازم اور سپاہی تمہاری مدد کریں گے۔ مگر میرے پاس ان کی تلاش میں نکلنے کا وقت نہیں ہے۔"

ایڈم نے جلدی سے اثبات میں سر ہلادیا۔

"میں تلاش کرلوں گا۔ آپ مجھے نسخہ دے دیں۔"

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

"جی بابا۔ ایڈم تلاش کرلے گا اور ساتھ میں آپ کے سپاہی بھی ہماری مدد کریں گے۔ اور پھر..... ہمارے پاس ایک سال ہے۔" اسے کچھ تسلی ہوئی تھی۔

مراد راجہ کتابوں کے ریک کی طرف بڑھ گیا تو تالیہ نے فکرمندی سے اسے دیکھا جو اپنے بازو کو دیکھ رہا تھا۔

"میری وجہ سے تمہارا خون بہا۔ میں وہ نہ کرتی تو....." وہ شدت درد سے چپ ہوگئی۔ ایڈم نے آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا اور اداسی سے مسکرایا۔

"اگر آپ کو الزام دینا ہو تو آپ کے اوپر میرے بہت سے قصور نکلتے ہیں' چے تالیہ۔ مگر نہیں..... آپ کا کوئی قصور نہیں ہے۔"

اس کی بات پہ تالیہ نے ابرو بھینچ کے اسے دیکھا۔ "تمہیں وقت کے چکر میں پھنسانے اور تمہارا خون ضائع کروانے کے علاوہ میرا کیا قصور؟"

اس نے جواب نہیں دیا۔ چہرہ موڑ کے راجہ کو دیکھنے لگا جو ایک کتاب کو کھولے کچھ پڑھ رہا تھا۔ پھر ایک صفحے پہ آکے وہ رکا اور ان کی طرف آیا۔

"یہ وہ تمام اشیائے ترکیبی ہیں جو اس دوا کے لیے استعمال ہونے ہیں۔" سنجیدگی سے کتاب اس کی طرف بڑھائی۔ ایڈم نے تیزی سے اسے تھاما۔ ایک صفحے پہ کوئی درجن بھر چیزیں لکھی تھیں۔

"یہ کہاں سے ملیں گی؟" وہ تحیّر سے ان کو پڑھے گیا۔ یہ بہت عجیب وغریب اشیاء تھیں۔

"یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔ تمہارے پاس ایک برس ہے' آدم بن محمد۔ تم ان کو ڈھونڈ لاؤ تو میں تمہیں دوا بنا دوں گا۔"

ایڈم نے صفحے پلٹائے۔ "دوا بنانے کی ترکیب یہاں نہیں لکھی۔" پھر سر اٹھا کے راجہ کو دیکھا جو اسے سپاٹ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"ترکیب یہاں ہے۔" راجہ نے انگلی سے اپنی کنپٹی پہ دستک دی۔ "یہ دوا دراصل چند دوسرے امراض کے لیے ہے مگر میں جانتا ہوں کہ اسے ایک خاص طریقے سے بنایا جائے تو تمہارے مرض کا حل مل سکتا ہے۔ ویسے بھی ایک سال کا عرصہ کافی ہے۔"

کمر پہ ہاتھ باندھے مراد راجہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ تو تالیہ نے جلدی سے کتاب لی' اور اسے میز پہ رکھا۔ پھر ایک قلم دوات میں ڈبو ڈبو کے تمام اشیائے ترکیبی کو ایک خالی صفحے پہ اتارنے لگی۔

"ہم دونوں اپنے اپنے طور پہ ان کو ڈھونڈیں گے۔ تم ان کتابوں میں ان علاقوں کو تلاش کرو جہاں یہ دستیاب ہوں گی۔ اور میں پوری سلطنت میں ان کو ڈھونڈنے کے لیے سپاہی دوڑاتی ہوں۔" اس نے اپنا نقل شدہ کاغذ اٹھایا جس کی سیاہی گیلی تھی اور اسے ہوا میں جھلایا۔ پھر ایڈم کو دیکھا اور یقین دہانی کروائی۔

"ہمارے پاس ایک سال ہے' ایڈم۔ ہمارے پیچھے وقت نہیں گزرے گا۔ تم واپس اسی لمحے میں جا سکو گے۔"

"اور آپ؟" اس نے گلہ آمیز نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ دونوں خاموش کتب خانے میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ تاج پہنے کھڑی شہزادی نے سر جھکا دیا۔

"میں دوبارہ جیل نہیں جانا چاہتی۔ میں یہاں خوش ہوں' آزاد ہوں۔ میرے بابا مجھ سے پیار کرتے ہیں۔ میں ان کے ساتھ خوش رہوں گی۔"

"آپ بنداہارا کے اونچے محل پہ لعنت بھیج کے یہاں سے گئی تھیں' چے تالیہ۔"

"تب میں اپنے بابا کو ایک ولن سمجھتی تھی مگر اب..... اب مجھے وہ تمام ماہ وسال یاد آگئے ہیں جو میں نے ان کے ساتھ گزارے تھے۔" اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ ایڈم کو کس طرح سمجھائے۔ "وہ میرے بابا ہیں۔ ہم نے ایک زمانہ ساتھ گزارا ہے۔ وہ برے انسان نہیں ہیں۔ ہمارے درمیان صرف وقت حائل ہوگیا تھا۔ اور اب....." وہ نم آنکھوں سے مسکرائی۔ "وہ مجھے واپس مل گئے ہیں۔ دیکھو..... وہ بنا کسی شرط' بنا کسی بدلے کے تمہاری مدد

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

کے لیے تیار ہیں۔ تمہیں یہ ماننا پڑے گا کہ وہ مجھ سے پیار کرتے ہیں اور میرے لیے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ اور وہ اتنے برے نہیں ہیں جتنا ہم ان کو سمجھتے تھے۔"

ایڈم نے بس اثبات میں سر ہلا دیا۔ فی الحال اس کے پاس مزید کچھ کہنے کو نہ تھا۔

وہ چلی گئی تو وہ کتب خانے کی ایک کھڑکی کے ساتھ آ بیٹھا اور میز پہ کہنیاں رکھ کے وہ کتاب پڑھنے لگا۔ ایک سال..... ایک سال میں تو دنیا بدل سکتی تھی۔ یہ عجیب و غریب اشیاء ترکیبی بھی اس کو مل سکتے تھے۔ وہ خود کو امید دلانے لگا۔

ابھی چند ساعتیں ہی گزری تھیں کہ ایک سپاہی اندر داخل ہوا۔

"شاہی مورخ..... شہزادی تاشہ نے آپ کو محل میں بلوایا ہے۔ شاہی طبیب آپ کے معائنے کے لیے آ چکا ہے۔"

ایڈم نے گہری سانس لی۔ کتاب رکھی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اب وہ محل میں شاہی مہمان کا درجہ حاصل کر چکا تھا۔

کتب خانے سے محل تک جاتے ہوئے وہ ایک ایک جھاڑی، ایک ایک کانٹے سے بچ کے گزر رہا تھا۔ اسے ایک سال تک اپنا خون نہیں بہنے دینا تھا۔ ایک قطرہ بھی نہیں۔

محل کے اندر جس کمرے میں شاہی طبیب اس کا منتظر تھا وہ ایک خالی دیوان خانہ تھا جس میں چند مسہریاں سجی تھیں اور وسط میں فرشی نشست تھی۔ ایڈم اندر داخل ہوا تو دیکھا..... فرشی نشست پہ ایک طبیب دو زانو بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے طشت میں آلات جراحی، دھاگے اور چند دوائیاں سجی تھیں۔

"آؤ، آدم!" آواز پہ وہ چونکا۔ کھڑکی کے ساتھ مراد راجہ کھڑا تھا۔ کمر پہ ہاتھ باندھے، وہ دوستانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ ایڈم نے اردگرد نظریں دوڑائیں۔

"شہزادی تاشہ؟"

"وہ اس دوا کی نقول تیار کر کے مختلف شہروں میں قاصد بھیجنے میں لگی ہے۔ تب تک طبیب تمہارا زخم بھر دے گا۔" مراد راجہ چھوٹے قدم اٹھاتا قریب آ رہا تھا۔

"مگر میرا زخم تو عرصہ ہوا بھر چکا ہے۔"

راجہ اس کے عین مقابل آ کے رکا اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ "تم جانتے ہو اگلے ایک سال تک اس محل میں کیا ہوگا؟ شہزادی تاشہ دن رات تمہاری دوا ڈھونڈنے میں لگی رہے گی۔ پورا ایک سال وہ کسی دوسری طرف توجہ نہیں دے گی اور یہ میرے لیے قابلِ قبول نہیں ہے۔"

ایڈم کو یک دم احساس ہوا کہ کوئی اس کے پیچھے کھڑا ہے۔ اس سے قبل کہ وہ مڑتا، پیچھے کھڑے سپاہی نے ایک نوک دار خنجر اس کے پہلو میں گھسا دیا تھا۔ درد کی ناقابلِ برداشت لہر جسم میں اٹھی۔ وہ کراہ بھی نہ سکا اور زمین پہ بیٹھتا چلا گیا۔

سپاہی نے کھینچ کے خنجر نکال لیا۔ خون بھل بھل گرنے لگا۔ وہ گرتے گرتے اٹھنے لگا، اس سپاہی پہ جوابی حملہ کرنے کے لیے.... مگر فرش پہ گرتے خون کو دیکھ کے.... اس کے ہاتھ پیچھے کو بڑھے۔ اس نے اپنے زخم کو ڈھانکنا چاہا۔ خون بہنے سے روکنا چاہا.... مگر ہاتھ رنگین ہوتے گئے..... سرخ پانی سا خون فرش پہ ندی کی طرح بہتا گیا.... وہ ایک گھونٹ سے کہیں زیادہ تھا.....

ایڈم کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ خنجر پہ کوئی دوا بھی لگی تھی۔ جس سے وہ غنودگی میں جا رہا تھا۔ بمشکل اس نے آنکھیں کھول کے دیکھا۔ مراد راجہ پنجوں کے بل اس کے قریب بیٹھا مسکرا رہا تھا۔

"ایک سال تک میں تمہارے لیے اپنی بیٹی کو مصروف رکھوں؟ تم..... آدم..... تم اس کا دوسری دنیا سے واحد تعلق ہو۔ جب تک تم نہیں جاؤ گے.... وہ کبھی مجھے واپس نہیں ملے گی۔ اس لیے میں تمہیں ایک سال تک برداشت نہیں کر سکتا۔" پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ایڈم زمین پہ گرا تھا۔ اس کا چہرہ راجہ کے جوتوں

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

کے قریب تھا۔ اس نے بند ہوتی آنکھیں بدقت کھول کے اسے دیکھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

''اب تمہارے پاس ایک ماہ ہے۔ اپنی دوا تلاش کرو اور میری دنیا سے ہمیشہ کے لیے چلے جاؤ۔'' وہ غرّا کے بولا اور پھر طبیب کو اشارہ کیا۔

''اس کا زخم بھر دو.... اور جب یہ ہوش میں آجائے تو اس کو اچھا کھانے پینے کے لیے دو۔ اس کی دن رات حفاظت اور خدمت کرو کیونکہ آج کے بعد اسے اس کی ضرورت پڑے گی۔''

راجہ کے قدم اب دور جا رہے تھے۔ ایڈم بن محمد کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں، ایک آنسو دائیں آنکھ سے نکلا اور نیچے لڑھک گیا۔

اندھیرے میں ڈوبنے سے پہلے اسے صرف ایک بات یاد تھی۔

اس نے اس قدیم دنیا میں واپس آ کے بہت بڑی غلطی کر دی تھی۔

☆☆☆

بنداہارا کا اونچا محل سورج کی روشنی میں نہایا کھڑا تھا۔ وسیع سبزہ زار کے آگے پھاٹک لگا تھا جو باہر والوں کو محل آنے سے روکنے کا سبب تھا۔ پھاٹک کے آگے بل کھاتی سڑک تھی جو پہاڑی سے نیچے لے جاتی تھی۔ مراد راجہ گھوڑے پہ سوار اس وقت پھاٹک سے باہر نکل رہا تھا۔ سرخ پٹی ماتھے پہ باندھے' دھوپ کے باعث آنکھیں سکوڑے' وہ گھوڑے کو سڑک پہ ڈال رہا تھا۔ مصاحب اور مسلح سپاہی اپنے گھوڑوں پہ اس کے عقب میں محل سے باہر نکل رہے تھے۔

یہ مراد کا روزانہ کا پروٹوکول لشکر تھا جس کے ساتھ وہ سلطنت محل جایا کرتا تھا۔ آج بھی وہ ہر روز کی طرح محل سے نکلا تھا اور ابھی سڑک کے وسط میں ہی پہنچا تھا کہ ایک دم اس نے لگام کھینچی۔ آنکھوں میں طیش ابھرا اور لب بھنچ گئے۔

ایک گھڑسوار جانے کہاں سے آیا اور سڑک کے بیچ میں گھوڑا روک دیا۔

اس کا گھوڑا سیاہ تھا۔ چمکدار سیاہ۔ اور اس پہ بیٹھے آدمی کی پوشاک نفیس اور قیمتی تھی۔ اس نے سفید کرتے پاجامے کے اوپر سیاہ قبا پہن رکھی تھی اور گیلے بال دائیں طرف جما رکھے تھے۔ جوتا سنہرا اور کامدار تھا۔ غرض اپنے لباس اور سواری سے وہ کوئی رئیس معلوم ہوتا تھا۔ اس لیے سپاہیوں نے رک جانا مناسب سمجھا اور تذبذب سے اپنے راجہ کو دیکھا جس کے چہرے پہ سرخی نمودار ہوئی تھی۔

(غلام فاتح!) بنا لب ہلائے مراد نے غصیلی نظروں سے نووارد کو دیکھا تھا۔ اس کے دستے نے غالباً ابھی تک اسے پہچانا نہیں تھا۔

گھڑسوار مسکرایا اور لگام کو حرکت دی۔ گھوڑا دھیرے دھیرے ٹاپ اٹھاتا راجہ کے دائیں ہاتھ آ کھڑا ہوا یوں کہ دونوں گھوڑوں کے چہرے ایک دوسرے سے ٹکرانے والے تھے۔

''آداب' راجہ!'' فاتح نے مسکرا کے سر کو خم دیا۔ نہ گردن جھکائی نہ نظر۔

مراد کے چہرے کی سرخی بڑھنے لگی۔ کھلی فضا میں وہ دونوں پہاڑی کی بل کھاتی سڑک پہ آمنے سامنے کھڑے تھے۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' وہ دبا دبا سا غرایا۔ ''میں اپنے ملاکہ کی خبر لینے واپس آیا ہوں' راجہ۔'' فاتح نے مسکرا کے کہتے ہوئے گردن گھما کے اِدھر اُدھر دیکھا۔ دور پہاڑی سے نیچے سمندر کے بہتے پانیوں کا شور سنائی دے رہا تھا۔

''تو کیسا پایا تم نے میرے ملاکہ کو؟'' راجہ طنز سے گویا ہوا۔ باغی ہوا اس کے لمبے بالوں کو پیچھے کی طرف اڑا رہی تھی۔

''میرا ملاکہ اس سے برے حال میں ہے جس میں' میں اسے چھوڑ کے گیا تھا۔ غلام آزاد ہو گئے مگر ایک دفعہ پھر قید کر لیے گئے۔ امراء اور رؤسا اسی طرح سونے کا ڈھیر جمع کر رہے ہیں اور سلطان اپنی شادی کی تیاریوں میں مگن ہے۔''

مراد نے لگام کو حرکت دی۔ گھوڑے کو چند قدم

Nadar Azeem
www.pakistanipoint.com

آگے بڑھایا یہاں تک کہ دونوں گھوڑے ایک دوسرے کے پہلو میں ہو گئے۔ اب وہ فاتح کے زیادہ قریب تھا۔ دائیں طرف چہرہ موڑ کے تندی سے اسے گھورا۔

''میں تمہاری ہمت پہ حیران ہوں' غلام فاتح۔ تم اس سب کے بعد میرے پاس یوں اس چہرے کے ساتھ آ گئے؟ کیا تم مجھے جانتے نہیں ہو؟'' وہ اب کے قدرے اونچی آواز میں بولا۔ پیچھے کھڑے سپاہیوں کے دستے میں لہر سی دوڑی۔ محافظ چوکنے ہوئے۔ تلواروں پہ ہاتھ رکھ لیے' جیسے راجہ کے ایک حکم پہ نوارد پہ حملے کے لیے تیار ہوں۔

''ظاہر ہے میں آپ کو جانتا ہوں' راجہ۔ میں چند دن پہلے تک آپ کی قید میں تھا اور بہت مشکل سے شہزادی تاشہ نے مجھے چھڑوایا تھا۔ اس کے بعد مجھے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا بلکہ آپ سے دور بھاگنا چاہیے تھا لیکن.....''

اس نے گہری سانس لی۔ مسکراہٹ ایک پل کے لیے بھی اس کے لبوں سے جدا نہیں ہوئی تھی۔ وہ بغیر تلواریں ڈھال کے نہتا' سر اٹھائے ان کے درمیان کھڑا تھا۔

''لیکن؟''

''لیکن میں وہ جانتا ہوں جو آپ نہیں جانتے۔'' اس نے سر آگے کیا اور آہستہ سے گویا ہوا۔ ''میرے زمانے میں ایک ایسی کتاب وجود رکھتی ہے جس میں آپ سب کا مستقبل درج ہے۔''

مراد نے جواب نہیں دیا۔ بس آنکھیں چھوٹی کیے اسے گھورتا رہا۔

''میں نے آپ کو پہلے بھی بتایا تھا' راجہ۔ کہ میں آپ کے مستقبل کے بارے میں جانتا ہوں۔ کیونکہ میں نے وہ کتاب پڑھی ہے۔ اس کے آخری تین ابواب میں آپ کا مستقبل درج ہے۔''

''اور تم مجھے یہاں میرے مستقبل سے ڈرانے آئے ہو؟'' کہتے ہوئے مراد نے گردن موڑ کے سپاہیوں کو مخصوص اشارہ کیا۔ انہوں نے تلواریں نیاموں میں ڈال لیں اور ادب سے دور ہٹتے گئے یہاں تک کہ مراد اور فاتح اپنے گھوڑوں پہ تنہا رہ گئے۔

''تم نے مجھے کہا تھا' غلام فاتح' کہ میری بیٹی ایک بحری سفر پہ جائے گی اور واپس نہیں آئے گی۔ ایک المناک انجام۔'' اس نے افسوس سے سر جھٹکا۔ ''اور میرے بارے میں تم نے کہا تھا کہ مجھے بھرے چوک میں لوگوں کے سامنے.....'' وہ رکا۔

''لوگوں کے سامنے کیا؟''

''تم نے اپنی بات مکمل نہیں کی تھی لیکن شاید تم مجھے میری موت کے بارے میں بتا رہے تھے۔ میں دراصل تمہاری کہانی کا وہ ظالم کردار ہوں جس کا انجام یقیناً المناک لکھا گیا ہو گا کیونکہ مجھے اپنے اعمال سے اس سے زیادہ کی امید بھی نہیں ہے۔'' وہ تلخی سے کہہ رہا تھا۔ ''تو بتاؤ..... کیا لکھا تھا میرے انجام میں؟ مجھے بھرے چوک میں لوگوں کے سامنے کیا کیا جائے گا؟ پھانسی؟ زندہ درگور؟ یا سنگسار؟''

''جی راجہ۔ آپ نے میری بات اس دن مکمل نہیں ہونے دی تھی' اس لیے میں آج اس کو مکمل کرتا ہوں۔'' وان فاتح نے گہری سانس لے کر کہا۔ ''آپ کو بھرے چوک میں سب لوگوں کے سامنے..... تاج پہنایا جائے گا۔ آپ ملاکہ کے سلطان بن جائیں گے' مراد راجہ۔''

سمندر کا شور تھم گیا۔ ساری فضا رک گئی۔ مراد راجہ بالکل ساکت رہ گیا۔

''تم..... جھوٹ کہہ رہے ہو۔ تم نے کہا تھا کہ منصور شاہ اگلا حکمران ہو گا کیونکہ گزشتہ سلطان کے بیٹے بغاوت کریں گے اور...''

''جی۔ سلطان کے بیٹوں نے آپ کے ساتھ مل کے بغاوت کی تھی اور منصور شاہ کو حکمران بنایا تھا مگر وہ زیادہ عرصہ تخت نہیں سنبھال سکا تھا۔ آپ کو یاد ہو گا کہ میں نے کہا تھا' اس کے بعد تین چار حکمران بدلے تھے لیکن بنداہارا ایک ہی رہا تھا۔ پدوکا راجہ۔ آپ نے میری اس بات سے فرض کر لیا کہ چونکہ آپ بنداہارا نہیں ہوں گے تو اس کا مطلب ہے آپ مر چکے ہوں گے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ...''

باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ

www.paksociety.com
www.readingpoint.com

تحسین گل

پھوپھو کی دعوت

آج کل خاندان میں دعوتوں کا زور تھا۔ منجھلی تائی کی ساری فیملی عمرہ کر کے لوٹی تھی۔ لہٰذا خاندان بھر میں ان کی دعوتیں ہو رہی تھیں۔ آج بڑی تائی کے ہاں وہ لوگ مدعو تھے۔ بڑے سارے ہال میں تمام انتظامات تھے۔ بڑی تائی کی دعوتیں خاندان بھر میں مشہور تھیں۔ وجہ کھانا بہت ہی پرتکلف ہوتا تھا۔ چھ سات قسم کی ڈشیں ہوتی تھیں۔ اس کے علاوہ تکہ، سویٹ ڈش اور باقی لوازمات ہوتے تھے۔

چھوٹی تائی کئی مرتبہ ان سے کہہ چکی تھیں کہ دعوتوں پر اتنا اہتمام مت کیا کریں مگر بڑی تائی ہمیشہ سنی ان سنی کر دیتی تھیں۔ لہٰذا اب تو پورا خاندان اس چیز کا عادی تھا کہ بڑی تائی کی دعوت ہوگی اور پرتکلف ہی ہوگی۔

آج بھی ہم سب بڑی تائی کے ہاں جمع تھے۔

اللہ کے فضل و کرم سے ہمارا بھرا پُرا خاندان ہے۔ بڑی تائی ان کے دو بیٹے، منجھلی تائی ان کے دو بیٹے اور تین بیٹیاں۔ چھوٹی تائی اور ان کے تین بچے۔ پھر ہماری فیملی اور ہم پانچ بہن بھائی اور چھوٹی چچی اور ان کے دو بچے۔ ایک لڑکی ایک لڑکا..... پھر چار عدد پھپھو اور ان چاروں کے بالترتیب ایک دو، تین اور چار بچے۔

ہماری سب سے بڑی پھپھو ساہیوال کے ایک گاؤں میں بیاہی گئی ہیں۔ خیر سے کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق تھا۔ بہن بھائیوں کے پاس باقاعدگی سے آنا جانا تھا۔ مگر اسے اتفاق ہی سمجھیے ہم لوگ بہت کم کم جاتے تھے بلکہ یوں کہیں کہ سالوں گزر جاتے تھے، ہم وہاں جانہ پاتے تھے۔

اس دفعہ بھی بڑی تائی کے گھر دعوت پر بڑی پھپھو بھی مدعو تھیں۔ کھانا کھانے کے بعد جب قہوے کا دور چلا تو پھپھو نے سب کو مخاطب کر کے کہا۔

''اگلی دعوت اگلے جمعہ کو میرے گھر ہوگی۔ آج تمام لوگ جو یہاں جمع ہیں، سب میرے گھر مدعو ہوں گے۔''

منجھلی تائی فوراً بولیں۔

''آپا! اللہ کے واسطے دعوت رہنے دیں۔ دعوتوں کے پرتکلف کھانے کھا کھا کر جی اوب گیا ہے۔ اب تو میں ایک ہفتہ تک سادہ غذا کھاؤں گی۔''

پھپھو ہنس پڑیں اور بولیں۔ ''عذرا! فکر نہ کرو۔ میں تمہیں سادہ کھانا ہی کھلاؤں گی۔ اسی بہانے تم لوگ میرے گھر کا چکر بھی لگا لو گے۔ سالوں گزر گئے تم لوگوں نے میرے گھر میں جھانکا تک نہیں۔ میرا بھی دل چاہتا ہے کہ میرے بہن بھائی میرے گھر اکٹھے ہوں۔ میں جب بھی یہاں آتی ہوں، تم سب لوگ میری خاطر تواضع کرتے ہو۔ اب ایک موقع مجھے بھی دو۔''

بڑے تایا جھٹ بولے۔ ''ٹھیک ہے آپا! ڈن ہو گیا۔ اگلے جمعہ ان شاء اللہ ہم سب آپ کے گھر اکٹھے ہوں گے۔ آپ تیاریاں شروع کریں۔''

سب لوگ ہنس پڑے۔

جوان پارٹی بہت پُرجوش تھی۔ سالوں بعد

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

گاؤں کا چکر لگنے والا تھا۔ سالوں پہلے پھپھو کا گھر دیکھا تھا۔ بہت بڑا تھا۔ نجانے اب کیسا ہوگا۔ بہرحال مجھے وہاں کی ہریالی اور سبزہ آج بھی یاد تھا۔

اللہ اللہ کر کے جمعہ کا دن آیا۔ صبح صبح ہی روانگی تھی۔ دوپہر سے پہلے ہم لوگ وہاں پہنچ گئے۔ مردوں نے مسجد کی طرف دوڑ لگائی۔ ہم خواتین تمام سامان اٹھا کر پھپھو کی طرف روانہ ہوگئیں۔

پھپھو دروازے کے باہر کھڑی تھیں۔ بہت پُرجوش استقبال ہوا۔ جیسے ہی گیٹ عبور کر کے ہم گھر میں داخل ہوئے، آنکھوں میں تراوت آ گئی۔ سامنے بڑا سا لان تھا۔ جس میں آم، سیب، امرود، لیموں اور بیری کے درخت تھے۔ ایک طرف سبزیاں لگی تھیں جس میں ہر موسمی سبزی لگی تھی۔ لان عبور کر کے ہم اندر بڑے سے برآمدے میں داخل ہوئے جہاں چارپائیاں اور کرسیاں پڑی تھیں۔ سب وہاں پر براجمان ہوگئے۔

سب سے پہلے پھپھو نے روح افزا اور لیموں کے شربت سے تواضع کی۔ شربت پی کر روح میں تراوٹ آ گئی۔ سب نے دو دو گلاس پیے۔

تھوڑی دیر بعد تمام مرد حضرات نماز ادا کر کے گھر میں داخل ہوگئے۔ پھپھو نے ان کی تواضع بھی شربت سے کی۔

تھوڑی دیر بعد پھپھو کھانا لگانے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ تمام لڑکیاں پھپھو کی مدد کے لیے ان کے ساتھ اٹھ گئیں۔ بڑے سے کمرے میں زمین پر دستر خوان بچھایا گیا۔

پھپھو نے لان میں سے پودینہ، ہری مرچیں، لہسن اور ہرا دھنیا توڑا۔ پھر کونڈی میں ان کو پیسا گیا۔ اس کے بعد پھپھو نے گھر مین جمایا ہوا دہی اس چٹنی میں ملایا۔

کھانا لگانے کے بعد پھپھو نے سب کو دستر خوان پر بلایا۔

دستر خوان پر لگا کھانا دیکھ کر بڑے تایا اور چھوٹے چچا کے منہ سے واہ واہ نکلا۔ چنے کا پلاؤ تھا۔ دیسی مرغ کا سالن تھا۔ سرسوں کا ساگ، تازہ مکھن، لسی، سبزیوں کا اچار، بیسنی روٹیاں، مکئی کی روٹیاں، کھڑے مسالے والی ماش کی دال، گھر کی مولیاں، کھیرے، ٹماٹر، مسالے والی بھنڈیاں، دہی بوندی شامل تھیں۔

سب کھانا کھانے کے لیے بیٹھے اور جی بھر کھانا کھایا۔ مزے کی بات یہ ہوئی کہ طبیعت پر کوئی بوجھ بھی نہ تھا۔ بڑے تایا کھانا کھا کر بولے۔

”بڑی آپا! اللہ آپ کو خوش رکھے۔ آج آپ نے اماں کی یاد دلا دی۔ یاد ہے جب ہم چھوٹے چھوٹے تھے تو اماں اسی طرح کے کھانے بنایا کرتی تھیں اور ہم سب ان کے گرد بیٹھ کر کھانا کھایا کرتے تھے۔“

پھپھو کی آنکھوں میں نمی آ گئی، بولیں۔

”بھیا! میں نے تو بالکل سادہ سا کھانا رکھا۔ آپ سب کو پسند آیا تو میری محنت وصول ہوگئی اور آپ تمام لوگوں نے میرے گھر آ کر میری عزت

www.pakistanipoint.com

افزائی کی۔ میں اس پر بہت خوش ہوں۔ اللہ میرے بہن بھائیوں کو اور ان کی اولادوں کو ہمیشہ شاد و آباد رکھے۔ میرا بیکہ تو تم لوگوں کے دم سے ہے۔"

کھانا کھانے کے بعد ہم تمام لڑکیوں نے دستر خوان سمیٹا اور مل جل کر برتن دھوئے۔ سہ پہر کو پھپھو نے خالص دودھ کی گڑ والی چائے بنائی۔ اس کے ساتھ آلو کے پکوڑے تھے۔ سب نے چائے مزے لے کر پی۔ خالص دودھ کا ذائقہ کیسا ہوتا ہے، آج پتا چلا۔ شام کو پھپھو نے سب کو اصرار کر کے روک لیا اور بولیں۔

"آج زمانے بعد میرے گھر آئے ہو، ایک دن تو رک جاؤ۔"

بڑے تایا نے ہامی بھر لی۔ بڑے کمرے میں بستر لگائے گئے۔ مرد حضرات کو مردانے میں سلایا گیا۔ ہم عورتیں بڑے کمرے میں گدے بچھا کر سوئیں۔ پھپھو بھی ہمارے پاس لیٹ گئیں۔ دیر تک پرانی باتیں ہوتی رہیں۔ چھوٹے چچا کے لڑکے وجدان کو کہانیاں سننے کا شوق تھا، بولا۔

"پھپھو! کوئی کہانی سنائیں۔"

پھپھو نے کہانی سنانی شروع کر دی۔ ہنس ہنس کر پیٹ میں درد شروع ہو گیا۔ بیچ بیچ میں بڑی تائی اور چھوٹی چچی لقمے دیتی رہیں۔ بہت مزا آیا۔

صبح اٹھ کر لان میں آئے۔ تازہ ہوا میں سانس لی۔ روح کو تراوٹ ملی۔ ناشتے میں دیسی انڈے، حلوہ، باقر خانی اور چائے تھی۔ پھر دستر خوان بچھا، سب نے مل کر ناشتا کیا۔ تھوڑی دیر بعد بڑے تایا نے اعلان کیا۔

"سب تیاری کر لو۔ تھوڑی دیر بعد ہم نے نکلنا ہے۔"

روانگی سے پہلے پھپھو نے سب کو گھر کا اگایا ہوا ساگ، مولیاں اور شلجم دیے۔

تمام عورتوں کو ململ کے ہاتھ کے کڑھے ہوئے دوپٹے دیے۔ میں نے پھپھو سے گلے ملتے ہوئے کہا۔

"پھپھو! یہ دعوت ہمارے لیے ہمیشہ یادگار رہے گی۔ آپ نے بہت اہتمام کیا۔ ہمیں بہت مزا آیا۔ آپ بہت خوش قسمت ہیں پھپھو! اتنی خوب صورت جگہ پر رہتی ہیں۔ آپ کو خالص غذا میسر ہے، اب تو ہم ہر سال یہاں آیا کریں گے۔"

بڑی تائی اور منجھلی تائی اور چچی بھی بہت خوش تھیں، بولیں۔

"آپا! آپ نے ہماری بہت عزت افزائی کی۔ مزے مزے کے کھانے کھلائے، بہت مزا آیا۔ اللہ آپ کو خوش رکھے۔"

بڑے تایا نے گھر سے نکلتے ہوئے اعلان کیا۔

"آئندہ ہر ہم سال یہاں آیا کریں گے۔ بس شرط یہ ہے کہ آپ ہمیں ایسے ہی کھانا کھلایا کریں گی۔"

پھپھو نے کہا۔

"وعدہ۔ آپ لوگ آنے والے بنیں۔ بالکل ایسے ہی بلکہ اس سے مزے دار کھانے کھلاؤں گی، ان شاء اللہ۔"

ہم آتے وقت بہت خوش تھے۔ یہ وقت ہمارے لیے یادگار تھا۔

"بہت بہت شکریہ بڑی پھپھو! دعوتیں تو ہم کرتے رہتے ہیں اور کھاتے رہتے ہیں مگر دعوتوں کو بھی ہم نے اسٹیٹس سمبل بنا رکھا ہے۔ یہ دعوت اس لیے یادگار رہی کہ سادہ خالص خوراک تھی۔ جس میں گھر والوں کی محبت کی چاشنی گندھی ہوئی تھی۔

جن ذائقوں کو ہم بھول چکے تھے، آج زبان پر تھے۔ سب سے بڑی بات ہم اپنی ثقافت اور روایات کو بھلا کر ایک عجیب سی دوڑ میں شامل تھے۔ آج لگا کہ ہماری بھی کوئی تہذیب اور ثقافت ہے۔ ماں کے ہاتھوں کی لذت محسوس ہوئی اور خاندان جس طرح جڑ کر بیٹھا، ہنسی مذاق ہوا۔ وہ لمحات تو اب خواب ہو گئے تھے۔ آج آپ نے سب یاد دلا دیا۔ شکریہ پھپھو! شکریہ۔"

☆☆

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

میرے غم گسار تجھ سے میرا ربط مختصر ہے
تجھے موسموں کی خواہش، مجھے آندھیوں کا ڈر ہے

مری ایک ہی صدا پر سرِ بام آنے والے
تجھے آج کیا ہوا ہے تری روشنی کدھر ہے

نہ وہ رنگ دوستی کے، نہ وہ داغ بے رخی کے
کوئی زخم ہے نہ مرہم، کوئی دشت ہے نہ گھر ہے

تجھے ہم سفر مہیا، مجھے بال و پر میسّر
تجھے راہ کی طلب ہے، مجھے راہ کی خبر ہے

مرے عہد کی محبت ہے سپردگی سے غافل
نہ لحاظِ نقش پا ہے نہ طوافِ بام و در ہے

مجھے عزم بے گھری کا نہیں یوں بھی کوئی شکوہ
یہاں جس کا اپنا گھر ہے، وہ زیادہ دربدر ہے

عزم بہزاد

معمولی سا کام تھا، سوچا کتنی دیر لگے گی
ہم کو اندازہ ہی نہیں تھا، اتنی دیر لگے گی

سانس بھی رُک رُک کے چلتا ہے اپنے دیس میں یارو
کام تمہارے ہو جائیں گے، تھوڑی دیر لگے گی

کون رُکے اب اس کے در پر، شام ہوئی گھر جائیں
اتنا ضروری کام نہیں ہے، جتنی دیر لگے گی

اتنی دیر میں کچھ کے کچھ ہو جائیں گے حالات
خط لکھنے سے خط ملنے تک جتنی دیر لگے گی

مار گزیدہ کون بچا ہے ناصر شکر کرو تم
ٹھیک بھی ہو جاؤ گے لیکن خاصی دیر لگے گی

ناصر سلطان کاظمی

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

شگفتہ جاہ

رنگا رنگ پھول

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

موسیٰ بن علی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ مستورد قرشی نے کہا کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے۔

"قیامت اس وقت قائم ہوگی جب نصاریٰ سب لوگوں سے زیادہ ہوں گے۔" (یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں سے)

سیدنا عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا "دیکھ تو کیا کہتا ہے؟"

مستورد نے کہا "میں تو وہی کہتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔"

سیدنا عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا "اگر تو کہتا ہے (تو سچ ہے) کیونکہ نصاریٰ میں چار خصلتیں ہیں۔ وہ مصیبت کے وقت نہایت حوصلے والے ہیں اور مصیبت کے بعد سب سے جلدی ہوشیار ہوتے ہیں اور بھاگنے کے بعد سب سے پہلے پھر حملہ کرتے ہیں۔ اور سب لوگوں میں مسکین یتیم اور ضعیف کے لیے بہتر ہیں اور پانچویں خصلت سے جو سب لوگوں سے نہایت عمدہ ہے کہ وہ بادشاہوں کے ظلم کو روکتے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں،

ایک نوجوان نے ایک بزرگ سے پوچھا۔

"اللہ تعالیٰ اپنے نافرمان بندوں سے اپنی نعمتیں چھین لیتا ہے لیکن میں نے دیکھا سب کے پاس پہننے، اوڑھنے کو، کھانے پینے کے لیے سب کچھ موجود ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو کسی سے کچھ بھی نہیں چھینتے۔"

بزرگ مسکرائے اور پوچھا "کیا تمہاری نماز میں خشوع و خضوع ہے؟"

نوجوان بولا "نہیں۔"

"کیا قرآن کی تلاوت کرتے وقت لذت محسوس ہوتی ہے؟"

نوجوان بولا "نہیں۔"

"کیا پانچ وقت کی نماز پابندی سے پڑھتے ہو؟"

نوجوان بولا "نہیں۔"

"کیا نیکی کرنے کی طرف دھیان جاتا ہے؟"

نوجوان بولا "نہیں۔"

"کیا زبان اللہ کے ذکر کی عادی ہے؟"

نوجوان بولا "نہیں۔"

تب بزرگ نے جواب دیا "یہی اللہ کی وہ نعمتیں ہیں جنہیں وہ اپنے نافرمانوں سے چھین لیتا ہے۔"

فریا گل پاکستانی

خیال کے پھول،

- اللہ تعالیٰ ہر طائر کو رزق دیتا ہے مگر اس کے گھونسلے میں نہیں ڈالتا۔
- نظر نہ آنے والی چیز پر یقین ایمان ہے۔ اس کا صلہ یہ ہے کہ وہ چیز نظر آنے لگتی ہے۔
- محبت اور عداوت کبھی پوشیدہ نہیں رہتی۔
- مارنا ہے تو جڑ پر مارو، شاخیں خود بخود گر جائیں گی۔
- طنز عینک کی مانند ہے جس کے ذریعے اپنے چہرے کے سوا ہر چیز نظر آتی ہے۔
- عقل مند آدمی کے دماغ میں ایک گوشہ ہے جہاں بے وقوفی رہتی ہے۔

www.pakistanipoint.com
Waqar Azeem

⊙ ہر ایک کی سن کر اپنا فیصلہ محفوظ رکھنے والا عقل مند ہے۔
گرہا راجپوت ۔ جاتری شریف

بلا عنوان

ایک دفعہ ایک آدمی نیویارک کے مرکزی پارک میں ٹہل رہا تھا کہ اچانک اس نے ایک کتے کو ایک چھوٹی بچی پر حملہ کرتے دیکھا۔ وہ اس طرف دوڑنے لگا اور کتے کو مارنے لگا۔ آخر کار وہ کتے کو مار کر بچی کو بچانے میں کامیاب ہو گیا۔

ایک پولیس والا جو یہ واقعہ بڑے غور سے سن رہا تھا۔ اس کے پاس آیا اور بولا۔

"تم ایک ہیرو ہو۔ کل تم سارے اخباروں میں یہ خبر پڑھو گے کہ ایک بہادر عورت نے ایک چھوٹی سی بچی کی جان بچائی۔"

"مگر میں نیویارکر نہیں ہوں۔" آدمی نے جواب دیا۔

"اوہ! پھر یہ پڑھو گے کہ بہادر امریکن نے ایک چھوٹی سی بچی کی جان بچائی۔"

"مگر میں امریکن بھی نہیں، پاکستانی ہوں۔"

اگلے دن اخبار میں لکھا تھا۔

"ایک اسلامی شدت پسند نے ایک امریکی کتے کو مار ڈالا۔ ممکن ہے کہ دہشت گردوں کے کسی گروپ کے ساتھ اس کا تعلق ہو۔"

اقصیٰ ناصر۔ کراچی

ہوتی ہے۔
(یسرا)

غصہ تھوڑی دیر اور عزت ہمیشہ کی دیوانگی ہے۔
(کوبرا)

عائشہ ۔ گوجرہ

موت سے سخت

سقراط سے پوچھا گیا۔

"موت سے بھی سخت کوئی چیز ہے؟"

اس نے جواب دیا۔ "زندگی۔ کیونکہ ہر قسم کے رنج و آزار اور مصیبتیں زندگی ہی میں برداشت کرنا پڑتی ہیں جبکہ موت ان سے نجات دلاتی ہے۔"

حاصل مطالعہ

⁄ وہ دن میرے لیے موت کی طرح ہے۔ جس دن میں نے کچھ سیکھا نہیں۔
(دیوجانس کلبی)

⁄ افلاطون نے ارسطو سے شکایت کی "میں نے تمہاری برائی ایک معتبر شخص سے سنی ہے۔"
ارسطو نے جواب دیا۔
"جو شخص غیبت کرتا ہے وہ معتبر نہیں ہو سکتا۔"

عدل

ارسطو سے سکندر نے پوچھا۔
"بادشاہوں کے لیے شجاعت اور عدل میں کون سی چیز افضل ہے؟"
جواب دیا۔ "عدل۔ اس وجہ سے کہ عدل کی موجودگی میں شجاعت کی ضرورت نہیں۔"

ایسے ہی

ایک محفل میں فیض صاحب بھی موجود تھے۔ باتیں ہو رہی تھیں کہ اس ملک کا مستقبل کیا ہو گا؟"
کسی نے کہا۔ انارکی ہو جائے گی۔ کسی کے خیال میں بڑے پیمانے پر خون خرابہ اور کچھ کے خیال میں ملک مزید ٹوٹ سکتا تھا۔ ایسے میں فیض صاحب کی رائے پوچھی گئی تو انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔
"بھئی میرے خیال میں اس سے بھی برا ہو گا۔"
سب نے حیران ہو کر پوچھا۔
"وہ کیسے؟"
فیض صاحب نے جواب دیا۔
"مجھے ڈر ہے کہ یہ ملک ایسے ہی چلتا رہے گا۔"

پارسا

ایک محترم پوپ جیل کے معائنے کے لیے گئے۔ انہوں نے تمام قیدیوں سے ان کا جرم پوچھا۔ قیدیوں نے جرم سے انکار کیا اور کہا کہ وہ بے گناہ

www.pakistanipoint.com

ہیں۔ انہیں سزا غلط دی گئی ہے۔ صرف ایک قیدی نے اعتراف کیا کہ وہ مجرم ہے۔ پوپ نے فوراً حکام سے کہا۔

"اسے فوراً رہا کیا جائے ورنہ اس کی صحبت تمام پارساؤں کو بگاڑ دے گی۔"

کب مرنا چاہیے؟

جالینوس سے لوگوں نے پوچھا۔

"انسان کو کب مرجانا چاہیے؟"

جواب دیا "جب کسی کو اپنے نفع نقصان کی تمیز نہ رہے۔"

درویشی اور دُنیا داری

حضرت شیخ علاؤالدین سمنانی۔ بہت بڑے ولی اللہ تھے۔ اپنی جوانی کے ایام میں وزیر رہ چکے تھے۔ انہوں نے وزارت چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ اور چالیس سال تک سخت عبادت و ریاضت میں مشغول رہے۔

آخری وقت میں خواب میں دیکھا کہ میدان حشر گرم ہے اور خلق خدا کے اعمال کی جانچ پڑتال ہو رہی ہے۔ اسی دوران یہ حکم سنائی دیا۔

"علاؤالدین کے تمام نیک و صالح اعمال اور اس کی چالیس سالہ ریاضت و عبادت کو ایک پلڑے میں اور جو اس نے اپنی وزارت کے زمانے میں ایک بڑھیا کی دل جوئی اور مدد کی تھی۔ اسے دوسرے پلڑے میں رکھا جائے۔"

بڑھیا کی دل جوئی والا پلڑا جھک گیا۔

جب شیخ سمنانی خواب سے بیدار ہوئے تو آپ کو بے حد افسوس اور ملال ہوا کہ اگر میں اس کام کی قدر پہلے جان لیتا تو ترک دُنیا اور درویشی کی طرف مائل نہ ہوتا۔

نمرہ، اقرأ۔ کراچی

بچاؤ

ایک نچلے درجے کے ریسٹورنٹ میں کھانا کھانے کے بعد ایک صاحب کاؤنٹر پر بل ادا کرتے ہوئے بولے۔

"واش بیسن پر جو تولیہ لٹکا ہوا ہے۔ وہ اس قدر غلیظ ہے کہ شاید کوئی اس سے فرش پر پوچا لگانا بھی پسند نہ کرے۔ تمہیں شاید پتا نہیں ہے محکمہ صحت نے ایک قانون منظور کیا ہے کہ ہوٹلوں میں لٹکائے جانے والے تولیوں کو مہینے میں کم از کم ایک مرتبہ ضرور دھو لیا کرو۔ اس قانون کو منظور ہوئے تین مہینے ہو چکے ہیں۔

"وہ تو ٹھیک ہے" کاؤنٹر کلرک لاپروائی سے بولا "لیکن یہ تولیہ اس قانون کے نافذ ہونے سے پہلے کا لٹکا ہوا ہے۔ اس لیے اس پر قانون لاگو نہیں ہوتا۔"

نمرہ، اقرأ۔ کراچی

خوبصورت اقوال

- جو انگلیاں کانٹوں کی نوک سے ڈرتی ہوں وہ پھولوں کی نرمی سے کبھی لطف اندوز نہیں ہو سکتیں۔ (خلیل جبران)
- جو شخص تم سے ڈرتا ہے، تمہیں بھی اس سے ڈرنا چاہیے۔
- آزادی صحافت میں جھوٹ بولنے ـــــ کی آزادی نہیں ہے۔
- وبا کو بیماریوں، سیلابوں، آندھیوں اور زلزلوں نے اتنا نقصان نہیں پہنچایا جتنا غلط مشوروں نے۔ (والٹیر)
- میں نہیں جانتا کہ کمینوں اور بدمعاشوں کی زندگی کیسی ہوتی ہے۔ میں نے کبھی اس گروہ میں شرکت نہیں کی۔ ہاں یہ کہہ سکتا ہوں کہ شریف اور ایماندار کی زندگی آزمائشوں سے پُر ہوتی ہے۔ (میسٹر)
- غصہ تھوڑی دیر اور عزت ہمیشہ کی دیوانگی ہے۔ (کوہلر)

عائشہ۔ گوجرہ

خالدہ جیلانی

میری کیاری سے

نخبہ اکرم ——— گاؤں گولیکی

بارش ہوئی تو پھولوں کے تن چاک ہو گئے
موسم کے ہاتھ بھیگ کے سفاک ہو گئے
بادل کو کیا خبر — کہ بارش کی چاہ میں
کیسے بلند و بالا شجر خاک ہو گئے

حنا سلیم اعوان ——— آخون بانڈی

مجھے چپ لگی ہے مدعا کہتے کہتے
ہمارے بیچ جو حائل ہے، وہ حقیقت ہے
سمجھ رہے تھے مسافر قیام کو منزل
خبر نہیں تھی کہ آگے بھی ایک ہجرت ہے

ثنا عبدالقیوم ——— بنک چیمہ

یہ کناروں سے کھیلنے والے
ڈوب جائیں تو کیا تماشا ہو
وقت کی چند ساعتیں ساغر
ٹوٹ آئیں تو کیا تماشا ہو

فضہ بلال ——— ڈیفنس کراچی

یوں ہی تاریک ہے فردا ابھی موسم نہیں بدلا
چمن کا زرد ہے چہرا، ابھی موسم نہیں بدلا
فضا میں جال پھیلے ہیں، نہیں جائے اماں امجد
کہ صیاد کا پہرا، ابھی موسم نہیں بدلا

ارم کمال ——— فیصل آباد

سوچا کیے کہ ٹوٹ نہ جائے کہیں دل
گزری ہے اپنی عمر اسی دیکھ بھال میں
خالد وہ بات اب تو اسے یاد بھی نہیں
ہم جی کو خون کر گئے جس کے ملال میں

عذرا ناصر، اقصیٰ ناصر ——— گلستان جوہر

وہ بات کیوں کریں جس کی خبر ہی نہ ہو
وہ دعا کیسے کریں جس کا اثر ہی نہ ہو
کیسے کہہ دوں تمہیں لگ جائے میری عمر
کیا پتا اگلے پل میری عمر ہی نہ ہو

نمرہ، اقرأ ——— گرین سٹی

میں ریزہ ریزہ تو ہوتا ہوں ہر شکست کے بعد
مگر نڈھال بہت دیر تک نہیں رہتا
جواب مل ہی جاتا ہے ایک چپ ہی کیوں نہ ہو
کوئی سوال بہت دیر تک نہیں رہتا

سیدہ نسبت زہرا ——— کہروڑ پکا

وہی آہٹیں درد بام پر وہی رتجگوں کے عذاب ہیں
وہی آدھ بجھی میری نیند ہے وہی آدھ جلے میرے خواب ہیں
یہ نہ پوچھ کیسے سر کیے، شب و روز کتنے پہر جیے
کسے رات دن کی تمیز تھی، کسے یاد اتنے حساب ہیں

صائمہ جبی ——— کراچی

یہ بھی کیا کم ہے کہ تیری تمنا میں جئیں
لطف منزل نہ سہی حسرت منزل ہی سہی

فاکہہ سہیل ——— کراچی

رُت پلٹتی نہیں وقت رُکتا نہیں
زور اپنا مقدر پہ چلتا نہیں
جینے والوں کا ماتم ہے چاروں طرف
جانے والوں کو اب کوئی روتا نہیں

نوال افضل گھمن ——— بگرات

منزل ان کا مقدر کہ طلب ہو جن کو
بے طلب لوگ تو منزل سے گزر جاتے ہیں
جن کی آنکھوں میں ہوں آنسو انہیں زندہ سمجھو
پانی مرتا ہے تو دریا بھی اُتر جاتے ہیں

لائبہ، ایمن ——— مظفر آباد

اُجالے اس قدر بے نور کیوں ہیں
کتابیں زندگی سے دُور کیوں ہیں
کبھی یوں ہو کہ پتھر چوٹ کھائیں
یہ ہر دم آئینے ہی چور کیوں ہیں

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

امت الصبور

خاتون کی ڈائری

حمدہ خان

کچھ ڈائری سے

جو باتیں ہم فرض کرتے بھی ڈرتے ہیں، وہ کچھ لوگوں پر بیتتی ہیں۔ اس نظم میں اسی کیفیت کا اظہار ہے۔

فرض کرو تم کچھ نہ پاؤ
اپنا آپ لٹا کر بھی
فرض کرو، کوئی مکر ہی جائے
سچی قسم اٹھا کر بھی
اور فرض کرو، یہ فرض نہ ہو
سچی اک حقیقت ہو
تیرے عشق کے ہر رستے پر
جاناں اک قیامت ہو
اور سنا ہے یہ قیامت تو
خون جگر کا پیتی ہے
تم تو جاناں فرض کرو گے
ہم پہ یہ سب بیتی ہے

نجبہ اکرم

کچھ ڈائری سے

میری ڈائری میں تحریر قاضی حبیب الرحمٰن کی یہ غزل قارئین کے نام۔

یوں ترے شہر میں رہا کوئی
جیسے اک وہم تھا نہ تھا کوئی

چین سے بیٹھنے نہیں دیتا
گزرے وقتوں کا رابطہ کوئی

آ گیا ہو گا یاد کوئی کام
دفعتاً اٹھ کے چل دیا کوئی

کار دنیا نے وہ بھی چھین لیا
حاصل جاں تھا درد سا کوئی

آج یہ بوجھ بھی اتار دیا
حرف تھا دل میں ان کہا کوئی

اقصیٰ ناصر

کچھ ڈائری سے

زندگی کتنی بھی مکمل ہو ناتمام ہی رہتی ہے۔ زندگی جب اختتام کو پہنچتی ہے تو احساس ہوتا ہے۔ کہ ایک دنیا تھی جو ہم سے سمیٹی نہ گئی۔ بہت کچھ ہو سکتا تھا، ہو نہ سکا۔

اب جو دیکھیں تو کوئی ایسی بڑی بات نہ تھی
یہ شب و روز کا پُر پیچ سفر
قدرے آسان بھی ہو سکتا تھا
یہ جو ہر موڑ پہ کچھ الجھے ہوئے رستے ہیں
ان میں ترتیب کا امکان بھی ہو سکتا ہے
ہم ذرا دھیان سے چلتے تو وہ گھر
جس کے بام و در پہ ویرانی ہے
جس کی ہر صبح میں، شاموں میں پریشانی ہے
اس میں ہم چین سے آباد بھی ہو سکتے تھے
بخت سے امن کی راہیں بھی نکل سکتی تھیں
وقت سے صلح کا پیمان بھی ہو سکتا تھا
اب جو دیکھیں تو بہت صاف نظر آتے ہیں
سارے منظر بھی
پس منظر بھی
لیکن اس دیر خیالی کا صلہ کیا ہو گا؟
یہ تو سب بعد کی باتیں ہیں میری جان انہیں
دیکھتے سوچتے رہنے سے بھلا کیا ہو گا
وہ جو ہونا تھا ہوا

www.pakistanipoint.com

ہو بھی چکا
وقت کی لوح پہ لکھی ہوئی تحریر کے حرف
خط تنسیخ سے واقف ہی نہیں
بخت مکتب کے رجسٹر کی طرح ہوتا ہے
اپنے نمبر پہ جو "لبیک" نہیں کہہ پاتے
ان کا کچھ عذر نہیں
کوئی فریاد نہیں
یہ وہ طائر ہیں جنہیں اپنی نوا یاد نہیں

لائنیں کٹتی رہیں وقت بدلنے کے سبب
کوئی تحریر مسلسل نہیں ہونے پائی
حاصل عمر
یہی چند ادھورے خاکے
کوئی تصویر مکمل نہیں ہونے پائی

نمرہ اقرا — کھوڈائری سے

منفرد لب و لہجے اور چھوٹی بحر میں شعر کہنے والے جون ایلیا کی یہ غزل آپ سب کی نذر۔

عمر گزرے گی امتحان میں کیا
داغ ہی دیں گے مجھ کو دان میں کیا

مجھ کو کوئی ٹوکتا بھی نہیں
یہی ہوتا ہے خاندان میں کیا؟

اپنی محرومیاں چھپاتے ہیں
ہم غریبوں کی آن بان میں کیا

شام ہی سے دکان دید ہے بند
نہیں نقصان تک دکان میں کیا

بولتے کیوں نہیں میرے حق میں
آبلے پڑ گئے زبان میں کیا؟

دل کہ آئے ہیں جس کو دھیان بہت
خود بھی آتا ہے اپنے دھیان میں کیا

وہ ملے تو یہ پوچھنا ہے مجھے
اب بھی ہوں ترے ارمان میں کیا

تبسم بشیر حسین — کھوڈائری سے

میری ڈائری میں تحریر فرخ اظہار کی یہ غزل میری پسندیدہ غزل ہے۔ آپ بھی پڑھیے شاید آپ کو بھی پسند آئے۔

کتنی شمعیں روشن ہوں گی، کتنے دیپ جلاؤ گی
پیار کی پہلی سالگرہ تم کس کے ساتھ مناؤ گی

میں تو رخصت ہو ہی رہا ہوں آج تمہاری گلیوں سے
اب تم کس کے ساتھ رہو گی، کس کا ساتھ نبھاؤ گی

آخر وہ دن کب آئے گا جب خلوت میں مجھ سے تم
میرے دل کا حال سنو گی، اپنا حال سناؤ گی

فرض کرو بعد فرقت میں تم کو مل جاؤں تو
حیرت میں پڑ جاؤ گی یا سینے سے لگ جاؤ گی

جانے سے پہلے بس اتنا سوچ لو گر تو بہتر ہے
دل کی گلیاں بند ملیں گی، جب تم لوٹ کے آؤ گی

ٹھیک ہے تم لوٹا دو مجھ کو میرے تحفے اور خطوط
لیکن جو دن پیار میں گزرے، وہ کیسے لوٹاؤ گی

ہو جاؤ تم لاکھ کسی کی، پھر بھی سن لو
مجھ سے ہی منسوب رہو گی، میری ہی کہلاؤ گی

:==

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

بقیہ انٹرویو

ہی حجاب کر رہی ہوں۔ کیونکہ یہی رجحان تھا ہمارے گھر میں۔"

"پائلٹ بننے کا خیال کیسے آیا اور کیا حجاب آڑے آیا۔ اس تعلیم میں؟"

جب میں نے اپنی تعلیم کا سلسلہ شروع کیا تو مجھے حجاب کی وجہ سے ڈس ہارٹ تو کیا جاتا تھا مگر میں نے ہمت نہیں ہاری۔ اس زمانے میں کتابیں بھی نہیں ملتی تھیں اور ایک کتاب کے لیے ہمیں 14,14 والیم لینے پڑتے تھے اور دوسرے ملک سے کتابیں منگوانی پڑتی تھیں۔ ایک تو پڑھائی کا خوف کہ کسی کو پتا نہ چلے پھر کتابیں منگوانا۔ مگر پھر بھی ہمت کے ساتھ پڑھائی جاری رکھی۔ اپنی فیلڈ میں مجھے کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ سب عزت بھی کرتے تھے اور تعاون بھی کرتے تھے۔ ہاں پریشانی تھی تو اپنی فیملی کے بزرگوں سے۔ مگر اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے بڑے باعزت طریقے سے "کیپٹن پائلٹ" کا لائسنس دیا۔ بہت سے مراحل سے گزری۔ انڈر گراؤنڈ محنت کر کے اور خوف زدہ ہو کہ گھر والوں کو پتا نہ چلے۔ مگر تسلی تھی کہ قدرت نے کسی مقصد کے لیے مجھے گھر سے باہر نکلنے پر اکسایا ہے۔ اور بس۔"

"سنا ہے کہ لائسنس تو مل جاتا تھا مگر باقاعدہ طور پر جہاز اڑانے کی اجازت نہیں ملتی تھی۔ تو پھر کیسے اجازت ملی۔ اس بارے میں بتائیں؟"

"ہاں جب میں نے دیکھا کہ فلائنگ کرنے کے بعد ان میں کتنا اعتماد آتا ہے اور کتنی کامیابی سے فلائنگ کرتی ہیں کہ کبھی ان کی وجہ سے کبھی کوئی Incident Accident نہیں ہوتا۔ مگر اس کے باوجود کیپٹن کی اسامی کے لیے کوئی ایڈ آتا تھا تو لکھا ہوتا تھا کہ Not Applay for females اس کا مجھے بہت دکھ ہوا۔ اس کے لیے میں نے صدر مملکت صاحب سے بات کی۔ ہماری ایسوسی ایشن بنی جس کا مجھے چیئر پرسن بنایا گیا اور صدر صاحب سے ملنے سے قبل ہمیں یہ بھی کہا گیا کہ اگر آپ نے اس بارے میں "ہائی لائٹ" کیا تو آپ کو ہم بلیک لسٹ بھی کر سکتے ہیں اور پاکستان سے بھی نکال سکتے ہیں۔ تو میں نے کہا کہ جب تک ہم اپنے رائٹس کے لیے کسی سے کچھ کہیں گے نہیں تب تک کچھ نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا کرم ہوا اور ہماری صدر مملکت صاحب سے بات ہوئی کانفرنس ہوئیں اور میڈیا نے بھی اور پرنٹ میڈیا نے بھی ہمارا ساتھ دیا اور ہماری آواز کو "ہائی لائٹ" کیا جس کی وجہ سے پالیسی تبدیل ہوئی اور جاب کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ بکس نہیں ملتی تھیں اس کے لیے بھی میں نے از خود جدوجہد کی اور کامیاب ہوئی بکس منگوانے میں۔"

"جیسا کہ آپ بتا رہی ہیں کہ گھر کا ماحول صوم صلوٰۃ کا اور پردے کا بہت پابند تھا تو آپ کو پائلٹ بننے کی اجازت کیسے ملی؟"

"یہ بھی بس اچانک ہی ہوا۔ جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا کہ مجھے بچپن سے ہی ہر علم حاصل کرنے کا شوق تھا مگر ہمارا ماحول بہت مذہبی اور پردے کا پابند تھا۔ امید نہیں تھی کہ اس فیلڈ میں میں جاؤں گی۔ مگر ہوا یہ کہ میرے بھائی کی شادی تھی اور ہمیں جہاز سے فلاور ڈراپنگ کروانی تھی۔ تو بھائی جب اس چیز کے لیے گئے تو وہاں بھائی نے پوچھا کہ کیا لڑکیاں بھی پائلٹ بن سکتی ہیں تو انہوں نے کہا کہ اگر وہ ہماری ریکوائرمنٹ کو پورا کر دیں تو بن سکتی ہیں اور Requirement یہ ہیں کہ ان کا میڈیکل بورڈ ہوتا ہے وہاں سے کلیئر ہونا پڑتا ہے پھر تحریری ٹیسٹ ہوتا ہے۔ پھر فلائی ٹیسٹ ہوتا ہے۔ تو میں حیران کہ میرے لیے اتنی معلومات کر کے آئے ہیں باہر تو مجھے نکلنے نہیں دیتے۔ ضرور مذاق کر رہے ہوں گے۔ اس لیے کہ عام گھروں میں بچوں کو ڈانٹ پڑتی ہے کہ پڑھو لیکن ہمارے گھر میں نہ پڑھنے پر زور دیا جاتا تھا۔ ہاں میری والدہ کو بہت شوق تھا کہ ان کے بچے

Waqar Azeem www.Pakistanipoint.com

پڑھیں۔

میری والدہ نے گھر والوں سے چھپ چھپا کے مجھے پڑھایا۔ اور ہمارے لیے دعائیں بھی بہت کرتی تھیں۔ اور ان کی دعاؤں نے ہی مجھے اس مقام تک پہنچایا ہے..... بھائی کے فنکشن کے بعد ہم دوبارہ ایئرپورٹ گئے ساری معلومات حاصل کیں میڈیکل بورڈ بیٹھا میں پاس ہوگئی۔ پھر تحریری امتحان ہوا اس میں بھی میں پاس ہوگئی۔ پھر تین دن ہمارا فلائنگ ٹیسٹ ہوا جو کہ ایک ایک گھنٹے کا تھا اس میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ ان کو (یعنی ہمیں) چکر تو نہیں آتے۔ Vomit (الٹیاں) تو نہیں ہوتی۔ یا خوف تو نہیں آتا..... تو جیسے ہی جہاز میں ہم بیٹھے اور تھوڑی سی بلندی پر گئے تو ہمارے چیف صاحب نے کہا۔

"بیٹا You Hare the Control

میں نے ایک سیکنڈ کے لیے انہیں دیکھا اور کنٹرول سنبھال لیا۔ وہ جیسے جیسے ڈائریکشن دیتے گئے کہ اس درخت تک جانا ہے۔ اتنے اینگل تک رکھنا ہے۔ میں ویسے ہی کرتی گئی۔ اس دوران نہ مجھے خوف آیا نہ چکر اور نہ ہی Vomit ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے چونکہ مجھے اس فیلڈ میں کامیاب کرنا تھا اس لیے حوصلہ اور ہمت بھی دے دی۔

تین دن ہمارا یہ ٹیسٹ ہوا اور میں کامیاب رہی۔ اس کے بعد باقاعدہ فلائنگ شروع ہوگئی اور ساتھ ہی کلاسز بھی میرے بھائی مجھے گھر والوں سے چھپ چھپ کر لے کر جاتے تھے۔ میں نے کلاسز لیتی۔ فلائنگ کرتی اور بھائی کے ساتھ گھر واپس آجاتی تھی۔ گھر میں کسی بزرگ کو معلوم نہیں ہوسکا کہ میں بھائی کے ساتھ کہاں جاتی ہوں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ حجاب کی وجہ سے میں نے بہت باتیں سنیں مگر دل چھوٹا نہیں کیا۔

"پھر گھر والوں کو کب پتا چلا کہ آپ پائلٹ بن گئی ہیں اور اب آپ بہ حیثیت کیپٹن کے جہاز اڑائیں گی؟"

"جب کامیابی حاصل کرلی۔ مجھے ڈگری اور لائسنس مل گیا تو اخبار میں انٹرویو شائع ہوا تو میں بہت خوف زدہ ہوگئی کہ ہمارے بزرگ بہت ناراض ہوں گے اور پتا نہیں کیا ہنگامہ ہو۔ لیکن شکر الحمدللہ کسی نے کچھ نہیں کہا بلکہ سب نے حوصلہ افزائی کی۔ میرا پہلا انٹرویو اخبار میں شائع ہوا۔ تو گھر والوں نے کہا کہ جب ہم نے تمہارا انٹرویو دیکھا اخبار میں تو ہم نے اخبار چھپالیا کہ یہ ہماری بیٹی نے کیا کیا ہے۔ مگر جب سب نے ہمیں مبارک باد دی اور بہت ہی سراہا اور بہت ہی عزت دی تو احساس ہوا کہ ہماری بیٹی نے ہمیں شرمندہ نہیں بلکہ ہمارا سر فخر سے بلند کیا ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان جو کچھ حاصل کرنا چاہے اور اللہ کی رسی تھام کر رکھے اس کو پانچ وقت سجدہ کرے اور اسی سے مدد مانگے تو وہ دنیا میں کامیابی دیتا ہے۔

Waqar Azeem Pakistani Cities www.pakistanipoint.com

سب مجھ سے بہت خوش رہتے ہیں۔"

"لائسنس مستقل ہوتا ہے یا چند سال کا؟"

"دوسرے ممالک میں ایک سال کے بعد میڈیکل چیک اپ کے بعد لائسنس ری نیو ہو جاتا ہے جبکہ ہمارے یہاں ہر چھ ماہ کے بعد ہوتا تھا اور اگر ایک پائلٹ Unemployed ہے تو اس کو لائسنس ری نیو کرانا مشکل ہو جاتا تھا کہ اس کام کے لیے اس زمانے میں "ہزاروں" لگتے تھے تو اب لاکھوں لگتے ہیں۔ شکر الحمدللہ ہمارے چار لائسنس ہوتے ہیں اور اب ایک سال کے بعد ری نیو ہوتے ہیں۔ ورنہ چھ ماہ سے اوپر اگر دس دن بھی ہو جاتے تھے تو آپ کو پیپر دوبارہ دینے پڑتے تھے اور دوبارہ پڑھنا کتابوں کی عدم دستیابی کے باعث مشکل ہو جاتا تھا۔ ایسا کسی فیلڈ میں نہیں ہوتا صرف ہماری فیلڈ میں ہوتا تھا۔

اس کے لیے بھی میں نے جدوجہد کی اور اللہ کا شکر ہے کہ ایک سال کی محنت کے بعد "سال بعد ہمارا لائسنس ریونیو ہوتا ہے صرف میڈیکل چیک اپ پر، اس کے علاوہ میری کوشش تھی کہ فیول میں ہم سے ٹیکس نہ لیا جائے۔ کیونکہ امیر کا بیٹا تو پائلٹ بن جاتا ہے جبکہ غریب کا بیٹا صرف ڈرائیور بنتا ہے۔ تو ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ پاکستان میں جتنا ٹیلنٹ پائلٹ ہے دنیا میں کہیں بھی نہیں۔ ہمارے پائلٹ کے مقابلے میں جب دوسرے ممالک کے پائلٹ پاکستان آتے ہیں تو وہ یہاں کے موسم اور Airtubo lanee سے گھبراتے ہیں۔ مگر ہمارے پائلٹ تمام مشکلات کو فیس کرتے ہیں اور بہت ہی سیف لینڈنگ کرتے ہیں۔ پہلے دوسرے ممالک سے پائلٹ ہائر کیے جاتے تھے مگر اب ایسا نہیں ہے۔ اب نہ صرف لڑکیاں پائلٹ ہیں اپنے ملک کی بلکہ مرد حضرات بھی اپنے ہی ملک کے پائلٹ ہوتے تھے۔ پہلے باہر کے ممالک سے پائلٹ لیے جاتے تھے اور ہمارے سویلین تھے وہ بچارے ریونیل ہی کراتے رہتے تھے۔ پھر دوسری ایئر لائنز سے جو پائلٹ آتے تھے ان پر پابندی لگ گئی وہ جب تک اپنے ملک میں ریٹائرڈ نہیں ہو جاتے یہاں آ کے وہ "سی پی ایل" نہیں کر سکتے۔ تو ماشاءاللہ پھر سویلین ے لیے بھی راستے کھل گئے۔ تو میں سوچتی ہوں کہ قدرت نے مجھے کسی مقصد کے لیے شاید دنیا میں بھیجا ہے۔"

"دوسرے ممالک سے آپ کو جاب کی آفر آئی؟"

جی الحمدللہ..... اور یہاں سے ان کے جہاز مجھے لے کر گئے اور کسی صدر سے بھی زیادہ مجھے پروٹوکول ملا اور کہا کہ آپ یہاں آئیں اور ہماری بچیوں کو بھی سکھائیں۔ مگر میں اپنے پیارے وطن کو چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔ حالانکہ اس وقت حالات کراچی کے بہت خراب تھے تو جب ہم پاکستان کی زمین پر لینڈ کرتے تھے تو ایسا لگتا تھا کہ ماں کی گود میں آ گئے ہیں جنت میں آ گئے ہیں۔ جہاں جائیں پروٹوکول بہت ملتا ہے مگر اپنے وطن سے بڑھ کر کوئی وطن نہیں۔ اس ملک نے ہمیں بہت کچھ دیا ہے۔ ایک خانہ کعبہ دوسرا حضور کا روضہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد اپنا وطن، اللہ تعالیٰ اسے سلامت رکھے تا قیامت رکھے رہنے والوں کو صراط مستقیم پر چلائے۔ (آمین)

"آپ نے خدمت خلق کے لیے بھی تو کچھ کیا ہے۔ اس کے بارے میں بھی بتائیں؟"

"جی..... میری ایک بلڈنگ تھی جو میں نے وقف کر دی ان بچوں کے نام جو گلیوں میں کوڑا کرکٹ اٹھاتے ہیں اور وہ بچیاں جو گھروں میں کام کرتی ہیں ان کو سلائی سینٹر بنا کر دیا..... ان بچوں کو یونیفارم بنا کر دیے، ان کو پڑھائی کی طرف راغب کیا۔ کتابیں دیں۔ فری میڈیکل دیا۔ ان کو کمپیوٹر سینٹر بھی بنا کے دیا۔ شکر الحمدللہ جو حسب توفیق ہوتا ہے کر لیتی ہوں مگر اس کا چرچا نہیں کرتی۔ ہم چاہیں تو اپنے ملک کے بچوں کے لیے بہت کچھ کر سکتے ہیں مگر اس کے لیے بڑا دل بھی چاہیے۔"

"اگر آپ پائلٹ نہ ہوتیں، تو پھر کس فیلڈ میں

Waqar Azeem Pakistani Digest
www.pakistanipoint.com

ہوتیں۔"

"اگر میں پائلٹ، ڈاکٹر، انجینئر کچھ بھی نہ بن پاتی تو پھر میں قرآن پاک حفظ کرتی اور "عالمہ" بنتی اور میری خواہش تھی کہ میں قرآن پاک لکھوں اور میں نے تین سپارے لکھے بھی ہیں۔ مگر مجھے یہ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ میں صحیح لکھ رہی ہوں یا غلط والدہ نے کہا کہ اس کا دل حفظ کرنے کو چاہتا ہے تو ایک نابینا حافظ اس کو آکے پڑھا دے گا تو میرے والد نے کہا کہ وہ نابینا ہوگا۔ یہ تو نہیں ہوگی۔ تو ہمارے گھر میں کسی مرد کو آنے کی اجازت نہیں تھی۔"

"اب تو لڑکیاں حجاب اس لیے نہیں کرتیں کہ لوگ کیا کہیں گے۔ آپ کو دوران ٹریننگ مشکل ہوئی تھی؟"

"دوران ٹریننگ بالکل بھی مشکل نہیں ہوئی تھی۔ مرد حضرات کا ہمارے ساتھ بہت اچھا سلوک تھا۔ ہمارے انسٹرکٹر بہت اچھے تھے کہ دل سے دعائیں نکلتی ہیں۔ بہت عزت کرتے تھے اور کرتے ہیں۔ اور آج کل کی لڑکیاں لوگوں کے ڈر سے حجاب اتار رہی ہیں۔ دوپٹے اتار رہی ہیں لیکن اس رب سے نہیں ڈرتیں جس نے دنیا جہاں کی نعمتیں دی ہوئی ہیں۔ انسان میں ٹیلنٹ ہو تو وہ سات پردوں میں بھی کامیابی حاصل کر سکتی ہے۔ حجاب اللہ کا بہت خوب صورت تحفہ ہے۔ حجاب نے ہی مجھے عزت و شہرت دی اور حجاب سے ہی بہت سی بچیوں کے حوصلے بلند ہوئے ہیں۔"

"گھر داری سے کتنا لگاؤ رہا اور ہے؟"

"گھر داری کا بھی شوق ہے اور اپنے بچوں کے بھی کام کرتی ہوں اور مجھے سب کو کھلا کے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔ کھا کے زیادہ خوشی نہیں ہوتی۔ میں ہر طرح کا کھانا پکا سکتی ہوں۔"

"فارغ اوقات میں کیا کرتی ہیں؟"

"مجھے حدیث کا مطالعہ کرنے، اسلامی کتابوں کا مطالعہ کرنے کا شوق ہے تو فارغ اوقات میں اسلامی کتابوں کا مطالعہ کرتی ہوں اور جب جاب کرتی تھی اور دوسرے ممالک جاتی تھی تو خود ہی کوکنگ کرتی تھی اور بچوں کو بھی نوکروں کے سپرد نہیں کرتی تھی بلکہ ان کی تعلیم و تربیت اور پرورش پر خود ہی توجہ دیتی تھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ میرے بچوں نے بہت چھوٹی سی عمر میں بہت اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے۔ میری بیٹیوں نے اکیس سال کی عمر میں ایم بی بی ایس کی ڈگریاں حاصل کی ہیں اور بیٹا بھی بہت چھوٹی عمر میں ایرونا ٹیکل انجینئر بن گیا ہے۔"

"شاپنگ باہر سے ہی کرتی تھیں یا اپنے ملک سے؟"

"شاپنگ کا مجھے کوئی خاص شوق نہیں رہا۔ جتنا پڑھائی کا شوق رہا ہے اور باہر سے کبھی کبھار ہی کوئی شاپنگ کرتی تھی۔ اپنے ملک میں ہر چیز مل جاتی ہے تو باہر سے کیا خریدنا۔ اور ویسے بھی جب میں ملک سے باہر جاتی ہوں تو صرف چند سوٹ لے جاتی ہوں۔ کیونکہ مجھے فیشن سے بھی زیادہ لگاؤ نہیں رہا ہے۔ اپنے ملک میں اچھا موسم، اچھا پھل، اچھا پھول سب کچھ ہی تو ہے۔ اور میں دیکھتی ہوں کہ "یو ای اے" میں بھی ہمارے پاکستان سے ہی پودے اور مٹی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو قائم و دائم رکھے (آمین)

"سیاست سے لگاؤ ہے آپ کو؟"

"سیاست بہت مشکل کام ہے سیاست وہ کرے جو عوام کی خدمت بھی صحیح طریقے سے کر سکے۔ مجھے ایک بار "نگراں حکومت" میں منسٹری کی آفر ہوئی تھی مگر میں نے منع کر دیا کیونکہ اتنی بڑی ذمہ داری سنبھالنا میرے بس کی بات نہیں تھی۔ انسان وہ کام کرے جو اس کے بس میں ہو، یہ نہیں کہ آپ عوام کی گالیاں سنیں، بددعائیں لیں۔ اور نفرت لیں۔

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے محترمہ شہناز لغاری صاحبہ سے اجازت لی۔ اس شکریہ کے ساتھ کہ انہوں نے ہمیں ٹائم دیا۔

☆☆

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

نادرہ خاتون

ہمارا صفحہ

خط بھجوانے کے لیے پتا
خواتین ڈائجسٹ، 37- اُردو بازار، کراچی۔
Email: info@khawateendigest.com

صدف ناصر..... گوجرانوالہ

غالباً یہ 1996ء کی بات ہے۔ سائرہ باجی مارکیٹ گئیں تو بک سینٹر سے ایک خوب صورت سا ڈائجسٹ خرید لائیں اور وہ تھا ''شعاع ڈائجسٹ''۔

پہلے شعاع کے سلسلوں میں مستقل لکھتے رہے۔ یہ بات ہے 2006ء اور 07ء کی مگر پھر طویل ترین خاموشی مگر مستقل قاری۔ پر اب خاموش نہیں رہا جا رہا۔ ان چوبیس سالوں میں دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ سب کچھ بدل گیا۔ رشتے ناتے تک پہلے سے نہیں رہے مگر نہیں بدلے تو ہمارے دکھ سکھ کے ساتھی، ہمارے غم گسار ڈائجسٹ نہیں بدلے ہمارے ساتھ۔ پتا نہیں کیسی ہمدردی، شفقت، اپنائیت، پیار، دل جوئی، مروت، لحاظ، رواداری، مٹھاس بھر دی گئی ہے ان میں جو کبھی ختم ہی نہیں ہوتی، نہ ہی کم ہوتی ہے۔ جب کبھی دکھ میں اٹھایا ڈائجسٹ تو دکھ کم، تکلیف میں اٹھایا تو تکلیف کم، دنیا کی دی گئی اذیتوں میں اٹھایا تو خود میں صبر ہی صبر پایا۔ آج جو میں بے حد متحمل، شکر گزار، گریس فل، کم گو اور بہت کامیاب (الحمدللہ) ہاؤس وائف ہوں تو صرف اور صرف خواتین اور شعاع کی وجہ سے۔

لوگ بد زبانی کرتے ہیں میں چپ..... کیونکہ ڈائجسٹ نے بد زبانی نہیں صبر سکھایا۔ خواتین نے سکھایا اپنے سگھڑاپے، پیار اور محنت سے سسرال کو کیسے اپنا بنانا ہے۔ میں نے اپنے سسرال کو اپنا میکہ بنا لیا تو لوگوں نے میرا ایثار نہیں دیکھا، الزام لگا دیے پتا نہیں کیا گھول کے پلایا ہے اس نے سب کو۔ ہر کوئی اس کے ہاتھوں پر ہے، تب بھی میں خاموش..... مگر آج کہنا چاہوں گی جس جس نے بھی کسی کو اپنا بنانے کا جادو سیکھنا ہے وہ ہمارے ڈائجسٹ سے سیکھ لے۔ ساس، سسر کی خدمت، شوہر کی فرماں برداری، بچوں کی پرورش، گھر کی بہترین صفائی و آرائش (آپ کا باورچی خانہ) غرض یہ کہ کیا کیا نہیں، ہر کہانی میں، ہر سلسلے میں۔

محمود ریاض صاحب سے لے کر آج تک جو جو بھی لوگ ہیں آپ سب کو ہمارا اسلام۔ ہماری دعائیں۔ ہماری زندگیوں کو پرسکون، خوش و خرم، شاد و آباد رکھنے والے لوگو! اللہ آپ سب کو دونوں جہانوں میں بہترین جزا دے، آمین ثم آمین۔

''کہنی سنی'' وہی کچھ آپ نے فرمایا جو ہم چوبیس سال نہ کہہ پائے۔ آپ سے پورا اتفاق ہے۔ ''معاملہ فہمی'' قرۃ العین سکندر کی شاید پہلی کاوش ہے۔ ''شادی مبارک'' قانتہ رابعہ بہت اچھی رائٹر، بہت مبارک ہو آپ کو بیٹی کی شادی۔ اللہ سب کو اسی طرح سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ مگر قانتہ جی! ہمیشہ ہم نے ہر جگہ سنا اور پڑھا کہ بازار میں داخل ہوتے چہارم کلمہ پڑھتے ہیں مگر آپ نے کہا کہ تیسرا کلمہ؟ اور سب سے آخر میں، سب سے شان دار سلسلے کی بات ہو جائے ـــــ ''ہمارے نام'' ایک سے بڑھ کر ایک ذہین و فطین قاری بہنیں۔ اچھے سے اچھے خط اور بہترین چاہت بھرے جواب۔ واہ زبردست۔

☆ پیاری صدف! بہت مزا آیا آپ کا خط پڑھ کر۔ خط کے ساتھ تبصرہ بھی بہت اچھا ہے جو ہم طوالت کی

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

بنا پر شائع نہیں کر پائے۔ آپ نے ایک طویل عرصے بعد شرکت کی، بہت خوشی ہوئی۔ اب باقاعدگی سے شرکت کرتی رہیے گا۔ قرۃ العین سکندر کی پہلی کاوش نہیں تھی، ان کے کئی افسانے شائع ہو چکے ہیں۔

سلمٰی مسرت.....راولپنڈی

یکم مارچ کو میری سالگرہ اور اپریل میں خواتین ڈائجسٹ کی سالگرہ ہے۔ آپ میری محبت دیکھیں کہ 1980ء سے آج تک میں نے غم، خوشی کسی بھی لمحے میں شعاع اور خواتین کا مطالعہ نہیں چھوڑا پھر ماشاء اللہ ہر قاری بہن کا خط پڑھ کر ایسا لگتا تھا کہ میری بات پہنچ گئی ہے، جب طالب علم تھی، مارچ میں ایگزام ہوتے اور میں ابو سے اپریل کا شمارہ منگوا کر تالے میں بند کر دیتی۔ فارغ ہو کر پہلا کام ان کا مطالعہ تھا۔ بچوں کی پیدائش پر ایک بار امی نے دیکھ کر ڈانٹا تھا کہ کچھ دن بعد میں پڑھ لینا، نظر پر اثر پڑتا ہے۔

اب ماشاء اللہ میری ڈیڑھ سال کی پوتی ہے۔ اپنے بابا کے ساتھ میرا مارچ کا رسالہ لے کر آئی تو میرے بیٹے ارسلان نے کہا۔ ''امی میں پوسٹ کر دوں گا، آپ لکھنا شروع کریں۔'' دوسرے بیٹے کی ایک ماہ پہلے شادی کی ہے۔ بیٹی ایم فل کر رہی ہے۔ تیسرا بیٹا بھی یونیورسٹی پہنچ گیا ہے۔ دونوں بہوئیں گورنمنٹ جاب پر ہیں۔ پہلی پوتی کو اپنے بچوں سے زیادہ لاڈ سے سنبھالتی ہوں۔ الحمدللہ مجھے اچھی ماں، بیٹی، بہو، بیوی اور اب ساس ان ڈائجسٹوں نے بنایا ہے۔ عمیرہ احمد، سمیرا حمید، نمرہ احمد، عنیزہ سید، سائرہ رضا، تنزیلہ ریاض اور تمام رائٹرز کو میرا سلام۔ ان کی تحریروں کو میں تفسیر کی کلاسوں میں بھی شامل کرتی ہوں۔ اس ادارے کے تمام افراد کو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں بھرپور اجر دے، آمین۔

☆ پیاری سلمٰی! کسی قاری کا ایک طویل عرصہ کا ساتھ ہمیں اسی طرح عزیز ہوتا ہے جس طرح پرانے دوست عزیز ہوتے ہیں۔ پرانی کئی دہائیوں پر پھیلی رفاقتوں میں اپنائیت اور محبت سے زیادہ اعتماد کا دخل ہوتا ہے۔ یہ احساس کہ ہم جس سے بات کر رہے ہیں۔ وہ ہماری بات سمجھ رہا ہے، اسے قبول کر رہا ہے۔ آپ کا خط پا کر اس وقت ہمارے احساسات یہی ہیں۔ اپنائیت، محبت اور اعتماد کا احساس۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے۔ اب باقاعدہ شرکت کرتی رہیے گا۔

مریم نشاء.....گاؤں سرگودھا

میں خاموش قاری ہوں۔ پچھلے تین سال سے خواتین اور شعاع باقاعدگی سے پڑھ رہی ہوں۔ جس کہانی نے مجھے قلم اٹھانے پر مجبور کیا۔ وہ تھی ''عشق زادہ'' بہت ہی زبردست اسٹوری تھی۔ ''سحر اب دور نہیں'' ناکس۔ ''عرق'' ونڈرفل ناولٹ تھا۔ افسانے سارے ہی بہترین تھے لیکن ''اندھا شیشہ'' بہت ہی سبق آموز تھا۔ میری بھابھی عثمانہ کو سلام بول دیجیے گا۔ یہ پوچھنا تھا کہ بیس پچیس سال پرانے رسالے آپ کے پاس ہوں گے؟ اگر میں نے لینے ہوں تو آپ سے کیسے منگواؤں اور پرانے رسالوں میں اگر کوئی اسٹوری سلسلے وار ہو تو وہ ناول کی صورت میں مل سکتی ہے؟ اچھا آخر میں ایک گزارش ہے، پلیز ندا یاسر کا تفصیلی انٹرویو لیں۔

☆ ندا یاسر کے انٹرویو کی فرمائش نوٹ کر لی ہے۔ اتنے پرانے رسالے ہمارے پاس تو ملنا مشکل ہے البتہ پرانے رسالے جو لوگ فروخت کرتے ہیں، ان سے مل سکتے ہیں۔ ناول حاصل کرنے کے لیے اس نمبر پر فون کر لیں۔ 021-32735021۔ اپنی بھابھی عثمانہ کو ہماری طرف سے سلام کہہ دیں۔

گوشی جمال.....منڈی یزماں

خواتین، شعاع، کرن ——— سے جنم جنم کا رشتہ ہے۔ بچپن سے ہی ان کی گھر میں آمد و رفت ہے۔ بھائی بھی شوق سے پڑھتے ہیں۔ مگر اماں جان کا فرمان تھا ''گوشی! پہلے میٹرک پھر رسالے'' لیکن ہم کہاں باز رہ سکے۔ اسکول سے واپسی پر آپا کے تکیے کے نیچے سے ڈائجسٹ کھسکا کر پڑھنے میں محو، ہوش و حواس میں اس وقت آتے جب اماں کا جوتا سر پر رنجہ فرماں ہوتا۔ لو جی! پھر ابا جان دنیا سے کیا رخصت ہوئے، اماں چوکنی ہو گئیں۔ زمانہ خراب ہے کے مصداق، آپا کو صرف سترہ سال کی عمر میں اگلے گھر، یعنی پھپھو کے اکلوتے صاحب زادے وہ بھی سترہ کے بمشکل تھے، چلتا کیا۔ آپا گاجری کلر کے غرارہ سوٹ میں ''گاجر'' بنی صادق آباد جا بسیں، بغیر کسی حیل و حجت کے لیکن بعد میں اچھا خاصا خمیازہ بھگت لیا۔

آپا کی رخصتی کے بعد ڈائجسٹ آنے بند۔ ابا شوق سے لا دیتے کہ اچھے معلوماتی جریدے ہیں، بچوں کو شعور

آئے گا حالانکہ اماں خلاف تھیں۔ خیر ہم نے اس کا حل بھی نکال لیا۔ اسکول میں جا کر اخبار اور میگزین دینے آتا اس سے بذات خود خریدنا شروع کر دیا۔ ان دنوں تیس روپے کا شمارہ آتا تھا شاید۔ آپا کے تو سترہ سال کی عمر میں وارے نیارے ہو گئے، نئے کپڑے، نئی جیولری اور اب ہماری دفعہ اماں کے خیالات کچھ زیادہ ہی بدل گئے۔ چوتھی دہائی ہاف ہو رہی۔ مگر مجال ہے دور دور تک کوئی شادی کے آثار نظر آئیں۔ کوئی بھی رشتے والی رشتہ لے کر آتی ہے تو اماں کا وہی جواب ''سوچ سمجھ کر کریں گے'' دراصل اماں کو یہ خدشہ ہے آپا کی دفعہ بہت جلدی کی جس کا اب تک خمیازہ بھگت رہے ہیں کیونکہ بہنوئی موصوف کو شادی کے تین سال بعد کسی اور سے محبت ہو گئی۔ اپنی پھپھو کی معرفت۔ ہماری پھپھو تو ٹھہریں اللہ میاں کی گائے مگر ان کی نند ان معاملات میں بہت پھرتیلی واقع ہوئی تھیں۔ اللہ بھلا کرے ان کا بھی، صد افسوس۔ بہنوئی موصوف کو جب محبت ہوئی تو اس وقت ایک عدد بیٹی کے باپ بن چکے تھے۔ ان کی محبت اتنی گاڑھی نکلی کہ وہاں سے آپا ہی نکل آئیں اور اب ان کی محبت اپنی رفاقت کے اٹھیس سال پورے کر چکی اور نو بچوں کی ماں بن کر وہاں براجمان ہیں اور آپا ''خانہ بدوش'' بن گئیں۔ آپا آتی ہیں تو موسموں کا کوئی پتا نہیں چلتا۔ بہار، خزاں، گرمی، سردی..... اچانک ہی کسی دن آپا کو خیال آجاتا ہے کہ ہمارے ایک عدد شوہر بھی ہیں صادق آباد میں تو پھر ان کی ذرا خیر خبر لینے جاتی ہیں۔ بھانجی شروع سے ہمارے سپرد۔ اس سب گورکھ دھندے میں ہماری شامت آئی ہوئی ہے۔ اب ذرا ہم اپنی دکھی آتما کو ایک سائیڈ پر کر کے کچھ کام کی باتیں بھی کر لیں۔

خواتین، شعاع اور کرن میں تو ہماری جان اٹکی ہوئی ہے یہ جو ہم وقتاً فوقتاً سانس لے رہے ہیں یہ ان جریدوں کی مرہون منت ہے۔ ویسے تو تینوں پرچے اپنی مثال آپ ہیں لیکن خواتین ڈائجسٹ سے وابستگی اور محبت منہ زور اور گاڑھی ہے۔ ٹائٹل پر صائمہ انصار کو دیکھ کر لگتا ہے موصوفہ میری آپا کی طرح جیولری کی بے حد شوقین واقع ہوئی ہیں۔ ''کہنی سنی'' آہ! کاش کوئی ہم سے بھی کہے اور سنے۔ ''دل کے ارمان آنسوؤں میں بہہ گئے'' آگے بڑھ کر ''کرن کرن روشنی'' سے مستفید ہوئے، دل کو سکون آ گیا۔ بے حد عمدہ سلسلہ، دعا ہے تا حیات جاری رہے۔ لو جی اب ہم ماہر شیف فرح محمد تک فراٹے بھرتے ہوئے آ گئے۔ ایک بات ان کی ہضم نہیں ہوئی۔ موصوفہ ویسے تو شیف ہیں معذرت کے ساتھ لیکن ایک ڈرامے کا تذکرہ بھی فرما گئیں لیکن ڈرامے کا نام گول کر گئیں، کیا ہی اچھا ہوتا تو نام بھی بتا دیتیں۔ ان کی اداکاری بھی دیکھ لیتے۔ ''شادی مبارک ہو'' لو کر لو گل، مزنہ اور محسنہ کے لیے نیک دلی تمنائیں اور ڈھیروں ڈھیر دعائیں۔ اللہ پاک آپ دونوں کو تا حیات خوشیوں سے ہمکنار رکھے، آمین۔ ''تتلی جیسا پیار'' راحت جبیں کیا کہنے آپ کے اور ''رنگ ریز میرے'' عفت سحر طاہر دونوں ناولز میرے موسٹ فیورٹ ہیں۔ نگہت عبداللہ، نگہت سیما، عمیرہ احمد، نمرہ احمد، سمیرا حمید، عنیزہ سید سب قیمتی اثاثے، ان کی حاضری جلدی جلدی لگوایا کریں۔ میمونہ خورشید علی کہاں گم ہیں۔ عید پر حاضری دیں۔ ''کسی رستے کی تلاش میں'' ابھی تک ذہن میں تازہ ہے۔ گل ارباب کا ''عشق زادہ'' اچھی کاوش۔ لفظوں کا چناؤ اور مضبوطی دیکھ کر لگتا نہیں نئی مصنفہ ہیں۔ ''مریض دل'' حمیرا شفیع کیا لکھا ہے۔ باقی سلسلے بدرجہ اتم اپنی حشر سامانیوں کے ساتھ دل میں اتر گئے۔ ان سے لطف اندوز ہو کر عدنان کے صفحہ ''نفسیاتی ازدواجی الجھنیں'' پر جا پہنچے۔ عدنان بھائی زندہ باد۔

☆ پیاری گوشی! اتنا دلچسپ خط لکھا ہے آپ نے کہ ہمیں افسوس ہو رہا ہے کہ آپ نے ہمیں پہلے کیوں خط نہیں لکھا۔ میٹرک سے پرچا پڑھ رہی ہیں تو اتنا طویل عرصہ خاموش کیسے رہیں۔ آپ تو بہت اچھا لکھ سکتی ہیں۔ نہ صرف خط بہت جان دار ہے بلکہ تبصرہ بھی۔ ہمارا تو خیال ہے کہ آپ کہانیاں بھی لکھ سکتی ہیں، اس طرف بھی توجہ دیں۔

آپ کا مسئلہ واقعی پریشان کن ہے۔ عمر نکل جائے تو نہ صرف اچھے رشتوں کا حصول مشکل ہو جاتا ہے بلکہ ایڈجسٹمنٹ میں بھی پریشانی ہوتی ہے۔ آپ کی والدہ کو اس طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے، مزید سوچ بچار میں وقت ضائع نہ کریں۔ ایک بیٹی کا گھر نہ بس سکا تو ضروری نہیں کہ دوسری بیٹی کے ساتھ بھی ایسا ہی ہو۔ آپ اپنی والدہ کو ہمارا خط پڑھا دیں۔ ویسے بھی آپ کی خوش مزاجی اور خوش طبعی دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو دوسروں کے

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

دل میں گھر کرنے کا ہنر آتا ہے۔ آئندہ زندگی میں آپ خود بھی خوش رہیں گی اور دوسروں کو بھی خوش رکھیں گی۔

مریم خان..... پھلروان تحصیل بھلوال

مجھے آپ سے شکایت ہے کہ آپ نے میرے پچھلے دو خطوط شائع نہیں کیے کیونکہ دونوں تنقیدی خطوط تھے تو شائع کون کرتا۔ ہر ماہ آپ اپنی پرانی قارئین کو ہی جگہ دیتی ہیں کیونکہ وہی آپ کو پسند ہیں۔ کیا نئی قارئین کے لیے جگہ نہیں ہے۔

☆ مریم جی! اگر آپ یہ سلسلہ پڑھتی ہیں تو آپ کو اندازہ ہونا چاہیے کہ اس سلسلے میں تعریفی خطوط کے ساتھ ساتھ تنقیدی خطوط بھی شامل ہوتے ہیں۔ آپ کے دو خط شائع نہ ہو سکے تو اس کی کوئی اور وجہ ہو سکتی ہے، تنقید نہیں۔ جن قارئین کو آپ پرانی کہہ رہی ہیں، وہ بھی بھی نئی تھیں اور اس سلسلے میں ہم نے پہلی بار انہیں شامل کیا تھا۔

ارجمند شاہین..... حویلیاں

''کرن کرن روشنی'' پڑھ کر دل و دماغ کو سکون ملتا ہے۔ فرح محمد سے اور شہاب الدین صاحب سے ملاقات زبردست رہی۔ ان کی تصویر دیکھی تب یاد آیا، میں بہت چھوٹی تھی جب یہ پی ٹی وی پر خبریں پڑھا کرتے تھے۔ ان سے پہلے ارجمند شاہین صاحبہ بھی کوئی تھیں جن سے متاثر ہو کر والد صاحب نے میرا نام رکھا۔ خالد حمید، عشرت فاطمہ، عبد السلام مرحوم یہ سب پی ٹی وی کا سرمایہ ہیں۔

جناب کہانی ''حالم'' ہمیشہ کی طرح پہلے نمبر پر رہی۔ ''تتلی جیسا پیارا'' راحت جبیں نے جو حالات پیش کیے، دونوں اسی کے حق دار تھے لیکن کچھ غلطی دونوں کے والدین کی بھی تھی۔ اب بھگتیں دونوں خاندان۔ ''رنگ ریز میرے'' اچھی جا رہی ہے لیکن فی الحال مجھے اس میں کوئی خاصی دلچسپی نہیں، شاید آگے جا کے کہانی اپنی طرف متوجہ کرے۔

باقی کہانیاں اور ناولٹ بھی اچھے تھے۔ ''ہمارے نام'' میں جن بہنوں نے ''میرے باورچی خانہ'' کی تعریف کی، ان کا بہت بہت شکریہ۔ ریحانہ جی! کچن بدر کی وجوہات پھر کبھی بتاؤں گی، آپ کی اس بات سے اتفاق تو ہے کہ سسرال والے کہاں رعایت دیتے ہیں لیکن بچیوں کا نصیب کچن سے مشروط نہیں ہوتا (معذرت) یہ میری ذاتی رائے ہے۔ آپ کے آس پاس بھی ہوں گی اور میرے اردگرد بھی۔ پھوہڑ سے پھوہڑ لڑکی سسرال میں بس جاتی ہے اور سلیقہ مند نصیب کی مار کھا کے واپس میکے۔ یہ نصیب کے کھیل ہیں۔

میں بھی نویں جماعت میں کچن میں بہت شوق اور لگن سے داخل ہوئی تھی پھر اٹھارہ سال یہ ذمہ داری احسن طریقے سے نبھائی۔ حویلیاں ڈگری کالج میں بھائی کی جاب تھی اور مہینے میں ایک دفعہ ضرور کوئی نہ کوئی ڈش پکوا کے لے جاتے۔ کم سے کم سات اور زیادہ سے زیادہ ساٹھ افراد کے لیے۔ ماشاء اللہ تعریف بھی ہوتی اور محنت لگن بھی ٹھکانے لگتی۔ مجھے اب صرف سالن روٹی سے الرجی ہے، باقی کچن کے کام برتن دھونا، صفائی ستھرائی، سارے گھر کی اب بھی بہت شوق سے کرتی ہوں۔ آپ سب بہنیں بھی بچیوں کے شوق اور لگن کو برقرار رکھنے کے لیے حد سے زیادہ ذمہ داری سے پرہیز کریں اور وقتاً فوقتاً کام کی ڈیوٹی تبدیل کرتی رہیں بچیوں کی۔ ایک بچی سے کھانا بنوایا تو دوسرے دن اسے صفائی کا کام سونپ دیں۔ باقی نصیب پر چھوڑ دیں۔

☆ ارجمند بہن! آپ اپنی ریسپی ضرور بھجوائیں، شائع کیوں نہیں ہوگی، ضرور ہوگی۔

بہت اچھا مشورہ دیا ہے آپ نے۔ انسان یکسانیت سے اکتا جاتا ہے۔ یہ اس کی فطرت میں داخل ہے کہ کوئی بھی کام مسلسل کرے تو اس کام سے بے زار ہو جاتا ہے۔ معمولات میں تھوڑی سی تبدیلی سے اکتاہٹ نہیں ہوتی۔ باقی نصیب والی بات بھی بہت حد تک ٹھیک ہے۔ اچھا نصیب ہو تو سب کچھ مل جاتا ہے۔ لیکن کوشش اور محنت بھی رنگ ضرور لاتی ہے خواہ دیر سے سہی۔

تبصرہ حسب معمول بہت اچھا ہے، بہت شکریہ۔

سیدہ تبسم بشیر حسین..... ڈنگہ صوبہ پنجاب

آپ نے میری نظم نہیں لگائی؟ میرا دل ٹوٹ گیا اور بہت برا بھی لگا۔ ٹائٹل بہار کی مناسبت سے نہ لگا۔ یہاں سے منہ بنا کر ہم مدیرہ کی محفل ''کہنی سنی'' میں گئے جہاں جناب کا موضوع کہانی تھا۔ بھئی، میں تو کہوں گی کہ کہانی کو کہانی ہونا چاہیے نا کہ نصیحتوں سے بھری کوئی کتاب اور ویسے بھی مجھے رومانٹک کہانیاں زیادہ پسند ہیں۔ ''کرن کرن روشنی'' جو واقعی روشنی ہے۔ بہت پسند ہے مجھے یہ سلسلہ۔ ''مجھ سے ملیے'' میں فرح محمد سے ملاقات کی جو کہ خوب رہی، بالکل صحیح کہا انہوں نے۔ حوت لوگ واقعی بہت پیار کرنے والے ڈیسنٹ لوگ ہوتے ہیں، اب

Taqdeem
www.pakistanipoint.com

مجھے ہی لے لیں۔ قانتہ رابعہ کے قلم سے شادی کا احوال پڑھ کر بھی بہت مزا آیا۔ ایسا لگا میں وہیں موجود ہوں۔

☆ پیاری تبسم! آپ واقعی بہت پیاری بچی ہیں، ہمیں بہت عزیز ہیں۔ آپ کی نظم میں تھوڑی سی بھی گنجائش ہوتی تو ہم ضرور شامل کرتے۔ آپ محنت کر کے دوبارہ لکھیں۔

ڈاکٹر فریال خان..... ڈی جی خان

میرے خط، میری باتیں آپ کے لیے ہوتی ہیں، میری فیلنگز آپ کے لیے ہوتی ہیں، آپ کے خط میں ایک بہن نے مجھ پر تنقید کی تو مجھے صرف یہ بتانا ہے کہ میں کتنا اپنے پیشے سے، اپنے مریضوں سے مخلص ہوں۔ آپ کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے، نہ ہی آپ کو مجھے اخلاق سکھانے کی ضرورت ہے بی بی۔ الحمدللہ مجھے پتا ہے مجھے کیا کرنا ہے۔ یہ صرف مثال دی تھی تشبیہہ نہیں۔ لکھنے سے پہلے ذرا غور کیا کریں، کیا لکھ رہی ہیں۔ ہم ڈاکٹرز کی ہی ہمت ہوتی ہے کہ 106 بخار ہو اور آپ پھر بھی مریض کو خوش اسلوبی سے چیک کر رہے ہوں۔ یہ ہماری ہمدرد طبیعت ہی ہوتی ہے جو بارش میں بھی ہمیں گھر سے نکلنے پر مجبور کرتی ہے کہ مریض بے چارہ پتا نہیں کتنی دور سے آئے گا۔ یہ فری ادارہ ہے جہاں میں اپنی سروسز دے رہی ہوں۔ یہ ہمارا اخلاق ہی ہے جو نہ ہمیں سردی محسوس کرنے دیتا ہے نہ گرمی۔ حد ہے، مجھے بہت برا لگا اور افسوس بھی ہوا، عام سی بات کو اٹھا کے کہاں سے کہاں لے گئے۔ میں نے سرسری پڑھا ''تتلی جیسا پیار'' میرا تو دل ہی اداس ہو گیا۔ بس پھر چھوڑ دیا، ابھی ہمت نہیں ہے اس کو پڑھنے کی۔ ''حالم'' یقین کریں نمرہ احمد آپ سے میں اس قدر متاثر ہوتی جا رہی ہوں کہ لگتا ہے آپ کی شاگردی میں ہی نہ آ جاؤں ڈاکٹری چھوڑ کے۔ نمرہ جی اس بار جھوٹ کو چھوڑ دینے کی کتنی اچھی مثال دی۔ دل خوش ہو گیا۔ اس بار گل ارباب کا ''عشق زادہ'' بہت کچھ یاد دلا گیا، ہائے وے لمبے بال، کیا کچھ نہ یاد آیا۔ بالوں کے حوالے سے آپ کو بتاؤں مجھے کریز تھا لمبے بالوں کا۔ ہر چیز ٹرائی کی۔ ملتانی مٹی، سرسوں کی کھلی، شیمپو، ڈاکٹری علاج ٹوٹکے مگر لمبے نہ ہوئے گھنے سے گھنے ہوتے گئے۔ کیونکہ گھنگھریالے جو تھے، وہ سب گردن پر رہتے پونی کرتے تو بچے کہتے باجی فری نے دنبے کی دم لٹکائی ہوئی ہے گردن پر۔ پھر ایسا پت جھڑ کا موسم آیا کہ تین بال ہی رہ گئے۔

گل ارباب نے اس ناول کو ذرا بولڈ انداز سے لکھا۔ میں ڈاکٹر ہو کے اس کو پڑھ کے شرمندہ ہوئی۔ تھوڑا کم رومینس پلیز۔ آگے جا کے ناول نے متاثر نہیں کیا۔ ''سحر اب دور نہیں'' فرح بھٹو نے بہت لکھا، بہت اچھا لگا۔ پڑھ کر مطلب مزا آ گیا۔ ہائے اللہ، مر گئی۔ آج کل میری بہن مجھ سے گھر کے کام کروا رہی ہیں کہ کچھ سیکھ لو، نکمی گھر کے کام بھی آنے چاہئیں۔ کیونکہ ہمارے ہاں ملازموں کا رواج نہیں ہے اور میں خود بھی چاہتی ہوں کام آنا چاہیے۔ اب کام کر کر کے میرے ہاتھ دکھ رہے ہیں۔ اس لیے خوب صورتی سے لکھا نہیں جا رہا۔ اف..... ''عرق'' بھی اچھا لگا۔ باقی افسانے ''مریض دل'' حمیرا شفیع نے بہت اچھا لکھا۔ ادی نبیلہ عزیز، مریم عزیز، ام مریم، سحر ساجد کہاں ہیں ڈھونڈ لیں ان کو۔ کوئی تو لا دے ان کی کوئی تحریر۔ ویسے ایسا کرنا نہیں چاہیے، کتنا ہم لوگ ان کو یاد کر رہے ہیں اور وہ ہیں کہ ہمیں گھاس بھی نہیں ڈال رہی ہیں۔

☆ ڈاکٹر صاحبہ! اس قدر غصہ، اتنی ناراضی.....

ریحانہ چوہدری کو ایک بات اچھی نہیں لگی تو انہوں نے اپنی رائے کا اظہار کر دیا جیسے آپ نے گل ارباب کی کہانی پہ کیا۔ اور یہ سلسلہ تو ہم نے اپنے قارئین کی رائے جاننے کے لیے ہی شروع کیا ہے۔

غصہ میں ہونے کے باوجود آپ نے خط بہت اچھا لکھا، ہمیشہ کی طرح دلچسپ ہے۔۔ تبصرہ بھی جان دار ہے۔ گل ارباب کی کہانی میں ہمیں تو ایسا کچھ نہیں لگا جسے پڑھ کر شرم آئے۔ ہم تو خود ان باتوں کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ اب مزید خیال رکھیں گے۔

سیدہ ماہا بشیر حسین..... ڈنگہ

ٹائٹل پر صائمہ انصاری براجمان تھیں جو کہ ذرا پسند نہیں آئیں۔ یہ رسالے صرف آنٹیوں کے نہیں ہیں، ہم لڑکیوں کے بھی ہیں۔ سو پلیز نئی اور جوان ماڈلز کی تصاویر لگایا کریں، آ جا کر وہی صورت..... خیر آگے بڑھے اور ''کہنی سنی'' پڑھی۔ خوب کہا جناب نے کہ کہانی اصلاح کا باعث ہونی چاہیے۔ تب ہی تو ساری رائٹرز سکھڑ بی بی بنی، سدھارنے چل پڑی ہیں۔ ہر کہانی ایک سی..... نہ کہ وہی پریشانیاں جو آس پاس ہیں۔ سلسلہ وار تینوں ناولز مہا بورنگ ہیں۔ ''عشق زادہ'' گل ارباب کی تحریر پچھلی کہانی کی طرح

www.pakistanipoint.com

بھی خاص نہیں تھی۔ ''خراب دور نہیں'' فرح بھٹو کا مکمل ناول کچھ پڑھنے لائق تھا اور پسند بھی آیا۔ ''عرق'' سعیقہ عمیر معذرت کے ساتھ کافی باتیں سر سے گزر گئیں۔ آسان الفاظ میں کہانی لکھا کریں۔ یہ اب والا لہجہ نہ لکھا کریں، سخت زہر لگتا ہے مجھے۔ افسانے تقریباً ہر ماہ ایک ہی موضوع پر ہوتے ہیں، بس تھوڑی سی ردوبدل کر دی جاتی ہے۔

ارے واہ ریحانہ آنٹی کی کہانی لگ رہی ہے، پڑھ کر دیکھتے ہیں کہ کیا لکھا ہے انہوں نے۔ ویسے ریحانہ آنٹی آپ سے ملنے کچھ زیادہ ہی لوگ نہیں آ جاتے؟ ڈونٹ مائنڈ..... اور جو بہنیں کہانیاں لکھنے کی کوششیں کر رہی ہیں، میری صلاح ہے بند کر دیں، کون سا لگ جانی ہیں۔

☆ پیاری ماہا! اس ماہ کے شعاع میں ریحانہ چوہدری کی کہانی شامل ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ ہم نئی لکھنے والیوں کی تحریریں بھی شامل کرتے ہیں۔

خواتین ڈائجسٹ حسب معمول آپ کو پسند نہیں آیا، ہمارے لیے نئی بات نہیں۔ بہت شکریہ۔

ہاجرہ عمران خان..... لاہور

''کہنی سنی'' میں آپ نے سو فیصد درست کہا۔ ''ادب کا مقصد صرف تفریح نہیں، زندگی کی اصلاح اور فلاح بھی ہے'' جب سے دنیا میں کورونا کی وبا پھیلی ہے، ایسا لگتا ہے زندگی ہاتھ ہلاتی، بائے بائے کہتی دور جاتی جا رہی ہے۔ سب کچھ بند ہو رہا ہے مگر توبہ کا دروازہ ابھی کھلا ہے۔ توبہ کی توفیق بھی منجانب اللہ ہے۔ دوسری طرف ہمارے مقبوضہ کشمیر کے بہن بھائی ہیں جن کی زندگیاں اور شہر مہینوں سے لاک ڈاؤن کر دیے گئے مگر اس دنیا کے کانوں پر جوں بھی نہ رینگی۔ اس وبا نے ہم سے سجدوں کی توفیق بھی چھین لی۔ باجماعت نماز کا حق چھین لیا گیا۔ ہم راندہ درگاہ ٹھہرے مگر ہمارے دلوں سے دنیا کی محبت نہ نکل سکی۔

فروری کے شمارے پر تبصرہ نہ بھیج سکی۔ اس کی وجہ خالہ کی بیٹی کی شادی ٹھہری۔ مصروفیت آڑے آئی ورنہ ایسے نہیں ہو سکتا تھا کہ پیاری دوست گل ارباب کا ناول خواتین کا حصہ بنتا اور مابدولت تعریف کے ڈونگرے نہ برساتے۔ گل کا بے ساختہ انداز بیاں، برجستہ جملے اور روانی، قاری کو تحریر میں کھو جانے پر مجبور کرتی ہے۔ ویسے گل لاہور کی لڑکیاں اتنی فارغ نہیں ہوتیں، البتہ ادھر کے لڑکے اتنے ہی سادہ اور بے وقوف ہو سکتے ہیں۔ کہانی کے آغاز سے ہی لگ رہا تھا کہ فون کال والی لڑکی فیک ہو گی اور وہی ہوا۔ جیت گل جاناں کے جذبوں کی ہوئی اور ہمارے اندازے کی.....

☆ پیاری ہاجرہ! سچ تو یہ ہے کہ ہم سمیت پوری دنیا کشمیریوں پر مظالم میں شریک ہے۔ وہ پانچ ماہ سے بدترین لاک ڈاؤن کا شکار ہیں اور دنیا انتہائی بے حسی سے تماشا دیکھ رہی ہے۔ شاید قدرت نے دنیا کو کورونا کی شکل کا مزہ چکھایا ہے۔

گل ارباب کی کہانی پر تبصرہ خوب ہے۔ نہ لاہور کی لڑکیاں فارغ ہوتی ہیں، نہ ہی لڑکے بے وقوف ہوتے ہیں، بس کچھ سادہ دل لوگ سب کو اپنے جیسا سمجھ لیتے ہیں۔ یہ ایک نفسیاتی مریضہ اور ایک کم عمر سادہ دل لڑکے کی کہانی تھی۔ خواتین کی پسندیدگی کے لیے تہہ دل سے شکریہ۔

مسکان نور..... لاڑکانہ

ٹائٹل اچھا لگا۔ ''کرن کرن روشنی'' میں طاعون بیماری کے بارے میں پڑھا اور اپنے بہن بھائیوں کو بھی پڑھ کر سنایا تھا۔ ''تتلی جیسا پیار'' یہ قسط پڑھ کر دل دکھ سے بھر گیا تھا۔ اتنے محبت کرنے والے باپ کی کبھی قدر نہیں کی زوباریہ نے۔ مکمل ناول اور ناولٹ بیسٹ تھے۔ پر سب سے زبردست ''سب جھوٹ نہیں ہوتا'' لگا۔ کئی جگہ تو میں بہت ہنسی تھی۔ لاجواب کہانی تھی۔ گل ارباب آپ کا نام بہت پیارا ہے، اب آتی رہیے گا اور افسانوں میں ''غلطی''، ''نیت'' اور ''رستہ دیکھتی مائیں'' زبردست لگے۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

قارئین متوجہ ہوں

خواتین ڈائجسٹ کا اپریل، مئی کا مشترکہ شمارہ آپ نے پڑھا۔ آپ کو یہ شمارہ کیسا لگا؟ آپ کی رائے جاننے کے منتظر ہیں۔

آپ اس شمارے کے بارے میں اپنی رائے ای میل بھی کر سکتی ہیں۔ ہمارا ای میل ایڈریس یہ ہے۔

info@khawateendigest.com

موسم کے پکوان

خالدہ جیلانی

قیمے کے پراٹھے

اجزاء:

میدہ	دو کپ
قیمہ	دو کپ (ابلا ہوا)
پیاز	ایک عدد
لہسن کے جوے	دو سے تین عدد
ادرک	آدھا انچ کا ٹکڑا
ہری مرچ	دو سے تین عدد
ہرا دھنیا	ایک کھانے کا چمچہ
گھی	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب:

میدے میں نمک، گھی اور گرم پانی ملا کر گوندھ لیں۔ پیاز، لہسن، ادرک، ہری مرچیں اور دھنیا اُبلے قیمے میں مکس کرلیں۔ ساتھ نمک بھی شامل کرلیں۔ فلنگ تیار ہے۔ میدے کے بارہ سے پندرہ پیڑے بنالیں۔

ہر پیڑے کے بیچ میں فلنگ بھر کر لپیٹ لیں اور پراٹھے بیل کر پہلے سے گرم توے پر دونوں طرف سے سینکیں، اس کے بعد تیل ڈال کر سنہرا ہونے تک سنکیں۔ مزے دار قیمے کے پراٹھے تیار ہیں۔

مرچوں کے پکوڑے

اجزاء:

ہری مرچیں	ایک پاؤ
تیل	حسب ضرورت
زیرہ	ایک چمچہ
چاٹ مسالا	ایک کھانے کا چمچہ
کھٹائی پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچہ
ہلدی	آدھا چمچہ
بیسن	ایک کپ
لال مرچ	ایک چمچہ

ترکیب:۔

مرچوں کو دھو کر چیرا لگا کر ایک چمچہ اس میں نمک، چاٹ مسالا اور کھٹائی پاؤڈر مکس کر کے بھر دیں۔ بیسن میں نمک، لال مرچ، زیرہ پاؤڈر ملا کر پانی سے گھول لیں۔ ایک کڑاہی میں تیل گرم کریں۔ مرچوں کو بیسن میں اچھی طرح ڈپ کر کے تیل میں ڈال کر درمیانی آنچ پر تل لیں۔ سنہری ہونے پر نکال لیں۔ املی کی چٹنی یا پودینے کی چٹنی کے ساتھ رمضان میں افطار کے لیے پیش کریں۔

کھٹی چٹنی

اجزاء

املی کا گودا	آدھا کپ
ہرا دھنیا	آدھی گٹھی
اجوائن	ایک چٹکی
پودینہ	آدھی گٹھی
زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
چینی، گڑ	دو چمچے
ہری مرچیں	چھ عدد
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب:

املی کا گودا، ہرا دھنیا، پودینہ، زیرہ، گڑ یا چینی، ہری مرچیں نمک ڈال کر پیس لیں۔ مزے دار کھٹی چٹنی تیار ہے۔ رول سموسوں اور پکوڑوں کے ساتھ سرو کریں۔

آلو بینگن، پالک اور پیاز کے پکوڑے

اجزاء

بیسن	ایک پاؤ

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

آلو	دو عدد
بینگن	ایک عدد
پالک	آٹھ یا دس پتے
پیاز	دو عدد
زیرہ	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ	ایک چائے کا چمچہ
گرم مسالا	ایک چوتھائی چائے کا چمچہ
کھانے کا سوڈا	ایک چوتھائی چائے کا چمچہ
پانی	حسب ضرورت
تیل	حسب ضرورت

ترکیب:۔

بینگن اور آلو کے پتلے گول سلائس کاٹ کر نمک کے پانی میں ڈالیں۔ پیاز کے لچھے گول کاٹ کر الگ کرلیں۔ پالک کے پتوں کو دھو کر خشک کرلیں۔ ایک پیالے میں بیسن ڈال کر اس میں زیرہ کٹا ہوا، نمک، لال مرچ، گرم مسالا، کھانے کا سوڈا ڈال کر مکس کریں اور حسب ضرورت پانی شامل کر کے ہموار آمیزہ تیار کرلیں۔

کڑاہی میں درمیانی آنچ پر تیل گرم کریں، تیار کیے ہوئے بیسن کے آمیزے میں آلو، بینگن کے قتلوں، پیاز کے لچھوں اور پالک کے پتوں کو ڈبو کر تیل میں ڈال کر تل لیں۔ مزے دار آلو، بینگن، پالک کے پکوڑے تیار ہیں۔ سرونگ ڈش میں نکال کر لال چٹنی کے ساتھ سرو کریں۔

بگھارے دہی بڑے

اجزاء:۔

بیسن	ایک کپ
لال مرچ	ایک چوتھائی چائے کا چمچہ
ہلدی	ایک چوتھائی چائے کا چمچہ
کھانے کا سوڈا	ایک چوتھائی چائے کا چمچہ
بھنا زیرہ	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب پسند

دہی کے لیے:۔

دہی	تین کپ
لال مرچ	ایک چوتھائی چائے کا چمچہ
ہری مرچیں	دو عدد
ہرا دھنیا	چند پتے
پانی	دو کپ

بھگار کے لیے:۔

ثابت لال مرچیں	پانچ سے چھ عدد
رائی	آدھا چائے کا چمچہ
میتھی دانہ	آدھا چائے کا چمچہ
ثابت زیرہ	ایک چمچہ
کڑی پتا	چند پتے
تیل	چار کھانے کے چمچے

ترکیب:۔

ایک پیالے میں بیسن، لال مرچ، ہلدی، کھانے کا سوڈا، زیرہ اور نمک ملا کر حسب ضرورت پانی ڈال کر ہموار آمیزہ تیار کرلیں۔ ایک پیالے میں دہی، لال مرچ، نمک، ہری مرچیں اور ہرا دھنیا ڈال کر پھینٹیں۔ اس کے بعد اس میں پانی ڈال کر تھوڑی دیر تک پھینٹیں اور ایک سرونگ ڈش میں نکال لیں کڑاہی میں تیل گرم کریں۔ اس میں تیار کیے ہوئے بیسن کے آمیزے کے پکوڑے ڈال کر تلیں۔ سنہری ہونے پر نکال کر پانی سے بھرے ہوئے پیالے میں ڈال دیں۔ سارے آمیزے کے پکوڑے بنالیں اور پانی میں ڈالتے جائیں۔ آدھے گھنٹے کے بعد سارے پکوڑے پانی سے نکال کر نچوڑ کر دہی میں ڈال دیں اور چمچے سے اس طرح مکس کریں کہ پکوڑے ٹوٹیں نہیں۔ اب ایک فرائنگ پین میں چار کھانے کے چمچے تیل گرم کر کے اس میں ثابت لال مرچیں، رائی، میتھی دانہ، ثابت زیرہ اور کڑی پتے ڈال کر کڑکڑائیں اور اس کا بگھار دہی پکوڑوں کے آمیزے پر لگادیں۔ مزے دار بگھارے دہی بڑے تیار ہیں سرو کریں۔ (میتھی دانہ اور کڑی پتا نہ ہو تو کوئی بات نہیں)

☆☆

www.Aanchal.pk.com

عنوان

نفسیاتی ازدواجی گتھیاں

الف.....لاہور

س: میری شادی کو دس سال ہونے والے ہیں، شادی کے شروع کے دنوں میں ہی میرے شوہر نے کہنا شروع کردیا کہ تم میری پسند نہیں ہو۔ تمہیں میرے بھائی نے میرے سر پر مسلط کردیا ہے۔ بات بات پر اپنے بہن بھائیوں کے سامنے میری انسلٹ کردیتے تھے۔ میری منگنی دو سال رہی، تب ان کو ہماری فیملی میں کوئی خرابی نظر نہ آئی اور جیسے ہی شادی ہوگئی۔ مجھ میں اور میری فیملی میں کیڑے نکالنے لگے۔

میری کوکنگ ان کو پسند نہ آتی، نہ میرے پہنے ہوئے کپڑے..... اگر ان کو میری کوئی بات بُری لگ جاتی تو تین تین دن نہ گھر میں کھانا کھاتے اور نہ سیدھے منہ بات کرتے۔ مجھے گھر میں دس روپے تک دینا گوارا نہ کرتے۔ چاہے ناراض ہوتے یا راضی ہوتے۔ پھر بڑے بھائی کے کہنے پر تین ہزار مہینہ دینے لگے۔ بعد میں وہ پھر سے دینے بند کردیے کیونکہ میں نے گھر کے حالات سے تنگ آکر اسکول کی جاب کرلی تھی۔

دو ماہ بعد وہ بھی چھڑوادی۔ سلائی سیکھنا شروع کی، وہ بھی چھڑوادی۔ مجھے ڈپریشن ہونے لگا تو قرآن کی تعلیم سیکھنے لگی۔ وہ بھی چھڑوادی۔ مجھے کہتے میرے ساتھ رہنا ہے تو میری شرطیں ماننی پڑیں گی۔ کم از کم ایک ماہ بعد اپنے میکے جانا ہے، مجھ سے پوچھے بغیر گھر سے باہر نہیں جانا۔ اگر تمہارے گھر والوں کا فون آئے تو وہ پہلے مجھے بتائیں کہ تم سے کیا بات کرنی ہے پھر تم سے بات کریں۔ موبائل، ٹی وی گھر میں نہیں رکھنا۔ رسالے نہیں پڑھنے۔ مجھ سے پوچھے بغیر سونا جاگنا نہیں، وغیرہ وغیرہ۔

اس طرح تیس شرطیں تھیں۔ کچھ عرصہ میں ان کی باتوں پر عمل کرتی رہی، انسان ہوں۔ اور سچ سچ ہو جاتی ہے تو انہوں نے مجھے ایک طلاق دے دی۔

اب گھر کے حالات یہ ہیں کہ ہم بیمار ہو جائیں تو ان کی مرضی ہو تو دوا دلا دیتے ہیں نہیں تو نہیں۔ سال بعد مجھے اور میرے دونوں بیٹوں کو کپڑے لادیتے ہیں اور جوتا بھی۔ گھر میں پیسے بالکل نہیں دیتے۔ تین سال ہوگئے، میں خرچ سے محتاج ہوگئی ہوں اور تین سال ہی ہوگئے، مجھے اپنے ساتھ کہیں لے کے آئے گئے نہیں اور اتنا عرصہ ہوگیا گھر سے میرے ہاتھ کا بنا کھانا کھائے ہوئے۔

ان کی والدہ حیات ہیں اور اپنے دونوں بڑے بھائیوں سے بھی کہہ دیا ہے کہ میرے گھر کے معاملات میں کوئی دخل اندازی نہ کرے۔ شادی کے ڈیڑھ ماہ بعد ہی مجھے اپنی مرضی سے اپنے گھر والوں سے الگ کردیا تھا۔ میری ان حالات میں صبر کی انتہا ہوئی ہے، سوچ سوچ کے اب میں اپنے آپ کو نیم پاگل لگتی ہوں اور جسم میں بھی جیسے طاقت نہیں ہے۔ میری عقل ماؤف ہوگئی ہے کہ کیا کروں، سمجھ میں نہیں آتا۔ ان سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی ہے، ان کے پیروں کو ہاتھ لگا کے معافی مانگی ہے، پر وہ مانتے ہی نہیں کوئی بات۔ بس یہی بات کہ تم میری شرطوں پر عمل نہیں کرتی ہو۔ میں بس کچن کا خرچ اٹھائے ہوئے ہوں، اس سے زیادہ مجھ سے نیکی کی امید نہ رکھو۔

میرے شوہر فرنیچر کا کام کرتے ہیں اور ہمارے مکان کرائے پر چڑھائے ہوئے ہیں۔ تقریباً ایک لاکھ ان کی آمدنی ہے پر میرے اور بچوں کے لیے ان کے پاس کچھ نہیں۔ کہتے ہیں کہ میں تو لوگوں کو ادھار دینے کے لیے کماتا ہوں نہ کہ آپ لوگوں کے لیے۔

میری شادی تیئس سال کی عمر میں ہوئی۔ گھر میں امی ابو نے بہت ڈانٹ ڈپٹ والا ماحول رکھا ہوا تھا۔ چھوٹی سی غلطی

Waqar Azeem Pakistani Point
www.pakistanipoint.com

یا شرارت پر امی ابو [illegible] پاڑ دا کر اور اپنی ٹیں رکھ دیتے تھے۔ میری بڑی مرحومہ بہن کہا کرتی تھی۔ ''امی ابو نے ہمیں اور ہماری [illegible] کوئی دیا۔'' کہتے تھے تم لوگ کچھ نہیں کر سکتے۔ تم لوگ زیرو ہو۔ تم لوگ صحیح نہیں پڑھتے ہو۔ تمہاری [illegible] گزرے گی اور میں سوچا کرتی تھی کہ کیا سگا باپ اپنی اولاد کے ساتھ ایسا کرتا ہے۔ اب تو ان کی [illegible] دعا مجھے اور میری بہن کو لگ گئی کہ وہ بھی انتیس سال کی عمر میں اللہ کو پیاری ہو گئی۔

اور میں [illegible] بھی میرے لیے بوجھ ہو گئی ہے۔ ماں باپ نے شادی کر کے اپنا بوجھ اتار دیا، بس اتنا احسان کیا کہ بی اے کروا دیا [illegible] بھائی کو بھی اتنا مارا پیٹا کہ اس نے ایف اے سے آگے نہیں پڑھا۔ امی ابو اب بھی میرا اور میرے بھائی کا کوئی مسئلہ [illegible] نہیں سمجھتے۔ بس کہتے ہیں ''صبر کرو، ساری غلطی تم لوگوں کی ہے جو تمہارے ساتھ کچھ اچھا نہیں ہوتا۔''

بھائی بھی ایک پندرہ ہزار والی نوکری کو چپکا ہوا ہے۔ اسے بھی کہتے ہیں تمہاری فیملی ہے، کوئی اور نوکری کر لو، پر اس کے بھی کان پہ جوں نہیں رینگتی۔ کڑوی کسیلی سن لیتا ہے، پر اپنی مرضی کرتا ہے۔ نہ کچھ بولتا ہے، نہ کچھ بتاتا ہے۔ بھائی کا بھی بتا دیں کہ اس کے ذہن میں کیا ہے، وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔

مجھے بھی بتا دیں کہ مجھے جو بددعائیں ناجائز دی گئی ہیں، جھولی پھیلا پھیلا کے..... کیا وہ کبھی ختم نہیں ہوں گی۔ کیا میری زندگی ایسے ہی گزرے گی۔ ڈپریشن بہت ہونے لگا ہے، آدھا سر سن ہو جاتا ہے۔ کوئی علاج معالجہ بھی نہیں ہے میرا۔ کیا کروں کیا نہ کروں کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔ چھوٹے دو بچے ہیں، ان کو کس کے آسرے چھوڑوں، ماں باپ بھی نہیں رکھنا چاہتے۔ کیا میری زندگی میں کبھی کوئی خوشی اور سکون آئے گا۔ اب تو میرے اعصاب بھی کمزور ہو گئے ہیں۔ اب مجھے ایسا لگتا ہے کہ میرے شوہر کسی دوسری عورت کے چکر میں ہیں۔ جب سے مجھے یہ پتا چلا ہے میری تو راتوں کی نیند اڑ گئی ہے۔ اب تو میری آنکھوں سے آنسو بھی نہیں نکلتے۔ دل روتا ہے۔ دل روتا ہے دھاڑیں مار مار کے روؤں کہ میرے سارے دکھ آنسوؤں میں بہہ جائیں اور رویا بھی نہیں جاتا، دل والی سائیڈ میں درد ہونے لگتا ہے۔

ج: عزیز بہن! آپ کے حالات پڑھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں۔ پہلے باپ پھر شوہر..... بہت بہادر ہیں آپ کہ ان باتوں کے باوجود آپ حالات کا مقابلہ کر رہی ہیں۔ آپ کے خط کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ذہین، سمجھ دار اور سلجھے ہوئے ذہن کی مالک ہیں۔

کتنی بڑی بدقسمتی ہے کہ ہمارے ہاں جسمانی امراض اور تکلیفوں میں مبتلا افراد کو تو بیمار سمجھا جاتا ہے۔ ذہنی امراض میں مبتلا افراد پہ توجہ نہیں دی جاتی بلکہ ان کی شادی کر دی جاتی ہے۔ سوچ یہ ہوتی ہے کہ شادی کے بعد ٹھیک ہو جائیں گے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔ ماں باپ اپنا بوجھ اتار دیتے ہیں، بیوی بے چاری ساری زندگی بھگتتی رہتی ہے۔

آپ نے لکھا ہے کہ شوہر دوسری عورت کے چکر میں ہے تو ایسا ہونا مشکل نظر آتا ہے۔ ایسے شخص میں پیسے کے چکر میں کوئی عورت وقتی دلچسپی تو لے سکتی ہے لیکن ایسے شخص سے مستقل بنیادوں پر کوئی رشتہ استوار نہیں کر سکتی اور آپ کے شوہر پیسہ خرچ کرنے والے ہرگز نہیں، لہٰذا یہ خیال دل سے نکال دیں کہ وہ دوسری شادی کر سکتے ہیں۔

اگر سسرال والے کسی قسم کی مالی مدد کرنے کے قابل ہیں تو ان سے بات کریں۔ دوسری کسی بات کے لیے کہنا بے کار ہے کیونکہ آپ کے شوہر جس مزاج کے ہیں، ان پر کسی بات کا اثر ہونا ناممکن ہی نظر آتا ہے۔

گھر پر بچوں کو ٹیوشن پڑھا کر یا قرآن پاک کی تعلیم دے کر آپ کچھ پیسے کما سکتی ہیں۔

یہ خیال دل سے نکال دیں کہ یہ حالات بددعاؤں کا نتیجہ ہیں۔ بلاوجہ ماں باپ کی یا کسی کی بددعائیں نہیں لگتیں۔ جب آپ نے کوئی غلطی نہیں کی، نافرمانی نہیں کی، بدزبانی نہیں کی تو کس بات کی سزا ملے گی۔

آپ نے مشکل کے دس سال گزار لیے ہیں۔ ان شاء اللہ اب جلد آپ کا وقت بدلے گا۔ وقت کبھی بھی یکساں نہیں رہتا۔ اتنا کچھ جھیلا ہے آپ نے، اس کا صلہ آپ کو ملنا چاہیے۔

بھائی کی تعلیم کم ہے اور جن حالات میں وہ پلا بڑھا ہے۔ یہ اس کا نتیجہ ہے کہ اس میں کچھ کرنے کی امنگ نہیں رہی ہے۔

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

بیوٹی بکس

امت الصبور

ہمیں ہر ماہ بڑی تعداد میں خطوط موصول ہوتے ہیں جن میں سوال ہوتا ہے کہ موٹاپا کیسے کم کیا جائے۔ اس ماہ ہم ایک ڈائٹ پلان دے رہے ہیں۔ جس پر عمل کر کے وزن کم کیا جاسکتا ہے۔

موٹاپے کی بہت سی وجوہات واقسام ہوتی ہیں ان میں اہم ترین یہ ہیں۔ (1) خاندانی بیماری کے باعث۔

(2) غدودوں کی وجہ سے۔

(3) کھانے کی زیادتی وغیرہ۔

ان تمام وجوہات میں آخری وجہ سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ اگر موٹاپا کسی غدود کی وجہ سے ہے تو اس کا علاج ماہرین امراض غدود سے کروا کر اس سے چھٹکارہ پاسکتے ہیں۔

وزن کم کرنے کے بہت سے طریقے ہیں مگر سب سے بہترین طریقہ ''کیلوریز کنٹرول'' کرنا ہے۔ اس سے معدے کو کم کھانے کی عادت ہوجاتی ہے۔ کیلوریز کنٹرول کرنے کے لیے پہلے اسے سمجھنا اور جاننا ضروری ہے کہ یہ کس طرح مفید ہے۔

مثال کے طور پر ایک ابلے ہوئے انڈے میں 70 فیصد کیلوریز ہوتی ہیں۔ اگر اس کو فرائی کیا جائے تو 650 ہوجاتی ہیں۔ آملیٹ بنایا جائے تو 450 ہوجاتی ہیں۔

ایک سیب میں تقریباً 70 کیلوریز ہوتی ہیں۔ اس کو ہضم کرنے کے لیے تقریباً 25 یا 30 کیلوریز استعمال ہوجاتی ہیں۔ اس کے مقابلے میں ایک چمچہ تیل، گھی یا مکھن (یعنی چکنائی) میں تقریباً 45 کیلوریز ہوتی ہیں اور اس کو ہضم کرنے میں کچھ صرف نہیں ہوتا۔

گوشت میں سب سے بہتر سفید گوشت یعنی مچھلی اور مرغی کا ہوتا ہے۔ سفید گوشت کیلوریز کنٹرول کرنے میں بہت مفید ہے۔

مختصراً یہ کھانے میں گھی اور تیل کا کم سے کم استعمال، پھلوں اور سبزیوں کا وافر استعمال اور آٹے میں بھوسی کی موجودگی وزن کم کرنے کا ذریعہ ہے۔ مندرجہ ذیل ہفتہ وار ڈائٹ پلان پر عمل کر کے آپ بہت حد تک موٹاپے سے نجات حاصل کرسکتی ہیں۔

پہلا دن: سارے دن میں کسی بھی قسم کا پھل کھائیں سوائے کیلے کے۔

دوسرا دن: سارے دن میں کسی بھی قسم کی سبزی کھائیں۔ سوائے آلو، مٹر اور مکئی کے۔

تیسرا دن: سارا دن پھل اور سبزی کھائیں۔

چوتھا دن: سارے دن میں آٹھ کیلے اور چار گلاس دودھ (دہی اور لسی بھی استعمال کی جاسکتی ہے)

پانچواں دن: سارے دن میں آدھا کلو مرغی، ایک کلو ٹماٹر (تین کھانوں میں تقسیم کر کے)۔

چھٹا دن: سارے دن میں آدھا کلو مچھلی اور کوئی بھی سبزی (تین کھانوں میں تقسیم کر کے)۔

ساتواں: سارے دن میں ڈیڑھ پاؤ ابلے ہوئے چاول اور کوئی بھی سبزی (تین کھانوں میں تقسیم کر کے)۔

نیز چائے کافی وغیرہ بغیر شکر کے استعمال کی جاسکتی ہے۔ گھی اور تیل قطعی استعمال نہ کریں۔ گوشت کو کوئلوں پر سینک کر یا ابال کر کھائیں اور سبزیوں کا سوپ دن میں جب بھی بھوک لگے، پی لیں۔ آپ دیکھیں گی کہ چند دن میں آپ کا وزن نمایاں طور پر کم ہونا شروع ہوجائے گا۔

☆☆

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com